#

Done
[illegible]

Cat [illegible]

مبادی قانون فوجداری

سلسلۂ نصابات تعلیم جامعۂ عثمانیہ

مبادی قانون فوجداری

(۱۵) واں اڈیشن ۱۹۳۶ء

از

سی - ایس - کنی

ترجمہ

مولوی حسین علی مرزا صاحب

صدر شعبۂ قانون جامعۂ عثمانیہ

و

مولوی مسعود علی صاحب بی اے (علیگ)

سابق سشن جج سرکار عالی ورکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۹۴۵ء ۔ ۱۳۵۴ ف ۔ ۱۳۶۴ھ

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

دیباچہ ایڈیشن پنجم

کیا جاسکتا ہے۔ اس کا تاریخ، علم الاخلاق، سیاسیات اور حسن معاشرت سے بہت قریبی تعلق ہے۔ میری یہ کوشش رہی ہے کہ قانون فوجداری کے نظریات کو واضح اور قریب الفہم بنانے کے لیے تمثیلات پیش کرتا جاؤں اور اس کے سابقہ سلسلوں کو ظاہر کرکے ان تاریخی بے ربطیوں کی توضیح کروں جو ابھی تک اس قانون کا جزو بنی ہوئی ہیں اور اس کے علاوہ ان اہم ترین نفسیاتی، معاشرتی اور قانونی اختلافات کی طرف اشارہ کرتا چلوں جو عنقریب رونما ہونے والے ہیں۔ کچھ تو مذکورہ غرض کے تحت اور کچھ اس جہت سے کہ ان کی اہمیت آج کل روزمرہ کے قانونی کاروبار میں میرے نزدیک اس سے زیادہ اہم ہے جتنی کہ عام طور پر تصور کی جاتی ہے۔ میں نے پہلے ذمہ داری اور مقدار سزا کے موضوعات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے اور اسی کے ساتھ انگلستان کی فوجداری معدلت گستری اور اس کے ضابطے کی مختلف صورتوں کی بالمقابلہ اہمیت کے بارے میں ایک صحیح صحیح خیال پیش کرنے کی امید میں اپنی عدالتوں اور مجبسوں کے سرکاری اعداد و شمار پر اکثر و بیشتر نظر رکھی ہے۔

ایسے ناظرین کو جن کے پاس اس کا وقت ہے کہ وہ حواشی کے مندرجہ حوالوں کو کام میں لاسکیں یہ بتلا دینا بہتر ہوگا کہ جن نظائر کے لیے K.S.C. کا حوالہ دیا گیا ہے وہ میری کتاب نظائر منتخب فوجداری (Select Cases in Criminal Law) میں ملیں گے۔

اگر کسی شخص کو باب اول جس میں نوعیت جرم کی تعریف کرنے کی کوشش کی گئی ہے کسی قدر دشوار معلوم ہو تو میں اس کو مشورہ دوں گا کہ وہ بقیہ حصۂ کتاب کے پڑھنے کے بعد اس کا مطالعہ کرے حقیقۃً کسی فن کے مطالعے کے موقع پر تعریفات آخر میں آنا چاہئیں نہ کہ ابتدا میں۔

مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ یہ کتاب اس قابل تصور کی گئی کہ امریکہ کے ایک مدیر نے اس میں کچھ رد و بدل کرکے اس کو جامعۂ ایل کی ضرورتوں کے

مطابق بنایا۔ اس کا ایک نہایت اچھا فرانسیسی ترجمہ پہلے ہی شایع ہوچکا ہے۔
سابقہ (بارھویں) ایڈیشن میں میں نے بہت زیادہ تبدیلیاں کیں
اور اس کے کچھ حصے بالکل از سر نو لکھے تھے۔ موجودہ اشاعت کی تیاری
میں میں نے نئے قوانین موضوعہ اور نئے عدالتی فیصلوں کے ہم دوش
چلنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس میں ایک ضمیمہ بھی شامل کردیا ہے اور
کچھ ایسے موضوعات پر حواشی دیے ہیں جو اگرچہ محض ضمنی حیثیت
رکھتے ہیں لیکن کافی اہم ہیں یا دلچسپ ہونے کی وجہ سے جاذب توجہ ہیں۔

ڈاؤننگ کالج کیمبرج

سنہ ۱۹۲۹ء

دیباچہ برائے ایڈیشن پانزدہم

میں ان لوگوں کا اور خصوصیت سے تبصرہ نگاروں کا نہایت شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کے سابقہ ایڈیشن کے بارے میں اپنی آرا اور تجویزات پیش کی تھیں۔ اس سے مجھے یہ موقع ملا کہ میں نے نہ صرف ان تجویزات ہی سے فائدہ اٹھایا بلکہ کتاب کے پورے متن پر نظر ثانی کی اور یہ پتا چلایا کہ مزید ترمیمات کی کہاں کہاں ضرورت ہے۔

سابقہ ایڈیشن کے بعد سے قانون اصلی کی حد تک کوئی اہم تبدیلی قانون موضوعہ میں نہیں ہوئی ہے لیکن ۱۹۳۳ء کے قانون معدلت گستری نے فرد جرم کے بارے میں ضابطے کو شدت سے تبدیل کر دیا ہے۔ قانونِ اطفال و اشخاص نو عمر ۱۹۳۳ء اور قانون سرسری اختیار سماعت (مرافعہ) ۱۹۳۳ء بھی خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ اس سلسلے میں خاص مقدمات سرکار بنام مانلے، میکس ول بنام ڈائرکٹر آف پبلک پراسیکیوشنس اور وولمنگٹن بنام ڈائرکٹر آف پبلک پراسیکیوشنس ہیں۔ رشوت ستانی اور بد دیانتی کے ایک مختصر حصے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ متن اور حواشی میں متعدد اضافے کیے گئے ہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں جملہ اہم نظائر اور قوانین موضوعہ درج کر دیے گئے ہیں۔ شہادت اور ضابطے کے متعلق جو ابواب ہیں ان میں توسیع کی گئی ہے اور ان کے کچھ اجزا از سر نو لکھے گئے ہیں۔ امید ہے کہ ضابطے کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ توسیع کار آمد ثابت ہوگی۔ میں نے خصوصیت سے متن کے اس حصے کو از سر نو لکھا ہے جو مماثل واقعات کی شہادت سے تعلق رکھتا ہے و نیز ان اجزا کو جو فرد جرم کو ارٹر سشن کے مرافعات اور سماعت مقدمات سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیت مجرمانہ، اقدامات، قتل انسان اور سرقہ بذریعۂ دغا سے

جو فصول متعلق ہیں ان میں موجودہ نظائر اور جدید آرا کی روشنی میں کثرت سے تبدیلی کی گئی ہے اور میں نے یہ تصور کرنے کی جسارت کی ہے کہ مصنف کتاب ان جدید آرا سے ضرور اتفاق کر لیتے۔ اس ایڈیشن میں جملہ نظائر کی تاریخیں حواشی میں درج کردی گئی ہیں۔

ڈاکٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ ایس استالیبراس کے اس سلسلۂ مضامین سے جس میں انگلستان اور اٹلی کے قانون فوجداری کا تقابل کیا گیا ہے اور جو مجلۂ متقابل وضع قوانین اور قانون بین الممالک (Journal of Comparative Legislation and International Law) میں شائع ہوتا رہا میں نے خاص طور پر استفادہ کیا ہے و نیز مسٹر پنڈلٹن ہاورڈ کی کتاب 'معدلت فوجداری انگلستان' (Criminal Justice in England) کا بھی میں زیر بار منت ہوں جس میں سے ڈائرکٹر آف پبلک پراسیکیوشنس کے کام اور توسیع اختیار سماعت سرسری کے متعلق میں نے خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔

جی۔جی۔پی

شنگھائی

جولائی ۱۹۳۶ء

Index to Statutes

INDEX TO STATUTES

T

R

O

P

N

I

J

D

INDEX OF CASES

A

B

فہرست مضامین

مبادی قانون فوجداری

کتاب اول (از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۷۳)

عام معلومات

کتاب دوم (از صفحہ ۱۷۴ تا ۵۶۵)

خاص جرائم کی تعریفات

صفحات

ختم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون فوجداری کے مبادیات

حصۂ اوّل

امور عامہ

باب ۱

نوعیت جرم

قانون کے مختلف مضامین کا متواتر چالیس سال جامعی معلّم رہنے کی حیثیت سے مجھے یہ تجربہ حاصل ہوا ہے کہ قانون فوجداری کو طلبا اور اساتذہ دونوں اپنے کام کا دلچسپ ترین حصہ سمجھتے ہیں۔ قانون مذکور کے عملی طور سے اہم ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا،

کیونکہ ہمارے یہاں فوجداری عدالتیں بڑی تعداد میں قایم ہیں اور ان کے انتظام میں بہت سے آدمیوں کو حصہ لینا پڑتا ہے۔ ان عدالتوں میں نوجوان وکلا، اور سالسٹروں کو بہ آسانی کام مل جاتا ہے جس سے فن وکالت کے عملی تفصیلات میں انھیں مفید اور سبق آموز تجربے حاصل ہوتے ہیں، اگرچہ اُن سے مالی فایدہ زیادہ نہیں ہوتا غیر قانونی پیشہ لوگوں کو بھی اکثر بحیثیت رکن جوری یا بطور "جسٹس آف دی پیس" کام کرنا پڑتا ہے، انھیں ان فرایض عامہ کی انجام دہی میں قانون فوجداری کے علم سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ فرایض عامہ یا پیشے کی ضرورتوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد بھی معمولی سے معمولی خانگی شخص کے لیے بہ آسانی ایسے ذاتی وجوہ ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر اُسے اس قسم کے علم کے فائدے کا احساس ہو، کیونکہ ہماری تہذیب ہنوز کمال کے اس درجے تک نہیں پہنچی ہے کہ کوئی شخص یہ یقین کر سکے کہ اُس کے معاملات کا حد درجہ عاقلانہ انتظام بھی اُسے عدالت ہائے فوجداری کی استمداد سے مستغنی کر سکتا ہے، یا اعلیٰ درجے کی اخلاقی راستبازی بھی اُسے بے بنیاد اور مجرمانہ عداوتی الزامات کی جواب دہی کے خطرے سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی ایسے وجوہ ہیں، (اگرچہ وہ اتنے سودمند نہیں ہیں) 2
جو ہمارے قانون کے فوجداری حصے کے ساتھ، نہ صرف پیشہ ور طلبا، بلکہ معمولی آدمیوں میں بھی ایک خاص قسم کی دلچسپی پیدا کرانے کا زیادہ تر باعث ہو رہے ہیں۔ کیوں کہ علم کی یہ شاخ اس وجہ سے کہ اس کا براہ راست تعلق ہمارے زمانے کی اہم تمدنی مشکلات، اور ہر زمانے کے دقیق ترین اخلاقی مسایل سے رہا ہے، ارباب فکر کے لیے دلچسپی کا موجب ہو گئی ہے۔ دوسرے اشخاص بھی، خواہ وہ ارباب فکر ہوں یا نہ ہوں، اس کی تمثیلی (Dramatic) حیثیت، یعنی ان افعال کی نمایاں اور تشددی

نوعیت ہے، جن سے فوجداری عدالتوں کو سابقہ پڑتا ہے، اور نیز ان طریقوں سے جو وہ ان افعال کو روکنے کے لیے کام میں لاتی ہیں، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لوگوں کی جایداد، آزادی اور ان کی ذات، اور زندگی میں جابرانہ مداخلت وہ اسباب ہیں جو قانون فوجداری کو عمل میں لانے کے محرک ہوتے ہیں، اور یہی عمل اسی قسم کے افعال مثلاً ضبطی، مصیبت اور قتل کے عاید کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ عدالت ہائے دیوانی کے حکام زیادہ سے زیادہ جو تشدد کر سکتے ہیں وہ اُن سزاؤں کے مقابلے میں نہایت سبک اور نرم متصور ہوتا ہے جن سے فوجداری عدالتیں کام لیتی ہیں۔ اس لیے علم قانون کی تمام شاخوں میں کوئی شاخ ایسی نہیں ہے جو انسان کے تخیل اور جذبات پر اس قدر جلد اور ایسا گہرا اثر ڈال سکتی ہو۔

جو دلچسپی اس طرح پیدا ہو جاتی ہے وہ فطری طور سے قانون کے طلبا کو اس مضمون کی مشکلات سے بہ آسانی گزر جانے کا موقع دیتی ہے۔ اور یہی زیادہ تر اس خیال کے پیدا کرنے کا سبب ہوئی ہے جو مفید طور سے اکثر طلبا کے دلوں میں جما ہوا ہے کہ ان کے کام کی یہ شاخ غیر معمولی طریقے سے آسان ہے۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک مبتدی، قانون فوجداری کا اس قدر علم حاصل کر سکتا ہے جو اس کے امتحان یا روزمرہ پیشے کی معمولی ضرورتوں کے لیے کافی ہو، بغیر اس کے کہ اُسے بہت سی ان حقیقی مشکلوں کا مقابلہ کرنا پڑے جن پر امتحان یا پیشے کے کاموں کے لیے قابو پانے اور ان کو بخوبی سمجھ لینے کی ضرورت ہمارے قانون کی دوسری اہم شاخوں میں عموماً پیش آتی ہے۔ قانون جرائم کے پڑھنے میں بھی ایک اہم مشکل ضرور پیش آتی ہے اگرچہ وہ ایسی

3 نہیں ہوتی کہ اس کا رفع کرنا ناممکن ہو۔ اس مضمون کو شروع کرتے ہی سب سے پہلے[1] ایسے مشکل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، کیونکہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ **جرم کیا ہے**۔ یہ امر ظاہر ہے کہ قانون فوجداری صرف جرائم سے بحث کرتا ہے نہ کہ عام طور سے افعال ناجائز سے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون کی ان خلاف ورزیوں میں جو جرائم ہیں اور جو جرائم نہیں بلکہ صرف ناجائز ہیں کس طرح تمیز کرنی چاہیے؟

اس سوال کے جواب دینے، اور ایسی عام تعریف کرنے کی مختلف کوششیں کی گئی ہیں جس سے ان ناجائز افعال میں جو مجرمانہ ہیں اور ان میں جو "متعلق بہ دیوانی" ہیں تمیز کی جا سکے۔ اور چونکہ فوجداری اور غیر فوجداری کے قانون کا فرق نہ صرف انگلستان بلکہ ہر مہذب ملک میں پایا جاتا ہے اس لیے فطری طور سے ایک قدم اور بڑھ کر جرائم کی ایسی تعریف تلاش کی جاتی ہے جو اس فرق کو ایسی عام شکل میں ظاہر کر سکے جو نہ صرف انگلستان بلکہ تمام ایسے ممالک سے متعلق ہو سکے جہاں فوجداری اور دیوانی میں فرق کیا جاتا ہے۔

جرم کی ایسی تعریف کرنے کی کوشش میں، خواہ وہ سب ممالک کے لیے ہو یا صرف انگلستان کے قانون کے واسطے، جس سے وہ ناجائز افعال جو مجرمانہ ہیں ان افعال سے جدا ہو جائیں جن سے قانون کی دوسری شاخ افعال ناجائز میں بحث کی جانی چاہیے، سب سے پہلے فطری طور سے اس امر کی تلاش

---

[1] اگر طلبا کو یہ فصل ضرورت سے زیادہ مشکل معلوم ہو تو بقیہ کتاب کے پڑھنے تک اسے ملتوی رکھنا چاہیے۔

[2] دیکھو سامنڈ کی جورسپروڈنس ۸ اشاعت (۲۷)۔

ہوتی ہے کہ آیا خود مجرمانہ افعال کی نوعیت میں کوئی ایسی خصوصیت موجود ہے جس پر ہماری تعریف کی بنیاد قایم ہوسکتی ہے۔

(۱) یہی وہ طریقہ ہے جو سر ولیم بلیکسٹن نے انگلستان کے قوانین کی بڑی مستند نصابی کتاب لکھتے وقت اختیار کیا تھا۔ مصنف مذکور کی شرح قوانین انگلستان کی چوتھی جلد "افعال ناجایز عامہ" یا جرایم کے متعلق ہے اور افعال ناجایز عامہ کی تعریف ابتداہی میں کی گئی ہے اگرچہ وہ دو کسی قدر مختلف 4
شکلوں میں ہے۔ ان میں سے پہلی شکل یہ ہے،- "ایک ایسے فعل کا ارتکاب یا ترک بخلاف ورزی قانون عامہ جس میں اس کے کرنے کا حکم اور نہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہو"[1]۔ یہ جواب ہمیں ایک دوسرے سوال کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ "قانون عامہ" سے کیا مراد ہے۔ اس فقرے کے مختلف مسلمہ معنیٰ ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اس موقع پر چسپاں نہیں ہوتا کیونکہ اگر ہم آسٹن[2] کے ہمنوا ہوکر قانون عامہ کو دستوری قانون کا مترادف قرار دیں تو بلیکسٹن کی تعریف صرف سیاسی جرایم پر صادق آئے گی اور سیاسی جرایم جملہ جرایم کے ایک نہایت مختصر جزو ہیں[3]۔ اگر اہل جرمنی کی طرح ہم قانون عامہ کو دستوری قانون اور قانون فوجداری دونوں پر حاوی سمجھیں تو وہ تعریف تعریف نہیں رہتی۔ اور اگر بالآخر اس کے باقی ماندہ معروف معنیٰ لے کر قانون عامہ کو اس قانون کا مترادف قرار دیں جو عام طور سے "قانون موضوعہ" (Municipal or positive) کہلاتا ہے، یعنی وہ قانون جسے حکومت کے

[1] شرح بلیکسٹن ۵۔
[2] جورسپروڈنس لکچر ۴۴ صفحہ ۷۷۰۔
[3] ہالنڈ کا جورسپروڈنس فصل ۹ و ۱۶۔

ارکان نے بنایا اور نافذ کیا ہے[1]، تو تعریف مذکور ضرورت سے زیادہ وسیع اور تمام قانونی ناجائز افعال پر حاوی ہو جاتی ہے۔

(۲) اس لیے اب ہمیں بلیکسٹن کی دوسری تعریف کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس تعریف کے لحاظ سے جرم "حقوق عامہ اور ان فرائض کی خلاف ورزی ہے جو جماعت بحیثیت جماعت کے عاید کرتی ہے[2]"۔ بلیکسٹن کا اس سے یقیناً یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ جرائم سے حقوق عامہ کے سوائے دوسرے حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، کیونکہ ہر سرقے میں صریحاً کسی نہ کسی جایداد کے خانگی حق کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے جو کچھ بلیکسٹن کا مقصد تھا وہ اس شکل میں زیادہ تر صراحت سے ظاہر ہوتا ہے جس شکل میں اس تعریف کو سارجنٹ اسٹیفن (شروح کی صرف تالیف نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دوبارہ تحریر کرتے وقت) لے آئے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق "جرم ایک حق کی خلاف ورزی ہے، بلحاظ اس مضر اثر کے جو اس خلاف ورزی سے تمام جماعت پر پڑتا ہے"۔

یہاں سرسری طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ الفاظ نے جو شکل اب اختیار کر لی ہے اس سے ایک اور نئی غلطی پیدا ہو گئی، کیوں کہ اس نے جرائم کو خلاف ورزی حقوق تک محدود کر دیا ہے۔ بلیکسٹن نے بہتر طریقے سے یہ بتایا تھا کہ جرم کسی حق یا محض کسی فرض کی
خلاف ورزی ہے۔ ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا کہ قوانین فوجداری 5
اور دیوانی (غیر فوجداری) میں ایک بین فرق یہ ہے کہ دیوانی قوانین کی خلاف ورزی میں کسی شخص کے حق میں دست اندازی لازم آتی ہے بر خلاف اس کے قانون فوجداری ہم پر یہ فرض

[1] آسٹن صفحات ۷۸۷ و ۷۸۱۔

[2] بلیکسٹن کی شرح ۵۔

عاید کرتا ہے کہ ہم مختلف قابل اعتراض افعال کے ارتکاب سے باز رہیں اگرچہ ان افعال کے ارتکاب سے کسی خاص شخص کے حقوق میں دست اندازی نہ ہوتی ہو۔ اس قسم کے جرایم کی مثالیں جن میں کسی شخص کے حق کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، ایسی صورتوں میں پائی جاتی ہیں جیسے ایک دھات کی تختی پر (اگرچہ وہ تمھاری ہی ملک ہو) الفاظ "بینک نوٹ" کا بلا قانونی عذر کے کندہ کرنا[۱] یا آلات نقب زنی کے ساتھ رات کے وقت پایا جانا[۲]۔ یا زندہ آلو کا کیڑا اپنے پاس رکھنا[۳]۔

جس خیال کو بلیکسٹن اور اسٹیفن اس موقع پر ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ اگر اور کسی وجہ سے نہیں تو محض اشاعت عام کی بنا پر نہایت اہم اور بہت غور کے قابل ہے۔ اس خیال کے مطابق جرایم قانون کی اس قسم کی خلاف ورزیاں ہیں جن سے جماعت کو ضرر پہنچتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ اگر بحیثیت مجموعی جرایم اور بحیثیت مجموعی بقیہ دوسرے ناجایز افعال کا باہم عام طور سے مقابلہ کیا جائے تو وہ ضرر جو سابق الذکر مجموعے سے پہنچتا ہے وہ آخر الذکر مجموعے کے ضرر سے بہت زیادہ اور وسیع تر ہے۔ اس فرق کا احساس سلطنت روما کے قدیم زمانے ہی میں ہو چکا تھا۔ روما کے مقننین نے جرایم کے مخصوص مضر اثرات کا لحاظ کر کے جو عامۂ خلایق کو ان سے پہنچ سکتے ہیں یہ خیال کیا تھا کہ ان کے آبا و اجداد کا جرایم کو "افعال ناجائز خلاف عامۂ خلایق" (delicta publica) اور "تحقیقات جرایم" کو (judicia publica)

---

۱ فوجداری ایکٹ ۱۹۱۳ء دفعہ ۹ (ج)۔

۲ ۲۴ و ۲۵ وکٹوریا فصل ۹۶ ۵۸۔

۳ ۶ و ۷ جارج ۵ فصل ۵۰ دفعہ ۲۸۔

کے ناموں سے موسوم کرنے کی یہی وجہ تھی۔ مگر صحیح تاریخ کے لحاظ سے ان اصطلاحات کے ابتداءً قایم ہونے کی نہ یہ وجہ تھی، اور نہ یہ قاعدہ کہ مجرم کے خلاف عامۂ خلایق کا ہر ایک شخص استغاثہ دایر کرنے کا مجاز تھا، جیسا کہ جسٹینین نے خیال کیا ہے (انسٹیٹیوٹ ۴، ۱۸، ۱)۔ بلکہ اصلی وجہ یہ تھی کہ قدیم روما میں تمام جرایم کی تحقیقات[1] خود عامۂ خلایق یعنی مجموعی باشندگان روما بحیثیت (Comitia Centuriata)
کرتے تھے۔ (دیکھو صفحہ ۲۵ آیندہ)۔ تحقیقات کے اس طریقے کے 6
موقوف ہو جانے اور ابتدائی وجہ تسمیہ نہ باقی رہنے پر بھی جرایم "Public" کے نام سے موسوم ہوتے رہے۔ یہ اصطلاح قانون روما کے ساتھ ختم نہیں ہوئی بلکہ جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے ہمارے بلیکسٹن کی تعریف و تقسیم میں بھی اس سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اس کے باقی رہ جانے کی وجہ یقیناً یہی ہے کہ اکثر جرایم مسلمہ طور سے عامۂ خلایق کے حق میں ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں جس سے مطلق انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جرایم کے سرسری بیان کی کوشش میں بھی ضرر عام کو نمایاں جگہ دینی پڑے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ آیا اس کی باضابطہ تعریف میں جس قدر صحت اور احتیاط کی ضرورت ہے اس کے لحاظ سے ضرر عام کو جرم کی کافی بنیاد قرار دینا قابل تسلیم ہو گا؟ جرم کی تعریف جامع اور مانع ہونی چاہیے یعنی جو جملہ فوجداری جرایم پر حاوی ہو اور اس میں قانون کی تمام ممکنہ غیر فوجداری خلاف ورزیاں داخل نہ ہو سکتی ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جرایم کی تعریف محض اس مبہم واقعے کی مدد سے کہ

[1] یہ روما کی ایک انجمن تھی۔ ابتداءً اس کا قیام فوجی اصلاح کے لیے ہوا تھا مگر بعدہٗ ۲۴۱ قبل مسیح میں اس کی جدید تنظیم فرقوں کے لحاظ سے کی گئی اور رفتہ رفتہ اسے سیاسی اور عدالتی معاملات میں اچھا خاصا دخل ہو گیا۔ مترجم۔

ان سے عامۂ خلایق کو عام طور سے ضرر پہنچتا ہے" نہیں کی جا سکتی۔
کیونکہ ہر ناجایز فعل انتہا یہ کہ محض معاہدے کی خلاف ورزی بھی،
اگر اور کسی طرح نہیں، تو عوام میں بے اطمینانی پیدا کر کے عامۂ خلایق
کے لیے موجب ضرر ہوتی ہے۔ اگر یہ حالت نہ ہوتی تو ایسے
افعال کی خلاف ورزیوں کے متعلق اہل ملک کو قانون بنانے
کی ضرورت ہی نہ واقع ہوتی۔ علاوہ اس کے ہم اس بارے
میں مقدار سے کام لے کر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ (فوجداری) جرایم
دیوانی کے افعال ناجایز سے زیادہ تر عامۂ خلایق کے حق میں
ضرر رساں ہیں، کیونکہ اس کے خلاف بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔
ایک یہی ہے کہ قانون ۹ جارج اول فصل ۲۲ کے اجرا کے قبل
کسی شخص کے گھوڑوں کو مار ڈالنا انگریزی قانون میں کوئی جرم
نہ تھا اگرچہ ان کا چرالینا جرم تھا حالانکہ مار ڈالنا جو ملک کی
دولت کی حقیقی تضییع ہے اہل ملک کے لیے بہ نسبت چرالینے کے
بہت زیادہ ضرر رساں تھا۔

اسی طرح موجودہ زمانے میں بھی یہ ممکن ہے کہ ایک شخص
کسی قسم کے جرم کے ارتکاب کے، بغیر، امانت میں خلاف ورزی،
یا کسی کمپنی کے معاملات کے انتظام میں بے پروائی، کا مرتکب
7 ہو کر ایسی مصیبت لائے جو ایک جیبی سوتی رومال کے سرقے
کی مصیبت سے بہت زیادہ سخت اور وسیع ہو، اگرچہ یہ حقیر سرقہ
سنگین جرایم میں داخل ہے۔ یہ بھی بہ آسانی ممکن ہے کہ ایک
شخص کا فعل باوجود جرم ہونے کے عوام کے حق میں بجائے
ضرر کے بہمہ وجوہ فایدہ رساں ثابت ہو۔ جیسا کہ ایک شخص،
اس بنا پر کہ اس نے گوز کی بندرگاہ پر ایک ڈھلوان راستہ
بنوا دیا تھا، امر باعث تکلیف عام کا مجرم قرار دیا گیا۔ اس راستے
سے جہاز رانی میں کسی قدر دقت پیدا ہو گئی تھی اگرچہ اس کی وجہ سے

مسافروں اور سامان کے اُترنے میں آسانی ہو گئی تھی اور اہل جوری کی رائے میں یہ اس خفیف وقت کا کافی سے زیادہ معاوضہ تھا[۱]۔

اس لیے اس یقینی صحت اور احتیاط کے ساتھ جو تعریف کے لیے لازم ہے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو قانونی ناجایز فعل عامۂ خلایق کے ضرر کی طرف منجر ہو وہ جرم ہے۔ یہی نہیں، بلکہ فعل مذکور اس وقت بھی لازمی طور سے جرم نہیں قرار پاتا جب کہ اس کے ضرر عام کے رجحان کو قانون صراحۃً تسلیم کرتا، اور اس کی ضرر رسانی کو اس کے قانونی ممانعت کا واحد سبب قرار دیتا ہے۔ کیوں کہ ایک قسم کے مشہور اور معروف ایسے مقدمات موجود ہیں جو تاوانی مقدمات (Penal actions) کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں جن میں سے بعض مقدمات[۲] میں ہر شخص کے استغاثے پر مختلف افعال ممنوعہ کے مرتکبین پر مالی تاوان عاید کیا جاتا ہے[۳]۔ یہ افعال محض اس وجہ سے ممنوع اور قابل اخذ تاوان قرار پائے ہیں کہ ان میں عامۂ خلایق کو بحیثیت مجموعی ضرر پہنچانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے گم شدہ مال کی دستیابی کے لیے ایک انعام کا اعلان

[۱] سرکار بنام وارڈ سنہ ۱۸۴۴، ۴ اے اینڈ ای ۳۸۴۔

[۲] یہ عام مقدمات (Popular actions) کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔

[۳] سنہ ۱۷۱۰ء میں ایک مخبر نے سر سموئیل رکن پارلیمنٹ پر چھیالیس ہزار پانچ سو پونڈ تاوان عاید کیے جانے کے لیے مقدمہ دائر کیا تھا۔ "ہنسلو عام مخبر" کے الفاظ اس وقت تک کیمبرج کے "کارپس کرسٹی کالج" کی پیشانی پر ثبت ہیں۔

[۴] لیکن لفظ "تاوان" بادی النظر طور سے قوانین فوجداری میں مستعمل ہوتا ہے اس لحاظ سے وصول تاوان کے لیے قانون میں بصراحت "عدالت دیوانی کی کارروائی کے ذریعے سے" یا خانگی مخبر کی درخواست ہی پر" کے الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔

کرتا ہے اور اس میں اس قدر اور اضافہ کر دیتا ہے کہ مال کے
واپس کر دینے والے شخص سے کسی قسم کے سوالات نہ کیے جائیں گے۔
یہ ۱۸۶۱ء کے لارسنی ایکٹ کی رو سے جرم ہے اور جو شخص چاہے
اُس پر دعوی کر کے پچاس پونڈ تاوان وصول کر سکتا ہے[۵۱]۔ لیکن 8
جس کارروائی کے ذریعے سے مخبر اس فعل ناجائز کے مرتکب
سے تاوان وصول کرنے کا مجاز ہے وہ انگریزی قانون میں فوجداری
نہیں بلکہ دیوانی کارروائی سمجھی جاتی ہے اور خود یہ ضرر رسانی
جرم نہیں متصور ہوتی[۵۳]۔ ضرر رسان افعال کے انسداد کا یہ بے ڈھنگا
طریقہ ایک مدت سے متروک کر دیا گیا ہے اگرچہ انیسویں صدی
کے ابتدائی حصے میں وہ پارلیمنٹ میں اس قدر رائج تھا کہ ہر میقات
میں اس قسم کے جدید احکام وضع اور جاری ہوتے رہتے تھے۔
اس لئے جرایم کو ایسے قانونی ضرر کہنا جو قانوناً خصوصیت کے ساتھ
عامۂ خلایق کے حق میں ضرر رساں سمجھے جاتے ہیں ایک طرح کا
اطلاعی اور تفصیلی بیان ہے، جس پر باضابطہ تعریف کا اطلاق
نہیں ہو سکتا۔

---

۵۱ ۲۴ و ۲۵ وکٹوریا فصل ۹۶ دفعہ ۱۰۲، دیکھو مقدمہ میر امس بنام اور ڈاگلس پبلیشنگ کمپنی سنہ ۱۹۰۱ء، ۲، کے بی، ۵۶۴۔

۵۲ اسی طرح قانون ۳۱ الزبیتھ فصل ۶ کی رو سے کالج کے ہر فیلو یا اسکالر کے انتخاب کے موقع پر مجمع کو قوانین متعلقہ کا پڑھ کر سنایا جانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہر خاطی سے پچاس پونڈ ہر ایسا شخص بطور تاوان وصول کرنے کا مجاز ہے جو دعوی دایر کرے۔ مگر اس کی تعمیل عام طور سے نہیں ہوتی۔

۵۳ ایجیین بنام الیورایٹ سنہ ۱۸۷۷ء، ۲ سی، او، ڈبلیو پی (کے، ایس، سی ۴) باوجود اس کے خانگی قانون بین الاقوام میں یہ مقدمہ تاوانی مقدمات میں شمار کیا گیا ہے اور اس لیے ممالک غیر کی عدالتوں میں دایر نہیں ہو سکتا۔

(۳) سیاسی مباحث میں جرایم کو ممیز کرنے کا جو طریقہ اکثر اختیار کیا جاتا ہے اور جو غالباً ایک معمولی شخص کے فطری طور سے ذہن میں آتا ہے یعنی جرایم کو ان قانونی اضرار تک محدود کر دینا جن سے ہمارے اخلاقی احساسات میں تنفر پیدا ہوتا اور ان کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اسی طرح غیر مکمل اور ناتمام ہے جیسے کہ دوسرے مذکورہ بالا طریقے پائے گئے ہیں۔ اگرچہ یہاں ہم کو ایک بھدا سا معیار مل جاتا ہے مگر وہ صرف اُس وقت تک قایم رہتا ہے جب تک کہ خطیر[1] (Grave) جرایم کے مجموعے کا دیوانی افعال ناجائز کے مجموعے سے مقابلہ کیا جاتا ہے، مگر جب اس سے ایک تعریف کی عمومیت میں کام لینے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ معیار بیکار ہو جاتا ہے کیونکہ یہ واقعہ مسلم ہے کہ بہت سے جرایم ایسے ہیں جو
9 اخلاقی لحاظ سے بہت کم یا مطلق قابل الزام نہیں ہیں نیٹال اور مغربی آسٹریلیا نے جس وقت سزایاب اشخاص کا داخلہ اپنے ملک میں قانوناً ممنوع قرار دیا تو اس ممانعت کو ان سزا یافتہ لوگوں تک محدود کیا تھا جو جرایم خلاف اخلاق کے مرتکب پائے گئے تھے۔

[1] مثال۔ تقریباً منجملہ ان تمام افعال کے، جو جرم قرار دیے جانے کے قابل ہیں، اور ان خفیف جرایم میں سے جن کی سرسری سزا مقرر ہے دسویں حصے سے زیادہ نہیں، جیسے بائیسکلوں کے جرایم یا سوائے وزن کے دوسرے طریقے سے روٹی فروخت کرنا، یا کسی چائے خانے وغیرہ میں بیٹھ کر مزدوری تقسیم کرنا وغیرہ وغیرہ (۶ ہم، ۷ ہم وکٹوریا فصل ۳۱ دفعہ ۳) یہی وجہ ہے کہ سرکاری اعداد و شمار میں بھی کامل، حقیقی اور اصلی جرایم اور مماثل جرایم (quasi-crim) میں امتیاز کیا جاتا ہے جن سے اگرچہ عوام کو تکلیف پہنچتی ہے مگر ان میں بددیانتی یا جبر کا وجود نہیں پایا جاتا۔ دیکھو سنہ ۱۹۱۵ء، سی ڈی ۸۰۰۶۔

غدر یا بغاوت با سرکار قانوناً سنگین ترین جرم ہے مگر سر والٹر اسکاٹ غالباً قلورا میکڈانل اور جارج واشنگٹن کے واقعات[۱] کو پیش نظر رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ "یہ جرم نیکی کے غلط تصور سے پیدا ہوتا ہے اور اس لئے خواہ وہ کیسا ہی مجرمانہ کیوں نہ ہو موجب ننگ و عار نہیں متصور ہو سکتا" یہ ایسی رائے ہے جسے واضعان قوانین نے بھی پسند کر کے بغاوت اور دوسرے سیاسی جرائم کو بین الاقوامی تحویل ملزمین کے انتظام سے خارج رکھا ہے۔ اس سے مختلف ایک دوسری مثال لیجیے۔ ایک شاہراہ کو محض اچھی حالت میں نہ رکھنے سے کسی شخص کے اخلاقی احساس کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا حالانکہ وہ جرم ہے[۲] برخلاف اس کے بہت سی بے حد ظالمانہ اور مجرمانہ خیانتیں صرف افعال ناجایز متصور ہوتی ہیں۔ ایک کمپنی کے ڈائرکٹر سخت غفلت اور بے پروائی کر کے اسے تباہ اور اس کے حصہ داروں کو مفلس اور محتاج کر دے سکتے ہیں اور پھر بھی ان پر کوئی مجرمانہ ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔ ممکن ہے کہ ایک عمل نہایت مذموم اور برا ہو مگر اس سے قانون کی مطلق خلاف ورزی نہ ہوئی ہو۔ ایسے شخص پر جو سنگ دلی سے ایک بچے کو کھلے تالاب میں

۱۔ یہ تاریخی حوالے مصنف کو بدقسمتی سے ایک امتحان "ٹرائپاس" کے پرچے میں ان الفاظ میں دیے گئے۔ جیسے کہ "فلورا میکڈانلڈ کا برتاؤ جارج واشنگٹن کے ساتھ باوجود باغیانہ ہونے کے بیحد قابل تعریف و توصیف تھا۔

۲۔ سنہ ۱۸۹۴ء سے اس جرم کی بابت چالان شاذ ہو گئے ہیں کیوں کہ گورنمنٹ کے ایکٹ کی رو سے مقامی سڑک کے عہدہ داروں کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ سڑک کی مرمت کرا کے اس کے مصارف اس شخص سے وصول کر لیا کریں جو اس سڑک کی مرمت کا ذمہ دار ہو۔

ڈوبتا ہوا دیکھتا کھڑا رہے یقیناً سب لوگوں کو غصہ آئے گا، مگر انگلستان (برخلاف فرانس کے) میں وہ نہ کسی جرم اور نہ کسی دیوانی ناجائز فعل کا مرتکب متصور ہوگا۔ مقابلہ کرو انگریزی کتاب کے صفحہ ۱۳۷ سے جو آگے آتا ہے۔

جب جرم کے وہ بہترین اور مسلمہ معیار جو خود مجرمانہ افعال کی نوعیت اور ان کے فطری نتایج پر قایم کیے گئے ہیں کام نہیں دیتے تو ہمیں یہ شبہہ ہوتا ہے کہ ان افعال میں جو جرم ہیں اور جو جرم نہیں فی الحقیقت کوئی حقیقی امتیاز نہیں ہے۔ البتہ کوئی غیر حقیقی یا خارجی امتیاز تلاش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان دو قسم کے افعال کے قانونی نتایج میں کسی بین فرق کا پایا جانا ممکن ہے۔ اگرچہ وہ محض اصطلاحی ہو اور اس فرق سے زیادہ نہ ہو جو فوجداری اور دیوانی کارروائیوں میں پایا جاتا ہے۔ تاہم اس سے ان دو قسموں کی کارروائی میں امتیاز ہو سکتا ہے اور جرم کی اس طرح تعریف کرنا ممکن ہو جاتا ہے کہ "وہ ایسا فعل ہے جس سے اس قسم کی کارروائی کی تحریک ہوتی ہے جو فوجداری کارروائی کے نام سے موسوم کی جاتی ہے"۔

(۴) بعض مصنفین نے اس فرق پر زور دیا ہے جو ان دو قسم کی کارروائیوں کے درجوں میں حکومت کی طرف سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ "دیوانی" معاملات میں حکومت اس وقت تک کوئی دخل نہیں دیتی جب تک کہ ناجائز فعل فی الحقیقت عمل میں نہیں آجاتا" اور اس کے عمل میں آجانے کے بعد بھی کسی خانگی شخص کے مقدمہ دایر کرنے کے بغیر اس میں دخل نہیں دیتی اور نہ بجز اس شخص کے جسے اس ناجائز فعل سے براہ راست ضرر پہنچا ہے کسی دوسرے شخص کو مقدمہ دایر کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ برخلاف اس کے فوجداری معاملات میں ہر مہذب حکومت اس غرض سے کہ جرایم کا

ارتکاب نہ ہونے پائے کو توالی کی ایک معقول جمعیت مہیا رکھتی ہے اور جب کسی جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اکثر ممالک میں اس کا استغاثہ سرکاری عہدہ داروں کی طرف سے دایر ہو سکتا ہے، اور بعض ممالک میں صرف وہی استغاثہ دایر کر سکتے ہیں[1]۔ ایسے استغاثوں میں ضرر رسیدہ شخص کا شریک رہنا ضروری نہیں ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ بعض صورتوں میں قانون جماعت کے ہر شخص کو خواہ اُسے ضرر پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو استغاثہ دایر کرنے کی اجازت دیتا ہے[2]۔ یہ فرق حقیقی اور بالکل نمایاں ہے اور زمانہ حال کے وضع قوانین فوجداری سے اسے پوری تائید مل رہی ہے مگر باوجود اس کے اس میں ایسا مستقل انضباط نہیں پایا جاتا کہ اس پر تعریف کی بنیاد قایم کی جا سکے۔ کیوں کہ ایک طرف دیوانی کارروائی اکثر ایسے ناجایز فعل کے 11

---

[1] فرانس کے قانون فوجداری کی دفعہ ۱ میں یہ حکم ہے کہ "سزاؤں کے نفاذ کی کارروائی صرف سرکاری افسروں سے متعلق ہوگی"۔ اسکاٹ لینڈ کے قانون میں اگرچہ اُصولاً شخص متضرر استغاثہ کر سکتا ہے مگر عملاً خانگی استغاثے بجز خفیف معاملات کے اب بالکل متروک ہیں۔ تقریباً چار سو برس میں کوٹس بنام براؤن سنہ ۱۹۰۹ء ایس، سی ۲۹ کا پہلا مقدمہ تھا جو متضرر شخص کے استغاثے پر چلا تھا۔ استغاثہ لارڈ ایڈوکیٹ کی طرف سے یا کم از کم اس کی اجازت سے دایر ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ "استغاثہ بغرض ایذارسانی" کے مقدمات جو انگلستان میں عام ہیں اسکاٹ لینڈ میں مطلق نظر نہیں آتے۔

[2] انگلستان میں اس کی اجازت ہے۔ (الف) مجاز ہے کہ (ب) کے مقابلے میں (ج) پر حملہ یا اس کی ہتک کرنے کی بابت استغاثہ دایر کرے اگرچہ (ج) اسے استغاثہ کرنے سے منع کرتا رہے۔ دیکھو صفحہ ۱۸۵ آیندہ۔

"امتناع" کے لیے بھی کی جاتی ہے جو ابھی عمل میں نہیں آیا ہے، دوسری طرف بہت سے افعال ایسے ہیں جن کے مجرمانہ ہونے میں کسی قسم کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا مگر وہ ایسے خفیف ہوتے ہیں کہ کوتوالی ان کے انسداد کے متعلق قبل از قبل کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرتی۔ مزید برآں خود انگلستان کے قانون کی رو سے چند جرائم ایسے بھی ہیں جن میں خانگی شخص، بجز حکومت کی اجازت[1] کے استغاثہ دایر نہیں کر سکتا، اگرچہ خود وہ شخص متضرر ہو۔ حالانکہ جیسا قبل ازیں بیان ہو چکا ہے وہ "ذاتی مقدمات" جو ہر خانگی شخص بحیثیت مخبر دایر کرنے کا مجاز ہے دیوانی قرار دیے گئے ہیں۔ اس واقعے سے کہ اس وقت تک بہت سی قدیم انجمنیں مجرمین کو سزا دلانے کی باقی ہیں کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے مجرمین کو سزا دلانے کے لیے، جتنی کارروائی کی جاتی ہے وہ ہمیشہ ناکافی متصور ہوتی رہی ہے۔

(۵) فوجداری اور دیوانی کارروائیوں میں تمیز کرنے کا ایک طریقہ یہ ذہن میں آ سکتا ہے کہ ان عدالتوں سے امتیاز قایم کیا جائے جہاں ان سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے بھی کام نہیں چلتا کیونکہ اکثر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی عدالتوں میں بھی فوجداری اور دیوانی دونوں کارروائیاں ایک ہی عدالت میں ہوتی ہیں۔

(۶) لیکن خود ان دو قسم کی کارروائیوں میں مختلف تضاد دکھائے جا چکے ہیں، مثلاً یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ فوجداری کارروائی کا مقصد

---

[1] جوڈیشل پروسیڈنگس ایکٹ (آئین رپورٹ) سنہ ۱۹۲۶ء (۱۶ و ۱۷ جارج ۵ فصل ۶۱) کی رو سے عدالتی کارروائی کے خلاف اخلاق اور فحش تفصیلات یا مقدمات ازدواج کے مخصوص حالات کے علاوہ دوسرے حالات کا طبع یا شایع کرنا جرم ہے مگر بغیر اٹارنی جنرل کی منظوری کے مقدمہ دایر نہیں ہو سکتا۔

سزا دینا ہے۔ سزا یافتہ مجرم پر جو مصیبت عاید کی جاتی ہے وہ دادرسی
کے لیے نہیں بلکہ عبرت کے[1] لیے ہوتی ہے۔ اس مصیبت کے
عاید کرنے سے اس شخص کو جسے جرم سے ضرر پہنچا ہے کوئی
معاوضہ نہیں ملتا، بلکہ یہ عمل جسے روما کے مقننین (Documentum) 12
کہتے تھے عامۂ خلایق کے لیے ایک تنبیہ ہے تاکہ وہ اس قسم کے
اضرار کے مرتکب نہ ہوں۔ برخلاف اس کے دیوانی کارروائیوں
میں جو حکم ناکامیاب مدعی علیہ کے خلاف دیا جاتا ہے اس کا
تعلق عام طور سے بجز فریقین مقدمہ کے اغراض کے اور کسی امر سے
نہیں ہوتا، صرف مدعی علیہ کو مدعی کے حقوق کی خلاف ورزی
سے ممانعت کی جاتی ہے یا زیادہ تر اس کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ
جس حق کی خلاف ورزی ہو چکی ہے اُس کے معاوضے میں
مدعی کو ایک رقم ادا کرے۔ اس رقم کی مقدار معین کرنے میں
عدالت معمولاً اس نقصان کو پیش نظر رکھتی ہے جو مدعی کو اس
ناجایز فعل کی وجہ سے اُٹھانا پڑا، اس کا مطلق لحاظ نہیں کرتی کہ آیا
اس کی مقدار اس قدر زیادہ ہے یا نہیں کہ اس کا ادا کرنا بارگراں ہوکر
مدعی علیہ کے لیے سبق آموز ثابت ہو۔ ان دیوانی مقدمات
میں بھی جن میں کوئی رقم نہیں دلوائی جاتی بلکہ مدعی علیہ محبس
بھیج دیا جاتا ہے یہ امتیاز موجود رہتا ہے، کیوں کہ عدالت کے

---

[1] وہ مشہود مصیبت جو ان لوگوں کو اُٹھانی پڑتی ہے جو کسی قانون کی
خلاف ورزی کرتے ہیں اور جو اس طور سے اس قانون کو ان پر نافذ (sancit)
کردیتی ہے مقننین کی اصطلاح میں (sanction) "قوت نافذ الامر" کہلاتی ہے۔
اسی وجہ سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ "جرایم نافذ الامر قوت سزا ہے"
اگرچہ غیر قانون داں سامعین کے کانوں کو یہ ایک معمہ معلوم
ہوتا ہے۔

حکم کی تعمیل کرنے کے ساتھ ہی وہ آزاد کر دیا جاتا ہے۔ دیوانی قید صرف "تدارکی" (Coerdive) عمل ہے، فوجداری قید کی طرح "تعزیری" (Punitive) عمل نہیں ہے۔ اس لیے بادی النظر میں دیوانی اور فوجداری کارروائیوں میں یہ کہہ کر بہ آسانی امتیاز قایم کیا جا سکتا ہے کہ فوجداری کارروائیوں کا مقصد سزا دہی ہے اور دیوانی کارروائیوں کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہوتا۔ لیکن جب دیوانی مقدمات پر وسیع نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایسے مقدمات بھی ہیں جن کا جزءً اور بعض کا کلاً مقصد سزا دہی ہوتا ہے۔ معمولی دیوانی مقدمات میں بہت سے ایسے مقدمات ہیں جن میں "تنبیہی" (exemplary) ہرجہ عاید کرنے کی اجازت ہے[1]۔ مثلاً ایک ایسے مقدمے میں جس میں مدعی پر حملہ کیا گیا ہو یا اس کی ہتک عزت کی گئی ہو یا اسے فریب دیا گیا ہو جوری کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ہرجے کو اس حد تک محدود رکھے جو صرف اس کے حقیقی نقصان کے معاوضے کے لیے کافی ہو بلکہ وہ مجاز ہے کہ مدعی علیہ کے حملے کی سختی، اس کے جبر یا اس کی عداوت پر لحاظ کر کے اس کے معاوضے میں مدعی کو زیادہ تر
18 کشادہ دلی سے ہرجہ دلائے۔ ایک اسی قسم کے مقدمے میں حملہ کر کے ایک شخص کی ٹوپی گرا دینے پر پانچ سو پاؤنڈ کا ہرجہ دلوایا گیا تھا۔ اور عدالت اعلیٰ نے اس مقدار کو ضرورت سے زیادہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا[2]۔ علاوہ اس کے وہ مخصوص کارروائیاں جو "تاوانی مقدمات" (Penal action) کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں، جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا، دیوانی کارروائیاں ہیں اگرچہ ان کا

---

[1] پولک کا قانون ٹارٹ (۱۳) ایڈیشن حصہ اول فصل (۵)۔

[2] مذکورہ (۵) ٹانٹن ۴۴۲۔

مقصد صرف سزادہی ہوتا ہے۔ جب اس قسم کے مقدمے میں مخبر کو کسی شخص مثلاً ایسے شخص سے جس نے اتوار کے دن کسی تفریح گاہ (مقابلہ کرو صفحہ ۱۷ انگریزی کے نوٹ نمبر ۱ سے) کو کھلا رکھا ہرجہ دلایا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اس ناجائز فعل سے مخبر کو کوئی نقصان پہنچا بلکہ وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ جماعت چاہتی ہے کہ ایسے ناجائز افعال کے اعادے کا انسداد کیا جائے۔ قانون یہ سزائیں ٹھیک اسی منشا سے دیتا ہے جس منشا سے وہ چوروں کو قید خانے اور قاتلوں کو مقتل بھیجتا ہے۔ اس سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ تمام فوجداری کارروائیوں کا مسلمہ مقصد سزادہی ہے مگر بعض حالتوں میں دیوانی کارروائیوں کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے۔ اگر کسی خاص قسم کے مقدمات قرار دینے میں واضعان قانون کا مقصد صاف طور سے سزادہی معلوم ہوتا ہو تو اس سے غالب قیاس یہی ہونا چاہیے کہ اس قسم کے مقدمات فوجداری کارروائیوں میں شمار کیے جائیں لیکن اس سے محض قیاس ہی مستنبط ہوتا ہے نہ کہ وہ تیقن جو تعریف کے لیے لابد ہے۔

(۷) اگر ہم اس مقصد کو جس کی بنا پر (دونوں قسم کی کارروائیوں میں) ناکامیاب مدعیٰ علیہ کو کسی مصیبت یا قوت نافذ الامر (Sanction) سے سابقہ پڑتا ہے نظرانداز کر کے خود ہر ایک کارروائی کی قوت نافذ الامر کے فرق کا لحاظ کریں تو ہم کو امتیاز کی ایک معقول بنیاد ہاتھ آجاتی ہے۔ کیونکہ دیوانی کارروائیوں کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیوانی "قوت نافذ الامر" (Sanction) بشمول دیوانی مقدمات "کی" "قوت نافذ الامر" کے بلاواسطہ کسی خاص شخص کو مالی فائدہ پہنچاتی ہے۔ (خواہ کوئی رقم دلوا کر یا کسی فعل کی تعمیل مختص کرا کے جس کا اسے حق تھا) برخلاف اس کے

فوجداری "قوت نافذ الامر" ایسا نقصان یا مصیبت عاید کرتی ہے
جس سے کسی خاص شخص کو مالی فایدہ نہیں پہنچتا اگرچہ کبھی کبھی جیسا کہ
جرمانے اور ضبطی میں ہوتا ہے حکومت کو اس سے مالی فایدہ پہنچ جاتا ہے۔
یہ تقریباً صحیح ہے مگر قطعی طور سے صحیح نہیں کہا جا سکتا، کیوں کہ جب تک 14
قانون میں بصراحت نانجی اشخاص کو بطور مخبر کام کرنے کی اجازت
نہ دی گئی ہو تاوانی مقدمات صرف حکومت دایر کرنے، اور
تاوان وصول کرنے کی مجاز ہے اور باوجود اس کے حکومت
کے اس قسم کے مقدمات کو دیوانی کارروائیوں[1] میں شمار
کیے جانے کے لیے کامل اسناد موجود ہیں۔ اب اس کے خلاف
صورت لو، قدیم زمانے میں محض وصول قرض کے دیوانی مقدمات
اس طور سے ختم ہوتے تھے کہ ان سے مدعی کو کسی قسم کا مالی فایدہ نہیں
پہنچتا تھا صرف مدعی علیہ قید ہو جاتا تھا۔ یہ اسی صورت میں
ہوتا تھا جب کہ مدعی علیہ کے پاس کوئی ایسی جایداد نہیں ہوتی تھی
جس سے وہ رقم ادا ہو سکے جو ازروئے فیصلۂ عدالت اس سے
دلائی جاتی تھی، ایسی حالت میں بصیغۂ تعمیل وہ خود گرفتار کر لیا جاتا تھا
اگرچہ مدیون کے ایکٹ سنہ ۱۸۶۹ء[2] سے مدیونوں کی قدیم باضابطہ
گرفتاری موقوف ہو گئی ہے مگر ایکٹ مذکور کی دفعہ (۵) کی رو
سے اب بھی اگر رقم ڈگری شدہ دیدہ و دانستہ نہ ادا کی جائے تو
مدیون اور نیز دوسرے اشخاص جو عدالت ہائے خفیفہ کے مختلف
احکام ادائی رقوم مثلاً رقوم محصولات، یا رقم نان و نفقہ وغیرہ کی

[1] دیکھو سرکار بنام ہاسمین سنہ ۱۹۰۹ء ۳ کریمنل اپیلیس آر ۳؛ اٹارنی جنرل بنام بریڈلا
سنہ ۱۸۸۵ء ۱۴ کوئن بنچ ڈویژن ۶۶۷ (کے، ایس، سی ۷)؛ اٹارنی جنرل بنام بومین
سنہ ۱۷۹۱ء ۲ بی دی ۵۳۲۔

[2] ۳۲ و ۳۳ وکٹوریا فصل ۶۲۔

تعمیل نہ کریں تو وہ قید کیے جا سکتے ہیں۔ ہر سال اس قسم کے سیکڑوں احکام جاری ہوتے ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ یہ قید جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں تعزیری نہیں بلکہ صرف "تدارکی" ہے کیوں کہ مدیون اپنے ذمے کی رقم ادا کرنے پر جس وقت راضی ہو جاتا ہے وہ فوراً قید سے رہا کر دیا جاتا ہے۔

(۸) دیوانی اور فوجداری کارروائیوں کا حقیقی اور بیّن فرق اس وقت نظر آتا ہے جب کہ اس نگرانی کی مقدار پر لحاظ کیا جائے جو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے ان دونوں قسم کی کارروائیوں کے آغاز پر نہیں (جیسا کہ ہم اس سے قبل کہہ آئے ہیں) بلکہ اس کے اختتام پر مبذول کی جاتی ہے۔ آسٹن[۱] نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دنیا کے تمام ممالک میں فوجداری کارروائی کی امتیازی علامت یہ ہے کہ اس کی سزا کا نفاذ اقتدار اعلیٰ کے صوابدید پر منحصر ہوتا ہے"۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر فوجداری کارروائی شروع کرنے سے قبل اقتدار اعلیٰ کی اجازت حاصل کی جانی چاہیے بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اقتدار اعلیٰ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس قسم کی چلتی ہوئی کارروائی کو جس وقت چاہے روک دے اور نہ صرف یہ بلکہ ملزم کو معافی دے کر ہر قسم کی ممکنہ سزا سے مستثنیٰ کر دے۔ اس طور سے فوجداری مقدمات میں سزائیں (Sanctions) حکومت معاف کر سکتی ہے کسی خانگی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ ممکن ہے کہ وہ خانگی شخص جرم زیر بحث سے تنہا متضرر ہوا اور اسی نے زحمت اٹھا کر اس کارروائی کو شروع کرایا ہو، لیکن ان امور سے اس کو کارروائی کے ختم کرا دینے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہو جاتا، اور

---

[۱] دیکھو مقدمۂ حکومت بنام ہاسین (۱۹۰۹) ۳ فوجداری مرافعے آر ۳۔ اٹرنی جنرل بنام برڈلا (۱۸۸۵) ۱۴ کیو بی ڈی ۶۶۷ وغیرہ۔

ملزم کے ساتھ خواہ وہ کوئی تصفیہ کر لے مگر اس سے ملزم قانون کے پنجے سے رہا نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ مستغیث کسی تصفیے وغیرہ کی بنا پر جو استغاثہ چل رہا ہے اس سے دست بردار ہو جائے مگر اس سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ صرف اٹارنی جنرل بلکہ ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس استغاثے کو بلا لحاظ مدت جس وقت چاہے پھر زندہ کر کے چلائے۔ مقدمہ سرکار بنام وڈ (۱۸۳۱ء[۱]) میں ایک شخص نے ایک قمار خانے کے مالک کے خلاف استغاثہ دائر کیا اور پیروی کے لیے ایک سالیسٹر کو مقرر کیا۔ بعدہٗ مستغیث نے اپنے وکیل کو بدل دیا اور مدعی علیہ سے تصفیہ کر کے استغاثے سے دست دار ہو گیا، اس پر ابتدائی وکیل نے استغاثے کو تازہ کر کے تحقیقاتی کارروائی شروع کرائی۔ سابق مستغیث کی طرف سے اس پر اعتراض کیا گیا مگر اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا، عدالت "کنگس بنچ" نے اسی پر زور دیا کہ مقدمہ چلنا چاہیے۔ یہ تمام امور دیوانی کارروائی کے قواعد کے صاف طور سے خلاف ہیں۔ دیوانی کارروائی میں فریق متضرر کو عام طور سے قطعاً یہ قانونی حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ معاملے کا باہم تصفیہ کر لے اور سزاؤں کو معاف کر دے۔ یہ اختیار اسے مقدمہ شروع کرنے سے پہلے اور شروع کر دینے کے بعد ہر وقت حاصل رہتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کو عام طور سے اس میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اور اس کی معافی سے کوئی خاطی فریق متضرر کے نقصان کی تلافی کرنے کی ذمہ داری سے بری نہیں ہو سکتا۔ آسٹن نے اس موقع پر جو امتیازی اصول قرار دیا ہے وہ بالکل

---

[۱] ۳ بی اینڈ اے ڈی ۶۵۷ مقابلہ کرو مقدمہ اسمتھ بنام ڈیر ۱۹۰۳ء ۸۸ ایل ٹی ۶۶۴۔

صحیح ہے (اگرچہ اس غرض سے کہ اس میں وہ مقدمات نہ شامل
ہو جائیں جو حکومت اپنے دیوانی یا دوسرے دیوانی حقوق حاصل
کرنے کے لیے دایر کرتی ہے ہمیں اس قدر اور بڑھا دینا چاہیے کہ
تمام فوجداری سزائیں "تعزیری اغراض سے عاید کی جاتی ہیں")
مگر وہ صرف عام الفاظ میں قرار دیا گیا ہے اس لیے ممکن ہے کہ 16
کسی خاص قانون فوجداری کے نظام میں اس کے اس قدر
کامل طور سے اظہار میں کچھ دقت پیش آئے جس کی مقامی ضرورت
مقتضی ہو۔ اس لیے انگلستان کے قانون کے دو مستثنیٰ قواعد کو
نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔ پہلا قاعدہ یہ ہے کہ حکومت کا اختیار معافی
اگرچہ تقریبًا عالمگیر ہے مگر قطعی طور سے ایسا نہیں ہے (دیکھو
آیندہ صفحہ ۱۵۹۲ اصل کتاب) کیونکہ عمومی قانون کی رو سے
امر باعث تکلیف عام جب تک کہ وہ رفع نہ ہو جائے معاف
نہیں کیا جا سکتا۔ اور دوسرا جرم یعنی کسی شخص کو انگلستان سے باہر
کسی محبس میں بھیجنا بھی ازروئے "ہیبیس کارپس ایکٹ"
ناقابل معافی ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہونے پائے کہ جن سیاسی
اشخاص کو حکومت ناپسند کرتی ہو انھیں حکومت کے ملازمین
بلا خوف سزا غایب کر دیا کریں۔ پس ان دونوں جرایم کی سزا
قابل معافی نہیں قرار دی گئی ہے (البتہ ان کی معافی کے لیے
پارلیمنٹ سے ایک مخصوص ایکٹ جاری کرایا جا سکتا ہے مگر
یہ قواعد میں ایسی غیر معمولی دست اندازی ہو گی جو غیر فوجداری
سزاؤں کی معافی پر بھی حاوی ہو سکتی ہے) اس لیے آسٹن کی تعریف
میں ترمیم کر کے ہمیں اس سے زیادہ نہ کہنا چاہیے کہ "جرایم وہ
ناجایز افعال ہیں جن کی سزا تعزیری ہوتی ہے اور جبکہ قابل معافی
ہونے کی صورت میں[1] صرف حکومت معاف کر سکتی ہے"

[1] اس تعریف کے متعلق پروفیسر پی، ایچ ونفیلڈ کی کتاب پراونس آف لا آف ٹارٹ"

بجزاس کے کہ کوئی خانگی شخص کسی صورت میں بھی ان کی معافی کا مجاز
نہیں ہے"۔ انگریزی قانون میں دوسری دقت "عام مخبر" کے تادانی
مقدمات کی عجیب حیثیت کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے جس نے
اس ملک میں فوجداری اور دیوانی قوانین کے فطری حد دیں
ایک مصنوعی پیچیدگی ڈال دی ہے۔ اگر یہ دقت نہ واقع ہوتی تو آسٹن
کے ہمزبان ہوکر اتنا کہنا کافی تھا کہ دیوانی کارروائی کی سزائیں
(Sanctions) ہمیشہ دعویدار فریق معاف کرسکتا ہے اور حکومت
ان کو کبھی معاف نہیں کرسکتی (بجزاس صورت کے کہ وہ خود دعویدار
فریق ہو)۔ لیکن فوجداری مقدمات میں دعویدار فریق کی آزادانہ
معافی کا طریقہ ایک مدت ہوئی کہ موقوف ہوچکا ہے۔ قانون ۱۸
ایلزبتھ فصل (۵) میں بھی مقدمے میں صلح کرلینے کے لیے پہلے
عدالت سے اجازت لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس قسم کے
مقدمات میں حکومت کو ایک حد تک معافی کا اختیار ہمیشہ سے
17 چلا آتا ہے۔ عمومی قانون کی رو سے بھی وہ ہمیشہ مجاز رہی ہے کہ
قبل اس کے کہ کوئی مخبر مقدمہ درحقیقت شروع کرے وہ اس میں
معافی دے دے (مگر مقدمہ شروع ہوجاتے اور مخبر کو سزا سے
غرض پیدا ہوجانے کے بعد وہ ایسا نہیں کرسکتی)۔ مگر بعض قوانین
مثلاً ۱۸۷۵ء کے "ریمشن آف پنلٹیز ایکٹ" کی رو سے مقدمے
کے دائر ہوجانے کے بعد بھی یہ اختیار باقی رہتا ہے۔ لہذا دیوانی
کارروائی کی ان خصوصیات کا لحاظ کرکے دیوانی کے افعال ناجائز
کے متعلق آسٹن کے بیان میں ہمیں ترمیم کرکے یہ کہنا چاہیے کہ وہ
ناجائز فعل دیوانی ہے جس کی سزا کی معافی کا اختیار آزادانہ یا کچھ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ کی فصل ہشتم بعنوان "ٹارٹ و کرائم" بحث کی گئی ہے۔ مقابلہ کرو
سی کے ایلن کی کتاب "لیگل ڈیوٹیز" سے صفحات ۲۵۲-۲۲۱۔

قیود کے ساتھ کسی خانگی شخص کو حاصل ہو۔ اگرچہ حکومت بھی جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں خاص قسم کے مقدمات میں بطور شاذ دیوانی سزائیں معاف کر سکتی ہے لیکن فوجداری سزا کوئی خانگی شخص بطریق جائز کبھی نہیں معاف کر سکتا۔ ان دو قسم کی کارروائیوں میں یہی آخری اور مستقل امتیاز ہے (اگرچہ ان دونوں قسم کی معروف اور روزانہ پیش آنے والی کارروائیوں میں دوسرے اور زیادہ تر بیّن اگرچہ کم لازمی امتیازات بھی پائے جاتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں ظاہر ہو چکا ہے) کیونکہ افعال ناجائز کے مرتکب کے خلاف جو عدالتی کارروائی کی جاتی ہے اس سے مختلف نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جیسے

(۱) دیوانی کارروائی جس سے صرف شے واپس مل جائے یا معاوضہ نقصان حاصل ہو۔ مگر مدعی کو اپنا خرچہ خود اپنی جیب سے ادا کرنا پڑے۔

(۲) دیوانی کارروائی جس سے کامل دادرسی ہو جائے (یعنی ہرجہ اور خرچہ یا دادرسی خاص یا امتناعی حکم حاصل ہو جائے)۔ مدعی علیہ کے لیے تنبیہ (Documentum) ہو لیکن مدعی کو کوئی
مالی فائدہ نہ پہنچے۔ 18

(۳) دیوانی کارروائی جس سے تنبیہی ہرجہ ملے۔ مدعی علیہ کے لیے تنبیہ اور مدعی کا حقیقی نفع ہو۔

(۴) دیوانی کارروائی جس میں مخبر کو کل جرمانہ یا اس کا کوئی جز ملے مدعی علیہ کو تنبیہ اور مدعی کو حقیقی نفع حاصل ہو۔ دیکھو صفحہ ، کی تمثیلیں۔

(۵) دیوانی کارروائی جس میں کل جرمانہ[1] حکومت کو ملے مدعی علیہ کو

---

[1] اس قسم کے مقدمات کے متعلق اب یہ طے ہو گیا ہے کہ وہ دیوانی ہیں (اگرچہ جرمانہ ذریعہ قید وصول کیا جائے مگر شرط یہ ہے کہ وہ تنبیہی ہو نہ کہ تعزیری) دیکھو صفحہ ۱۵۱۔

نوٹ ا گزشتہ۔

تنبیہ ہو اور کل نفع حکومت کو پہنچے[۱]۔

(۶) فوجداری کارروائی جس میں مدعیٰ علیہ کو تنبیہ ہو، اور اگر کوئی مالی نفع ہو تو حکومت کو ہو ورنہ عام طور سے اسے بھی کوئی نفع نہ ہو۔ دیوانی اور فوجداری کی کارروائیوں میں امتیاز قایم کرنے کا مسئلہ حال کے چند سالوں میں عملی طور سے نہایت اہم ہو گیا ہے اور انگلستان کی عدالتوں کو غیر معمولی طور سے بار بار اس کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی ہے، کیونکہ ۱۸۷۳ء کے "جوڈیکیچر ایکٹ" سے جب دیوانی مقدمات کے لیے ایک عام عدالت مرافعہ قایم کی گئی تو اس کی دفعہ ۴۷ میں یہ حکم دیا گیا کہ کسی فوجداری مقدمے یا معاملے میں وہاں مرافعہ نہ پیش ہو سکے گا[۲]۔ اس قسم کے مقدمات کے پیش ہو سکنے پر عدالتوں کو اس کا

---

[۱] مثلاً وہ کارروائی جو پارلیمنٹ کے ایک رکن کے خلاف کی جائے جو پارلیمنٹ کا حلف لینے کے قبل رائے دے۔ یا جو کارروائی خفیہ طور سے ملک میں کوئی مال لانے کے متعلق کی جائے۔ یا وہ کارروائی جو اس شخص کے متعلق کی جائے جو اپنی آمدنی کا غلط اندراج کرے تاکہ اُسے زیادہ محصول نہ ادا کرنا پڑے۔ (اس صورت میں اس پرُجری ایکٹ" کی دفعہ ۵ کی رو سے فوجداری مقدمہ بھی چل سکتا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۳۵۵ آیندہ)۔

[۲] اس کا اعادہ جارج پنجم کے قانون ۱۵ و ۱۶ کی فصل ۴۹ دفعہ ۳۱ میں کیا گیا ہے۔

یہ امر کہ خلاں کارروائی فوجداری ہے یا دیوانی عملی طور سے نہایت اہم ہے کیونکہ اس کا اثر شہادت کے قواعد، فریقین مقدمہ کے باہمی تصفیے کے اختیارات، یا ضابطے کے قواعد سے دست بر داری، حکومت کے اختیارات معافی، اور عداوتانہ استغاثے کے خطرات پر پڑتا ہے۔

[۳] ان مقدمات کا ذکر اور ان کے نتایج پر بحث، سی، کے، ایلن کی کتاب "لیگل ڈیوٹیز" میں نوعیت جرایم کی تحت کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۲۳ اور اس کے بعد کے صفحات پر۔

احساس ہو گیا ہے کہ ایک مقدمے کی نوعیت فوجداری کی ہو سکتی ہے
اگرچہ وہ نہایت خفیف ہو، جس کی تحقیقات بالآخر جوری کو کرنی پڑے
یا دہ سزائے قید پر ختم ہو۔ مثلاً اپنے بچے کو مدرسے نہ بھیجنا[1] ایک 19
"جرم" ہے اگرچہ وہ پولیس مجسٹریٹ سے بالاتر کسی عدالت میں
نہیں پیش ہو سکتا اور نہ زیادہ سے زیادہ جو سزا دی جا سکتی ہے وہ
ایک ساورن سے بڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح عدالتیں یہ بھی احساس
کرتی ہیں کہ ایک فعل بغیر اخلاقی اصول کی خلاف ورزی کے بھی
مجرمانہ ہو سکتا ہے جیسے ایک محدود کمپنی کا اپنے ارکان کے
ناموں کی سالانہ فہرست "جوائنٹ اسٹاک کمپنی" کے رجسٹرار
کے پاس نہ بھیجنا[2]۔ اس وقت تک عدالتوں نے اتنا معلوم 20
ہو جانے کو کہ کارروائی کا مقصد تعزیری ہے یا نہیں عملی طور سے
کافی معیار امتیاز قرار دے لیا ہے۔ وہ ہر ایسی کارروائی کو
جو بالآخر سزا پر ختم ہو "فوجداری" تصور کرتی ہیں، اگرچہ سزائے مذکور
محض مالی یعنی جرمانہ ہو اور وہ بھی لابد نہیں بلکہ علی سبیل بدل ہو،
مثلاً خواہ مدعیٰ علیہ کو یہ حکم دیا گیا ہو کہ وہ یا تو جرمانہ ادا کرے یا جس
امر باعث تکلیف کی شکایت کی جاتی ہے اسے رفع کرے، خواہ

---

[1] مقدمہ میلور بنام ڈینہام ۱۸۷۹ء ۵ کیو، بی، ڈی ۴۶۷ - ہر ایسا شخص جرم خفیف کا مرتکب ہوتا ہے جو دیدہ و دانستہ کوئی ایسا کام کرکے کسی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے جس میں اس کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا جس کے نہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، اور جس کا تعلق عامۂ خلائق یا اس کے کسی جزو سے ہوتا ہے، بجز اس کے کہ اس قانون سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ واضعان قانون مذکور کا منشا یہ تھا کہ ایسی خلاف ورزی کے لیے کوئی دوسری سزا مقرر کی گئی ہے "اسٹفن کا ڈائجسٹ کریمنل لا" ساتویں ایڈیشن۔

[2] دفعہ ۱۲۶ - ۱۹ و ۲۰ جارج پنجم فصل ۲۳ دفعہ ۱۰۸ -

فی الحقیقت امر باعث تکلیف کا رفع کرانا ہی مقصود ہو اور علی السبیل بدل جرمانہ نہ عاید کیا گیا ہو[1]۔ کیونکہ جو کارروائی تعزیری نہیں ہے وہ (صفحہ ۱۲ گزشتہ) فوجداری نہیں ہو سکتی۔ دیوانی کارروائی بطور شاذ ہی تعزیری ہوتی ہے اس طور سے مقدمات کی بڑی تعداد میں تعزیری اور غیر تعزیری کے سادہ معیار سے یہ سوال حل ہو جاتا ہے کہ سزاؤں (Sanctions) کی معافی کا ازروئے قانون کون شخص مقتدر ہے[2] اور اسی سے اخیر اور اہم سوال پر جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے (صفحہ ۱۴)، بالآخر کسی کارروائی کے دیوانی یا فوجداری نوعیت کا انحصار ہوتا ہے۔ کیونکہ جرایم اور دیوانی مضرات میں جو فرق ہے
وہ ناجایز افعال کی نوعیت کے کسی حقیقی فرق پر مبنی نہیں ہے، بلکہ 20
صرف اس قانونی کارروائی پر[3] منحصر ہے جو ان افعال کے متعلق

---

[1] سرکار بنام وٹیچرچ ۱۸۸۱ء ۷ کیو، بی، ڈی ۵۳۴۔ بحالت عدم ادائی غیر دیوانی قید کا حکم ہو سکتا ہے (فصل ۲۹ آیندہ)۔ بعض اوقات غیر ارادی عدم ادائی پر بھی تعزیری جرمانہ ہو سکتا ہے۔ عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ جرم کا اصل امتیازی نشان (خواہ بلا واسطہ ہو یا قصور واقع ہونے پر) نہ عام طور سے سزا بلکہ اس قسم کی قید کا مستوجب ہوتا ہے۔ مقابلہ کرو مقدمہ رابسن بنام بگر ۱۹۰۸ء، ۱ کے، بی ۶۷۲ کے ساتھ جس میں وہ تاوان جو ایک فرقی کرنے والے کو زیادہ وصول کرنے پر عاید کیا گیا، (اگرچہ فریق متضرر زاید رقم واپس پا سکتا تھا) فوجداری قرار دیا کیونکہ تاوان ادا نہ ہونے کی صورت میں وہ قید ہو سکتا تھا۔ نیز دیکھو مقدمہ بسی ین بنام برے ۱۸۹۶ء ۲ کیو، بی ۳۴۴۔

[2] مثلاً اگر تحقیر عدالت کے جرم میں کسی کو سپرد عدالت کرنا تعزیری کارروائی متصور ہو تو اقتدار اعلیٰ (پادشاہ یا کسی نو آبادی کا گورنر جو اس کی نیابت کرتا ہو) اسے چھوڑ سکتا ہے بمعاملہ جزایر بہاما ۱۸۹۳ء ا ے، سی ۱۳۸۔

[3] اس طرح جو کارروائی محصول (rates) کی ادائی کے لیے (۱) عام ضلع کے محصول کے لیے ہوتی ہے وہ دیوانی ہے [۱۸۹۹ء ۱ کیو، بی ۲۷۳] (۲) اور جو خیراتی محصول (Poor rates) کے لیے ہوتی ہے وہ فوجداری ہے۔ [۱۸۹۶ء ۲ کیو، بی ۳۴۴]۔

اختیار کی جائے، ایک ضرر ممکن ہے کہ دیوانی بھی ہو اور فوجداری بھی، کیوں کہ اگر قانون چاہے تو دونوں قسم کی کارروائیوں کی اجازت دے سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے سابق میں انگلستان میں دیوانی افعال ناجایز اور جرایم میں امتیاز کرنا دشوار ہو گیا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ہماری دیوانی عدالتوں کو سنگین جرایم کے مرافعے[۱] سننے کا اختیار حاصل تھا۔ اور اس کارروائی کا واحد مقصد یہ تھا کہ شدید ترین جرایم کے مرتکبین کے حق میں سزائے موت صادر ہو سکے۔ باوجود اس کے کارروائی دیوانی عدالت میں اور دیوانی ضوابط کے مطابق چلائی جاتی تھی (مثلاً ملزم کو وکیل مقرر کرنے کی اجازت تھی جس کی اجازت عدالت فوجداری میں اسے نہیں مل سکتی تھی) اور اگرچہ مدعی کو باہمی تصفیہ کر لینے کا اختیار تھا مگر حکومت کی معافی سے کارروائی نہیں رک سکتی تھی۔ دادرسی کا یہ عجیب طریقہ ۱۸۱۹ء تک باضابطہ طریقے سے منسوخ نہ ہو سکا۔ ۱۸۱۸ء میں بمقدمہ اشفورڈ بنام تھارنٹن[۲] مستغیث کی طرف سے ایک ایسا مرافعہ دایر ہوا تھا۔ باوجود ان تمام نقایص کے اس کی تنسیخ کی بعض ترقی پسند سیاسی اشخاص نے بھی اس بنا پر مخالفت کی کہ یہی ایک طریقۂ کارروائی ایسا یقینی ذریعہ ہے جس کی مدد سے ضرورت سے زیادہ پرجوش سپاہی اور کوتوالی کے جوان جو خلاف قانون زیادتیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے کیفر کردار کو پہنچ سکتے ہیں اور حکومت کو ان کے بچانے کا موقع نہیں ملتا۔[۳]

۱۔ "مرافعہ" ایک خانگی مقدمہ ہے جو کلیۃً مدعی کے اختیار میں ہوتا ہے اس کی تعمیل اسی کی خوشی پر منحصر ہوتی ہے ممکن ہے کہ اس کا واحد مقصد حصول رقم ہو (جسٹس بیلی)۔

۲۔ ۱، بی و اے ایل ڈی ۴۲۳۔ اس عجیب مقدمے کی تفصیل کے لیے دیکھو "آل دی ایئر راؤنڈ" بابت مئی ۱۸۶۷ء۔

۳۔ دیکھو بنتھم کی تصنیفات جلد ششم ۵۳۹۔

اسی زاویۂ نگاہ سے چیف جسٹس ہولٹ سے ممتاز جج نے ان مرافعوں کو "انگریزی آزادی کا حقیقی طرۂ امتیاز" کہہ کر تعریف کی تھی۔
21 اگرچہ اس قسم کے مرافعوں کا طریقہ باقی نہیں رہا مگر اب بھی یہ ممکن ہے کہ ایک ناجائز فعل کے متعلق دیوانی اور فوجداری دونوں کارروائیاں کی جائیں۔ کیونکہ تقریباً ہر جرم "ٹارٹ" یعنی دیوانی ضرر متصور ہو سکتا ہے اور ہر شخص جسے اس سے ضرر پہنچا ہو خاطی سے مالی معاوضہ دلائے جانے کا دعویٰ کر سکتا ہے بلیکسٹن اس میں مبالغے سے کام لے کر عام طور سے یہ کہتا ہے کہ ہر جرم اس حیثیت سے ایک خانگی ضرر ہے[۱]، مگر یہ ان جرائم پر یقیناً صادق نہیں آسکتا جن سے کسی خاص خانگی شخص کو ضرر نہیں پہنچتا۔ ایسے جرائم کی تین قسمیں ہیں۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں جرم کا اثر صرف حکومت پر پڑتا ہے جیسے کسی شخص کا کوئی بیان مزیل حیثیت عرفی شایع کرنا، یا ممالک غیر کے متحاربین کے لیے سپاہی بھرتی کرنا۔ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں اگرچہ جرم کا مقصود کوئی خاص شخص ہوتا ہے مگر اس نوبت پر پہنچنے کے قبل کہ فی الحقیقت اس سے کوئی ضرر پہنچے وہ روک دیا جاتا ہے جیسے ایک جعل بنانے کا ارادہ کرنے والا شخص اس بناپر چالان کر دیا جاتا ہے کہ نشان تجارت کا جعل بنانے کے لیے اس کے قبضے میں سانچہ تھا، یا بلا قانونی وجہ کے اس کے پاس بینک نوٹ کا کاغذ پایا گیا، اس نے بینک نوٹ کی پلیٹ بغیر قانونی عذر کے کندہ کی تیسرے ایسی صورتیں ہیں جن میں اگرچہ ایک خانگی شخص کو جرم سے فی الحقیقت ضرر پہنچتا ہے مگر شخص متضرر درحقیقت خود مجرم ہی ہوتا ہے (اور یہ ظاہر ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے معاوضے کا طالب نہیں ہو سکتا) جیسا کہ اقدام خودکشی کرنا یا (زیر قانون ۲۰ و ۲۱

[۱] بلیکسٹن کا منٹری ۵۔

جارج پنجم فصل ۱۷) کسی آوارہ گرد کا جب کہ وہ ایک کارخانے کے عارضی وارڈ میں رکھا گیا ہو خود بالارادہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالنا[1]۔

اس میں کلام نہیں کہ اغلب صورتوں میں جو شخص کسی جرم کا مرتکب ہوتا ہے وہ کسی دوسرے شخص کی ذات یا مال کو ضرر پہنچاتا ہے اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے وہ جرم "ٹارٹ" (فعل ناجایز ضرر رساں) بھی ہو جاتا ہے[2]۔ اگرچہ اکثر مجروح پر مالی نقصان کی تلافی کے لیے بصیغۂ دیوانی دعویٰ دایر ہو سکتا ہے مگر ایسی کارروائی بطور شاذ ہی کی جاتی ہے کیوں کہ اکثر جرایم کے مرتکب ایسے ہی مفلس لوگ ہوتے ہیں جن سے معاوضہ نہیں مل سکتا۔ اسی وجہ 22 سے صرف ہتک آبرو (ازالۂ حیثیت عرفی) اور حملے کے جرایم میں جن کا ارتکاب مالدار لوگوں کی طرف سے ہو اتنا بعید القیاس نہیں ہے، عام طور سے دیوانی کارروائی کرنے کا رواج ہے لیکن یہ سمجھنا (جیسا کہ بعض اوقات بعجلت سمجھ لیا جاتا ہے) کہ انھیں دو مقدمات میں ایسا ممکن ہے صحیح نہیں ہے۔ حال ہی میں ایک زنا بالجبر کی مظلومہ نے اپنے زانی پر ہرجے کا دعویٰ کیا ہے[3] اور وہ حالات جو تعدد ازدواج (bigamy) کے متعلق استغاثہ دایر کرانے کے باعث ہوتے ہیں اکثر فریب دہی کے ہرجے کی بابت دیوانی دعویٰ دایر کرنے میں معین ہو جاتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ فوجداری اور دیوانی ناجایز افعال دو صاف طور سے علیحدہ علیحدہ مجموعۂ افعال نہیں ہیں، بلکہ اکثر ایک ہی فعل

---

[1] دیکھو صفحہ ۳۸۲ آیندہ۔

[2] اس طور سے ایک حملے کے الزام سے رہا ہو جانے کے بعد ملزم کے مقابلے میں ہرجے کا دیوانی مقدمہ دایر ہو سکتا ہے۔ ۱۲، الیسٹ ۴۰۹۔ نیز دیکھو صفحہ ۱۸۵ آیندہ۔

[3] ایس، بنام، ایس ۱۸۸۹ء ۱۶ کاکس ۵۶۶۔

ہوتا ہے جس پر مختلف زاویۂ نگاہ سے نظر ڈالی جاتی ہے، جو فرق ہے وہ نوعیت کا نہیں بلکہ صرف تعلقات کا ہے، کسی واقعے کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ جرم ہے یا ٹارٹ، سر جیمس آسٹفن کی برجستہ مثال کو اختیار کرکے، اس دریافت کرنے سے زیادہ دانشمندانہ نہیں کہ کسی شخص کی نسبت یہ دریافت کیا جائے کہ وہ باپ ہے یا بیٹا، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ وہ باپ بھی ہو اور بیٹا بھی۔

اگر ہم کسی خاص واقعے کو جانتے ہیں کہ وہ جرم ہے تو یہ امر معلوم کر لینا کہ وہ ٹارٹ بھی ہے یا نہیں، یہ سوال کرکے کہ آیا اس سے کسی ایسے شخص کو جس کی طرف کوئی حق منتقل ہو سکتا ہے کوئی ضرر پہنچا یا نہیں بہت آسان ہے۔ لیکن جب ہم کسی واقعے کو جانتے ہوں کہ وہ ٹارٹ ہے تو اس کے متعلق یہ دریافت کرنے کا کہ آیا وہ جرم بھی ہے یا نہیں ایسا کوئی معیار موجود نہیں ہے۔ ہم اس عام سرسری تاریخی نتیجے سے آگے نہیں بڑھ سکتے کہ ٹارٹ اس وقت جرایم میں شمار ہونے لگے جب کہ واضعان قانون کو یہ محسوس ہوا کہ ان کے لیے صرف دیوانی دادرسی کافی نہیں ہے۔ اس دادرسی کو ناکافی سمجھنے کے ممکن ہے کہ یہ اسباب ہوں یعنی ان کا (ٹارٹ کا) اصول اخلاق کے سخت خلاف ہونا یا ان سے جماعت کو سخت ضرر پہنچنا، یا ان کے ارتکاب کی زیادہ تر ترغیب کا موجود ہونا، یا ان کا مرتکب ایسے مفلس اشخاص کا ہونا جو مالی معاوضہ دینے کے ناقابل ہوں۔ ٹارٹ کے جرایم میں بآسانی 23
منتقل ہو جانے کی روشن مثال قوم نارمن کے (Clameur de Haro) میں موجود ہے، جس کا رواج اب تک ہمارے "چینل آئیلینڈس" میں باقی چلا آتا ہے، جس کے ذریعے سے ایک شخص جو "ٹارٹ" کی وجہ سے نقصان اٹھا رہا ہے صرف خاطی کی

موجودگی میں "ڈیوک رولو" کی قدیم دہائی کے الفاظ کا اعادہ، اور اس ٹارٹ کو مزید مدت تک جاری رکھ کر اسے حقیقی جرم کی شکل میں بدل دیتا ہے[۱]۔

سر ہنری مین کے "قدیم قانون" کے پڑھنے والے اس عجیب واقعے سے آگاہ ہیں کہ قدیم تہذیبوں کے قوانین کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ یا تو ان میں جرایم سے مطلق بحث نہیں کی جاتی یا خاص کر انھیں سے بحث کی جاتی ہے[۲]۔ اگرچہ قدیم مقننین کا خاص کام ان سنگین جرایم سے بحث کرنا ہوتا ہے، جنھیں ترقی یافتہ تہذیبیں سزا سے روکنا چاہتی ہیں، مگر باوجود اس کے ان کے پاس ان کے انسداد کا بجز اس کے کوئی اور ذریعہ نہیں ہوتا کہ وہ مخصوص ضرر رسیدہ لوگوں کے نقصان کی تلافی کا انتظام کریں، یہ خیال کہ جرایم کو مزید ایسی سزاؤں کے ذریعے سے روکا جائے جو جماعت کی مجموعی اغراض کے لیے مفید ہوں، اس وقت تک نہیں پیدا ہوا جب تک کہ قانونی ارتقا ایک خاص حد تک نہیں پہنچا، اس کے ارتقائے مراتب کا بعض اوقات منزل بہ منزل پتا چلایا جا سکتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں بھی حکومت دادرسی کی ضرورت کو محسوس کرتی ہے مگر اسی حد تک کہ اس سے شخصی ضرر کی تلافی ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ دادرسی کی مقدار اور بعض اوقات اس کا طریقۂ تعمیل بھی شخص متضرر یا اس کے رشتہ داروں کی رائے پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ شریعت موسوی نے بھی ہر بالارادہ قتل انسان کے لیے اس قدیم بدویانہ قاعدے میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا، اور خود قاتل کے شہر کے سربرآوردہ لوگوں کو حکم دیا کہ "قاتل کو لاؤ اور

---

[۱] دیکھو ایم گلاسن کا مضمون (Clameur) پر "لا گرانڈ انسکلو پیڈیا" میں۔

[۲] دیکھو سی، کے، ایلن کی "لیگل ڈیوٹیز"، صفحات ۲۲۶-۲۲۱۔

اُسے طالبانِ ثار (اقربائے مقتول) کے حوالے کردو"۔ (Deut×i×12)
ایسے زمانے میں جس کی یاد ہنوز تازہ ہے کارسیکا میں عام رائے کے مطابق اس قسم کی انتقامی کارروائی اگر لازمی نہیں تو جایز ضرور سمجھی جاتی تھی۔ حبش میں قتل کی سزا موت ہے، مگر مقتول کے خاندان والے خوں بہا لے کر (۱۹۲۳) خون معاف کر سکتے ہیں[1]۔

24 ہر ایک قسم کے جرایم کے لیے محدود اور معین سزا کا مقرر کیا جانا، اگرچہ جرمانے میں ایک بھیڑ یا کوئی دوسرا جانور ہی کیوں نہ مقرر کیا گیا ہو، ترقی تہذیب کی ایک یقینی علامت ہے۔ اس حالت میں شخص متضرر کو جو کچھ مقرر کر دیا گیا ہے اس کے پانے کا حق ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ اس کی عمدہ مثال وہ قانون ہے جو نوما پومپائیلیس (Numa Pompilius) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس نے قتل کے انتقام کو بہت کچھ نرم کر دیا تھا، اور جس کے ذریعے سے اُسی نہج پر قتل انسان کے انتقام کی شدت کو گھٹا دیا گیا تھا کہ: "اگر کوئی شخص کسی آدمی کو قتل کر دے تو وہ اُس کے عصبہ رشتہ داروں کو پنچایت کے جلسۂ عام میں ایک بھیڑ پیش کرے گا"۔
اس سے زیادہ مشہور اور قریب کی مثال انگلوسیکسن کا (wér-gild) مسئلۂ خوں بہا[2] ہے جس کا دعویٰ مقتول کے رشتہ دار کرتے تھے اور اس کی مقدار نہایت احتیاط کے ساتھ مقتول کی حیثیت کے مطابق مقرر کی گئی تھی۔ بارہ سو شلنگ ایک "تھین"

---

[1] دیکھو رے کی "انکانکر ڈ ابی سینیا"، صفحہ ۱۱۷۔ اسی طرح تونس کے پہلے فرانسیسی مجموعۂ قوانین کی (دفعہ ۲۱۶) میں شخص متضرر کے خاندان کا خوں بہا قبول کر لینا قاتل کی رہائی کے لیے بھی جایز قرار دیا گیا تھا۔

[2] کلارک کا "ارلی رومن لا"، صفحات ۴۴۔۵۰۔

(Villein) کے لیے
(thegn) کے لیے، مگر صرف دو سو ادنیٰ کاشتکار کے لیے
اور چالیس شلنگ غلام کے واسطے اور "سیکسن"[1] سے کم "ولشمین"
کے لیے۔ اس زمانے کے بعد یہ محسوس ہونے لگا کہ جماعت کے
ایک رکن کا نقصان جماعت کا نقصان ہے۔ اس لیے اس نقصان
کی تلافی کا مستحق نہ صرف شخص متضرر اور اس کے رشتہ دار بلکہ حکومت
بھی ہوتی ہے۔ شاید اسی بنا پر خانگی جرمانے کے ساتھ یا اس کی جگہ
ایک جرمانہ جماعت کی طرف سے بھی عاید کیا جانے لگا، اور ایک
مخصوص اور معین شخص اس کے وصول کا مجاز قرار پایا۔ یہ کارروائی
چوتھے اور آخری درجے پر اس وقت پہنچتی ہے جب کہ حکومت کو
یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اس کے اغراض حفظ امن سے اس قدر
وابستہ ہیں کہ وہ یہ کہہ کر خاموش نہیں بیٹھ سکتی کہ جو لوگ خلاف ورزی
کریں گے انھیں سے اس کی تلافی کرائی جائے گی بلکہ اب اسے
سخت دھمکیوں کے ساتھ لوگوں کو ایسی خلاف ورزیوں سے
روکنا لازم ہو جاتا ہے۔ اور اس طور سے سزا کا حقیقی تصور جماعت
کے تلافی نقصان کے تصور کو دور کر کے اس کی جگہ لے لیتا ہے۔
یہ تصور شخص متضرر کی تلافی کے تصور پر بھی غالب آجاتا ہے، اگرچہ
کچھ مدت تک استغاثہ دایر کرنے کے لیے شخص متضرر کی
رضامندی کا حاصل کرنا اس خیال سے ضروری متصور ہوتا ہو کہ

[1] پولک اور میٹ لینڈ کی "تاریخ قانون انگلستان جلد اول، ۲۶ و جلد دوم ۴۴۸، اور
میٹ لینڈ کی "ڈومس ڈے بک اینڈ بیانڈ" صفحہ ۳۱ اور مقابلہ کرو تھورپ کے
قول بہا پوپ کی ایلیڈ ۹، ۶۳۲ و ۱۸، ۴۹۷ اور نوچر اور لینگ کی اوڈیسی
کے دیباچے کا صفحہ ۴۰۸۔
[2] ارتقا کے منازل کا پتا صاف طور سے جمورابی کے بابلی مجموعۂ قوانین سے ملتا ہے
دیکھو ڈاکٹر جان کا سستا اور عمدہ ترجمہ۔

عام سزا کو خانگی سزا پر فوقیت حاصل ہو جائے یا وہ خانگی سزا کی قایم مقام ہو جائے۔ (اس تصور کے آثار اس وقت بھی ہمارے انگلستان کی فوجداری عدالتوں میں پائے جاتے ہیں جب کہ خفیف جرائم میں عدالتیں سزائیں اس بنا پر کمی کر دیتی ہیں کہ "مستغیث مقدمہ چلانا نہیں چاہتا"[۵۱] یا مستغیث کو باہمی تصفیہ کر کے مقدمے سے دست بردار ہو جانے کی اجازت دے دیتی ہیں) حقیقی سزا کے رایج ہونے کی عمدہ مثال اس قانون سے ملتی ہے جو نوما پومپیلیس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جس میں قاتل کے لیے سزا مقرر کی گئی تھی کہ: "اگر کوئی کسی آزاد شخص کو بدنیتی سے جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیا جائے گا"[۵۲] اس کے سوا روما کے ابتدائی قوانین میں کوئی اور مثال "الواح دوازدہ" کے زمانے تک بھی نہیں ملتی، بجز اس کے کہ اعضائے شکستہ" (Membrum ruptum) کی تلافی نقصان کو سزا قرار دیا جائے، مگر غالباً اسے بھی واضعان قانون فریق متضرر کے نقصان کی تلافی کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے نہ کہ وہ سزا جس سے حکومت اپنے شہروں کے باشندوں کو شکست اعضا سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ اسی طرح آیر لینڈ کے انگریزی فاتحوں نے قتل کے قدیم جرمانوں کو سزائے موت سے بدل دیا۔ انھوں نے بریہن[۵۳] (Brohen) کے جرمانوں کو

---

۵۱ کرمنل اپیلس آر ۲۷۱۔

۵۲ کلارک کا ابتدائی قانون روما صفحات ۴۲، ۵۴۔

۵۳ قدیم آئرلینڈ کا ایک مشہور مقنن یا جج تھا۔ اور اس کے شاگردوں نے ایک نظام قانون قائم کیا تھا جو "قوانین بریہن" کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے۔ یہ قوانین جیمس اول کے عہد میں منسوخ کر دیے گئے۔

خدائی اور انسانی قانون کے خلاف" قرار دیا اگرچہ خود انگلستان
میں بارھویں صدی کے اخیر حصے میں ان کی موقوفی عمل میں آئی[1]
جو سزائیں حکومت کی اغراض سے اس طور سے قایم ہوئیں وہ
خود حکومت براہ راست یا اس کے نایب عاید کرتے تھے
یہی وجہ ہے کہ روما کے ابتدائی زمانے میں ہر حکم سزا
قومی انجمن اعظم یعنی کمیٹیا (دیکھو صفحہ ۶ گزشتہ) کے کسی قانون کی رو
سے صادر ہوتا تھا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا فوجداری کام
نمایندوں سے لیا جانے لگا۔ سر ہنری مین[2] نے بتایا ہے کہ روما
میں "کمیٹیا"، فوجداری مقدمات کس طرح ایک ایک کر کے 26
ان خاص کمیٹیوں کو سپرد کرنے لگی جو ہر مخصوص موقع کے لیے
مقرر کی جاتی تھیں۔ بعدہ انھیں کمیٹیوں کو ایک خاص مدت کے لیے مقرر کرنے کا
طریقہ جاری ہو گیا، اور ان کو خاص قسم کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا گیا جو
اس مدت میں پیش آئیں اور بالآخر یہی مستقل ہو کر صحیح قانونی عدالتیں بن گئیں۔

انگلستان میں بھی خانگی ضرر کو عام ضرر میں تبدیل کرنے کا عمل
ہنوز تکمیل کو نہیں پہنچا ہے، مگر سال بسال اس میں ترقی ہو رہی ہے
اس طرح کہ جب کسی خاص قسم کے خانگی ناجایز افعال، یا ایسے
افعال جو اب تک بالکل ناجایز نہ سمجھے جاتے تھے، اپنے
غیر معمولی تواتر، یا خراب نتایج پیدا کرنے کے باعث جماعت
میں نیا اندیشہ پیدا کر دیتے ہیں تو وہ ناجایز افعال عامہ میں داخل
کر لیے جاتے ہیں۔ انگلستان میں صرف ہنوور خاندان کی حکومت کے
زمانے میں کسی شخص کے جانور کو لنگڑا کر دینا یا مار ڈالنا، یا اس کی
استادہ فصل کو جلا دینا جرم قرار دیا گیا، اگرچہ مالک کے حق میں

[1] پولک اینڈ میٹ لینڈ جلد دوم ۴۵۸۔

[2] قانون قدیم فصل ۱۰۔

یہ ضرر ایسا ہی نقصان رساں تھا جیسے کہ سرقہ اور عامۂ خلایق کے لیے
تو اس کا نقصان سرقے سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ امین کا امانت میں خیانت کرنا
صرف ۱۸۵۷ء[1] میں جرم قرار دیا گیا، اور شریک کا مشترکہ اشیا کو چرانا
صرف ۱۸۶۸ء[2] میں جرم قرار پایا[3]۔ ہر سال پارلیمنٹ سے بعض افعال
جرم قرار پاتے رہتے ہیں اگرچہ وہ ایسے اہم نہیں ہوتے جیسے وہ
افعال جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ جرایم کی تعداد جس طرح بڑھتی رہی ہے
اس سے اور بھی زیادہ بڑھ جاتی اگر اکثر ایسی بدچلنیوں کے لیے
(جن کے انسداد کے واسطے فطری طور سے فوجداری ممانعت کی
ضرورت ہوتی) بعض روکنے والی سزائیں غیر معمولی دیوانی کارروائیوں
کی شکل میں پہلے سے موجود نہ ہوتیں، جیسے تنبیہی ہرجے[4] کے
مقدمات یا ایسے جرمانے جو مخبر اول کو دلوائے جاتے ہیں۔

اس طور سے عامۂ خلایق کے احساسات کی بیداری
قانون فوجداری میں اضافے کا باعث ہوتی ہے اور پھر خود قانون
عامۂ خلایق کے احساسات کو تیز کر دیتا ہے جیسا کہ گزشتہ صدی
میں مبارزت (duelling)، بے رحمی جانوران، اور انتخابات میں 27
رشوت کے معاملات سے ظاہر ہو چکا ہے۔ تہذیب کی اسی
ترقی کو جو قانون جرایم کو وسعت دیتی ہے مقدار جرایم کو گھٹانا
لازم ہے۔ افعال قبیح کی جتنی صورتیں ممنوع قرار پاتی جائیں
اتنے ہی افعال قبیح کے ارتکاب میں کمی ہوتی جانی چاہیے۔
فوجداری قانون میں جس قدر ارتقا ہوتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ

---

[1] ۲۰، ۲۱ وکٹوریا فصل ۵۴ دیکھو صفحہ ۲۱۶ آیندہ۔

[2] ۳۱، ۳۲ وکٹوریا فصل ۱۱۶۔

[3] دیکھو صفحہ ۱۲ گزشتہ۔

[4] صفحہ ۷

وہ سزا دینے اور جرائم کو روکنے کے خیال سے مجرمین کی ذہنی حالت کے جانچنے کی طرف متوجہ ہوتا جاتا ہے۔ قدیم مقننین صرف مادی عمل کا لحاظ کرتے تھے اس کے طبعی اسباب کی طرف بہت کم جاتے تھے۔ وہ اتفاقی ضرر کی بابت بھی سزا دینے میں تامل نہیں کرتے تھے مگر ان قبیح اقدامات کا جو تکمیل کو نہ پہنچیں کوئی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ ہم کو فصل سوم، چہارم اور پنجم سے معلوم ہوگا کہ موجودہ قانون اس بارے میں اس سے کس قدر مختلف ہے۔

28

باب ۲

فوجداری سزا کا مقصد

اس موضوع کی تحقیق کے وقت لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے کونسے حالات ہیں جن میں ایک جدید فوجداری امتناع نافذ کرنا درست تصور کیا جا سکتا ہے؟ اس زمانے میں جملہ ایسی جماعتوں سے جو وضع قوانین کا کام انجام دیتی ہیں بعض ایسے مروجہ افعال کے خلاف تعزیری قوانین منظور کرنے کی خواہش کی جاتی ہے جن کو وہ مجوزین سماج کے لیے مضر سمجھتے ہیں اور جن کو ذاتی اغراض کے تحت یا مفاد عامہ کے پیش نظر وہ روکنا چاہتے ہیں۔ لیکن بنتھم[1] نے صراحت کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ محض اس وجہ سے کہ ایک عمل واقعتاً عامۃ الناس کے لیے

۱؎ (Principles of Morals and Legislation) صنفہ بنتھم باب ۱۵ و نیز مصنف موصوف کی

مضرت رساں ہے واضع قانون کو ان خواہشات پر عمل نہ کرنا چاہیے بلکہ فوجداری سزاؤں کے ذریعے سے کسی زبوں کاری کے خلاف تہدید عاید کرنے سے پہلے واضع قانون کو کم از کم حسب ذیل چھ امور کی بابت اطمینان کر لینا چاہیے :-

۱ - وہ بیجا عمل ایسا ہو کہ اس سے محض خرابیاں ہی پیدا نہ ہوتی ہوں بلکہ وہ خرابیاں اس قدر شدید ہوں کہ جرم کی سزا کے سلسلے میں بالواسطہ اور بلا واسطہ جو تکلیف ناگزیر طور پر پہنچتی ہے اس سے ان کا پلہ بھاری ہو ۔ لہٰذا محض دروغ گوئی کو جرم نہ قرار دینا چاہیے تاوقتیکہ مضرت رسیدہ شخص کو اس سے کوئی مالی نقصان نہ پہنچے اور اس طرح وہ جھوٹ، فریب کی شکل اختیار نہ کر لے ۔

۲ - وہ ایسا عمل ہو کہ اس کے اتنے معین طور پر تعریف ہو سکتی ہو جو قانون کے لیے ضروری ہے ۔ اسی بنا پر ایسے اعمال بد جیسے احسان فراموشی، یا اسراف، یا بسیار خوری پر (برخلاف بدمستی کے) فوجداری قانون کے ذریعے سے سزا نہیں دی جا سکتی ۔

۳ - اس کو مستحکم شہادت کے ذریعے سے ثابت کیا جا سکتا ہو ۔ خالص ذہنی کیفیات جیسے الحاد، سازش یا بغاوت کی تدبیر کرنا، نیز ایسے افعال جن کا تعلق محض زبانی باتوں سے ہو (جن کا صحیح طور پر یاد رکھنا دشوار ہوتا ہے) جیسے توہین لسانی ان کے متعلق چونکہ ممکن الحصول شہادت قابل اعتماد نہیں ہوتی اس لیے بھی ماہر واضعان قانون نے ان افعال کو فوجداری قانون کی زد میں لینے سے تامل کیا ہے ۔

۴ - علاوہ بریں یہ شہادت ایسی ہونی چاہیے کہ خانگی زندگی کو

29

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ (Principles of Penal Law) باب دوم، نیز مقابلہ کیجیے رسالۂ (Quarterly Review) جنوری سنہ ۱۹۲۳ء ۔

بے نقاب کیے بغیر اور اعتماد میں خلل ڈالے بغیر عموماً حاصل ہو سکتی ہو۔ چنانچہ انگلستان کے فوجداری قانون کے تحت بدمستی جرم نہیں ہے تا وقتیکہ وہ کسی مقام عام میں ظاہر نہ ہو۔

۵۔ اگر کسی عمل میں ناجوازی کے یہ تمام اصلی شرائط موجود ہوں تب بھی واضع قانون کو اُس وقت تک اس کا قانوناً امتناع نہ کرنا چاہیے جب تک کہ وہ یہ اندازہ نہ کرے کہ رائے عامہ اس کو کس حد تک نفرت کی نظر سے دیکھتی ہے چونکہ ایک طرف تو یہ ممکن ہے کہ یہ نفرت اتنی شدید ہو کہ قانونی امتناع کے ذریعے سے جو بھدی اور گراں تقیدات عاید کی جاتی ہیں ان کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ جیسے کہ انگلستان میں عام لوگوں کا اتوار کے دن کاروبار سے عادۃً کنارہ کش رہنے کا سبب رائے عامہ ہے نہ کہ چارلس ثانی کا نامقبول سنڈے آبزرونس ایکٹ یا دوسری طرف جیسا کہ اتوار کے دن اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کی بناپر مذکورۂ بالا قانون کے تحت نانبائیوں اور جاروب کشوں کے خلاف جو فوجداری کارروائیاں کی جاتی ہیں ان سے بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ رائے عامہ ایک خطا کو اس قدر خفیف تصور کر سکتی ہے کہ کسی شخص کا اس کے سبب سے قانونی سزائیں برداشت کرنا ایسی عام ہمدردی کا موجب ہو جائے کہ اس سزا کے تہدیدی اثر کو زایل کردے چنانچہ "وِھسٹ ڈرایوز" کی بابت کبھی کبھار ہی استغاثہ پیش کیا جاتا ہے۔

فوجداری قانون سازی کا مقصد بقول پروفیسر آٹلے صرف یہ ہونا چاہیے کہ اس سے اتنا معلوم ہو جائے کہ ایک اوسط درجے کی دیانت والے شخص کے نزدیک حق اور راست بازی کا کم از کم معیار کیا ہے۔ اگرچہ یہ امر فوجداری قانون کے فرایض میں داخل ہے کہ سماج کے ان طبقات کے معیار دیانت کو بلند کرے جن میں شائستگی کم ہے لیکن یہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو

احتیاط کے ساتھ رفتہ رفتہ انجام پانا چاہیے چونکہ فوری اور بے محل ترقی کی کوششیں ردعمل پر آمادہ کر دیتی ہیں اور اس سے ان کا
مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کرام ول کے عہد میں پیورٹن 80
قانون سازی کا نتیجہ ہوا۔ جس کام کو مصلحین اخلاق و واضعان قانون کے سپرد کرتے ہیں اس کو باحتیاط انجام دینے کی ایک قابل تعریف مثال ہم کو اس انگریزی قانون سے ملتی ہے جس کے ذریعے سے جنسی بد اطواریوں کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اور جس کا ذکر آگے صفحہ (166) پر آئے گا۔ اس قانون کے ذریعے سے ان تمام افعال پر سزائیں مقرر کی گئی ہے جن کی کلیسائی قانون کے ذریعے سے ممانعت ہے اور جن کی بنا پر سزا دی جاتی تھی و نیز جن کے لیے اب بھی بجا طور پر یہ بندوبست کیا گیا ہے کہ ان کے معاہدے کو معاہدہ کالعدم قرار دیا گیا ہے۔ اس قانون نے فوجداری امتناع کے لیے ان افعال میں سے صرف ایسے افعال کو منتخب کر لیا ہے جس میں کوئی مزید عنصر ان کے عجیب الوقوع ہونے کا یا جبر کا یا فریب کا یا ان سب کے مجموعے کا موجود ہو، جن سے عامۃ الناس کو عموماً ایسی نفرت پیدا ہوتی ہو کہ یہ امر یقینی ہو جائے کہ مستغیثین گواہ اور ارکان جیوری امتناع کے عملی طور پر نافذ ہونے سے طمانیت محسوس کریں گے۔

۶۔ جب کسی عنوان سے کوئی ناروا عمل ایسا ہو کہ اس میں مذکور الصدر پانچ شرائط موجود ہوں تو ظاہر ہے کہ واضعان قانون کو اسے روکنا چاہیے تاہم یہ ضروری نہیں کہ وہ امتناع فوجداری نوعیت ہی کا ہو۔ اگر ایسے معتدل تحفظات کے ذریعے سے جو دیوانی عدالتیں نافذ کر سکتی ہیں سماج کی کافی حفاظت ہو سکتی ہو تو فوجداری سزائیں مقرر کرنا ایک غیر ضروری تشدد ہے۔

چنانچہ نقض معاہدہ کے لیے شاذ طور پر فوجداری چارہ کار اختیار کیا گیا ہے چونکہ نقض معاہدہ خواہ عمداً ہی کیوں نہ ہو اس میں شاذ و نادر طور پر بہت زیادہ حد تک شرارت یا سماج کے لیے کوئی عظیم خطرہ شامل ہوتا ہے اور بہت کم صورتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ نقض معاہدہ کے لیے اتنی زبردست تحریص ہو کہ ہرجے کے دعوے کا خوف اس پر غالب نہ آجائے یا معاہدے کے فریق ثانی کو کوئی ایسی مضرت پہنچتی ہو کہ اس دعوے سے اس کی تلافی نہ ہو سکتی ہو۔ تاہم ایک کاریگر کا نقض معاہدۂ ملازمت درصورتیکہ اس کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو یا بیش قیمت جایداد کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو جرم قرار دیا گیا ہے (۳۸ و ۳۹ وکٹوریا فقرہ ۸۶) علاوہ ازیں جایدادی حقوق کی ایسی خلاف ورزی جو محض غیر ارادی طور پر ہی سرزد ہو اس کی دیوانی تحفظات کے خوف سے یعنی ضرر رسیدہ کو اس نقصان کے رقمی معاوضے و نیز خرچۂ مقدمہ کی ادائی کے خوف سے کافی روک تھام ہو سکتی ہے۔ لیکن ضرر رسانی کی ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں ہرجے اور خرچے کے خوف سے بلکہ ایسی نرم قسم کی قید سے بھی جس کا مدعی علیہ کی طرف سے حکم امتناعی کی خلاف ورزی ہونے کی صورت میں دیوانی عدالتوں کو اختیار حاصل ہے کافی روک تھام نہیں ہوتی چنانچہ ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ مدعی علیہ ایسے مفلس طبقے سے تعلق رکھتا ہو کہ رقمی معاوضے کی ادائی اس سے ممکن نہ ہو یا جو شخص براہ راست اس جرم کا شکار ہوا ہو اس کو ایسی مضرت پہنچی ہو کہ رقمی معاوضے سے اس کی تلافی نہ ہو سکتی ہو جیسے قتل کی صورت میں۔ یا جیسا کہ اکثر و بیشتر ہوتا ہے خطا اس قدر سنگین ہو یا اس کے ارتکاب کے لیے اس قدر شدت کے ساتھ ترغیب و تحریص کے وجوہ موجود ہوں کہ اس فعل کے ارتکاب کے 81

ہر موقع پر عام طور سے بے اطمینانی اور اندیشے کا احساس پیدا ہوتا ہو۔ ایسی صورت میں علاوہ اس شخص کے جس کو فوری اور براہ راست نقصان یا تکلیف پہنچتی ہے ایک نادیدہ جماعت بھی ہوتی ہے جس کو بالواسطہ مضرت پہنچتی ہے، اس جماعت کی چوں کہ تشخیص و تعیین نہیں ہو سکتی اس لیے ان کی تکلیف کا رقمی معاوضہ نہیں ادا کیا جا سکتا۔ ایسے حالات میں واضع قانون کو کوئی زیادہ سخت تدارک کی صورت اختیار کرنا چاہیے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مثلاً قبل سے مداخلت کا ایسا بندوبست کر دے جس کے ذریعے سے مرتکب فعل کے مجرمانہ مقصد کے اظہار پر اس کو روک دیا جائے جیسے کہ قدیم سیکسن عہد میں فرینک پلج (Frank Pledge) طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور جس کی رو سے ہر شخص کا مفاد براہ راست اس امر سے وابستہ تھا کہ وہ اپنے ہمسایے کو ارتکاب جرم سے باز رکھے اور جیسا کہ انیسویں صدی میں سر رابرٹ پیل نے ایک خفیہ پولیس قائم کرا کے انتظام کیا تھا۔ عامیانہ محاورے میں ابھی تک ان کے نام کا ایک جزو اس پولیس کے نام کے ساتھ لگایا جاتا ہے۔ یا پھر اس کی بجائے نسبتاً آسان اور زیادہ مروجہ لیکن کم اثر طریقہ یعنی باز پرس کی صورت اختیار کی جائے اور یہ تہدید کی جائے کہ اگر جرم کا ارتکاب کیا جائے گا تو مرتکب کو سزا برداشت کرنی پڑے گی۔

32 کسی بدعملی کا اس طرح انسداد کرنا کہ اس کے تصور کے ساتھ دہشت کے احساس کو وابستہ کر دیا جائے صرف اس وقت ممکن ہے جب کہ مندرجۂ ذیل دونوں شرائط موجود ہوں۔ (۱) مرتکب فعل کو معلوم ہو کہ وہ غلطی کر رہا ہے ورنہ دہشت کا اس پر اثر نہ ہوگا اور اس طرح دہشت اس کو باز نہ رکھ سکے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی جائداد کو اپنا سمجھ کر لے لے یا بحالت جنون

قتل کا مرتکب ہو جائے تو اس کو سزا سے بری قرار دیا گیا ہے اور محض یہی کافی نہیں ہے کہ اس کو اس بات کا علم ہو کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ غلط ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ (۲) اس کو غلطی کرنے پر قابو حاصل ہو۔ چونکہ کسی شخص کو ایسے افعال پر سزا نہ برداشت کرنا چاہیے جس کے ترک پر وہ جسمانی اور دماغی دونوں حیثیتوں سے قادر نہ ہو۔ سزا کا خوف اس پر یہ اثر نہیں کر سکتا کہ وہ اس فعل کے ارتکاب سے باز رہے۔ (یہی وجہ ہے کہ واضعان قانون ایسے لوگوں کے لیے سزا مقرر کرنے میں اکثر تامل ظاہر کرتے رہے ہیں جن کو کسی بغاوت میں حصہ لینے کے لیے قتل کی دھمکیاں دے کر مجبور کیا گیا ہو یا جو سراق کے اثرات کے تحت چوری کر بیٹھے ہوں) جب یہ دونوں شرائط پوری ہو جائیں اور دہشت انگیزی کے ذریعے سے انسداد مناسب ہو تو فوجداری قانون نافذ کرنا چاہیے فوجداری قانون ارتکاب جرم میں کافی حد تک مزاحم ہوتا ہے۔ چونکہ جیسا کہ ہم فوجداری اور دیوانی ضابطے کے امتیازی فرق پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کر چکے ہیں کہ اول الذکر میں مرتکب فعل کے لیے اس امر کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے کہ اس کے خلاف دعویٰ رجوع ہو جائے گا و نیز بحالت کامیابی استغاثہ زیادہ سخت تحفظات سے سابقہ ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ان سزاؤں سے براءت کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔

مشہور ترین مصنفین مثل بیکیریا، بلیکسٹن، رومیلی، پے می، فیورباش، کے نزدیک جرم کے مکرر ارتکاب کو روکنے کی امید فوجداری سزا کا خاص مقصد ہی نہیں بلکہ واحد مقصد ہے اور یہی صحیح مقصد تصور کیا جا سکتا ہے[لہ]۔

لہ چنانچہ ایک قیدی کے احتجاج پر برنٹ جج نے جواب دیا کہ تم کو گھوڑے کے سرقے کی وجہ سے پھانسی نہیں دی جاتی بلکہ غرض یہ ہے کہ دوسرے گھوڑوں کا سرقہ نہ ہو۔

33 چنانچہ آرک بشپ وہیٹ لی نہایت واضح طور پر لکھتے ہیں کہ "سزا کے عاید کرنے کا ہر جدید موقع اس سزا کی ناکامی کی ایک مثال ہوتا ہے" چونکہ یہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ اس میں اس سزا کی تہدید جرم کو روکنے میں کاملاً موثر ثابت نہیں ہوئی۔ وہیٹ لی نے ایک زبردست حقیقت کا انکشاف کیا ہے اور اس کو وہیچکوٹ (Whichcote) نے مبالغے کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے "مجرمین کا پھانسی پانا فرماں رواؤں کے لیے اتنا ہی قابل تعریف ہے جتنی مریضوں کی موت معالجین کے لیے"۔ لیکن جس طرح ایک مریض کی موت دوسرے مریضوں کی صحت میں ذرہ برابر بھی معین نہیں ہوتی اس طرح ایک ایسے شخص کے پھانسی پانے سے جس کو سزا کا خوف قتل سے باز نہ رکھ سکا ہو دوسروں کو بہر حال اس طرح کے اقدام سے باز رکھنے میں مدد دے سکتا ہے۔ چنانچہ ایک طوفان زدہ جماعت جب ایک ساحل سمندر پر بہ کر آپہنچی اور انھوں نے وہاں پھانسی لگی دیکھی تو وہ پکار اٹھے کہ "خدا کا شکر! ہم ایک متمدن ملک میں پہنچ گئے"۔ اس جماعت کی اس صدا پر اکثر مضحکہ کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں خاصی معقولیت پائی جاتی ہے۔

فوجداری سزائیں مختلف طریقوں سے جرائم کا انسداد کرسکتی ہے:-

(ا) اس کا عمل مرتکب جرم کے جسم پر ہو تاکہ عارضی طور پر یا مستقلاً وہ تکرار جرم پر قادر نہ رہے جیسے قید یا موت کے ذریعے سے۔

(ب) وہ مرتکب جرم کے دماغ پر اثر انداز ہو اور دہشت انگیزی کے ذریعے سے اس کی مجرمانہ عادتوں کو بدل دے بلکہ مزید براں اس کو جفاکشی اور فرض شناسی کی خوگر بنا کر بری عادتوں کا قطعی طور پر استیصال کردے اور اپنی قوتوں کے

صحیح مصرف کا خیال پیدا کرادے۔ انتظامات محبس میں گزشتہ ڈیڑھ صدی سے اصلاحات ہو رہے ہیں ان اصلاحات کی ابتدا ہاورڈ سے ہوئی اور ان کا رخ ان تعلیمی اثرات کو تقویت دینے کی طرف ہے جو دوران حبس میں دی جا سکتی ہے۔ درحقیقت بعض محققین جرائم خصوصیت سے محققین امریکہ کسی شخص کے سزایاب ہونے کا صحیح مقصد محض یہ تصور کرتے ہیں کہ اس شخص کے اخلاق کی اصلاح عمل میں آئے (گو کہ یہ منشا بہت کم پورا ہوتا ہے)۔ یہ نظریہ انتہاپسندی پر مبنی ہے اور اس کی رو سے سلطنت کے اس سیدھے سادے اور صریحی حق سے کہ وہ اپنا تحفظ کرے انکار لازم آتا ہے۔

(ج) اگر کسی ایک طریقے سے سزا خود اس کے دماغ پر موثر ہوتی ہو تب بھی اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کے دماغوں کو متاثر کرے اور گو کہ وہ تعلیمی اثرات کے 34
ذریعے سے ان کی اصلاح نہیں کر سکتی لیکن کم از کم خوف[۱] سے

[۱] جب ایجوکیشن ایکٹ کی خلاف ورزی کی سزا ۵ شلنگ سے ۲۰ شلنگ کر دی گئی تو جرایم میں کمی ہو گئی۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ سزا کا خوف انسداد جرم کا موجب ہوتا ہے۔ سزا کا اثر زیادہ وضاحت کے ساتھ جانوروں اور خصوصیت سے مچھلی کی تربیت کے معاملے میں ظاہر ہوتا ہے۔ تربیت کے ذریعے سے پاک قسم کی مچھلی ٹینچ قسم کی مچھلی کے ساتھ بلا کسی ضرر کے تیر سکتی ہے یا ایک پسو اچکنے سے باز رہ سکتا ہے۔ مجلس وضع قوانین نے (کوکین یا تیار شدہ افیون کی تجارت کے بارے میں) ڈینجرس ڈرگس ایکٹ ۱۹۲۳ء منظور کر کے سزا کے اثر پر اپنے اعتماد کا ثبوت دیا ہے سابق ایکٹ کی رو سے جو چھ ماہ قید کی سزا تھی اس کو دس سال کی قید سخت میں تبدیل کر دیا ہے۔
لیکن اگر تہدید ہی سزا کا واحد مقصد ہوتی تو واضعان قانون بعض اوقات ایسی سخت سزائیں مقرر کر دیتے کہ رائے عامہ (جس کے پیش نظر محض اخلاقی انتقام ہوتا ہے) اس کو پسند نہ کرتی۔

ذریعے سے ان کو باز رکھ سکتی ہے اور گو کہ وہ نہ طریقہ (۱) سے ان کو روک سکتے ہیں نہ تعلیمی اثرات کے ذریعے سے۔ تاہم یہی طریقہ ہے جس کے ذریعے سے رقمی جرمانے انسداد جرایم میں مدد دیتے ہیں۔ لیکن سزا کے اس عظیم اور مسلمہ مقصد یعنی انسداد جرم کے علاوہ دو مقاصد اور بھی ہیں اور گو یہ ضرور ہے کہ ان نتایج کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہے لیکن پھر بھی واضعان قانون اس امر کی خواہش کر سکتے ہیں کہ سزا کے نتیجے کے طور پر یہ مقاصد بھی حاصل ہو جائیں۔

ان میں سے پہلا نتیجہ شخص ضرر رسیدہ کی تسکین ہے (اگرچہ عہد حاضرہ کے مصنفین کو اس امر کی طرف اشارہ ناگوار ہوتا ہے) قدیم زمانے کے قانون میں سزا کا لازمی ایک مقصد ہوتا تھا اور اکثر اوقات اس کو مخصوص اہمیت حاصل ہوتی تھی[1]۔ روما کے شہنشاہی دور میں بھی زنجیروں میں لٹکا کر پھانسی دینے کا یہ منشا ہوتا تھا کہ ضرر رسیدہ شخص کے اعزہ کو تسکین ہو (Ut sit Solatio Cognatis) اور کچھ ایسا زیادہ زمانہ نہیں گزرا انگلستان تک میں سنہ ۱۷۴۱ء میں "متوفی کے اعزہ کی درخواست پر" زنجیروں میں لٹکا کر پھانسی دینے کے لیے شاہی فرمان صادر ہوا تھا[2]۔ عصر جدید کے مروجہ معیار اخلاق کی رو سے عداوت کے ان جذبات کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا جاتا ہے لیکن
اس کے باوجود بعض حامی افادیت مشاہیر مفکرین نے مثل بنتھم[3] کے 35
(اور غالباً بشپ بٹلر جیسے مخالف نظریہ رکھنے والے مصنف کی تائید کے ساتھ) ان جذبات کو اتنا حقیر نہیں قرار دیا کہ ان کی

---

۱ کامن لا مصنفہ ہومس صفحہ ۳۴۔

۲ روئنس آف ٹائم Ruins of time مصنفہ پروفیسر ایمیس صفحہ ۳۲۔

۳ (Sermons at the Rolls chapel Princeples of Penal Code II. 16. (۹)

اور (Henry Sidgwick's Lectures on Ethics) صفحہ ۳۵۷۔

تسکین کے لیے قانون کے ذریعے سے باضابطہ بندوبست نہ کیا جائے۔ چنانچہ سرجیمس اسٹیفن جیسے جلیل القدر اور قریب العہد مقننن کا خیال ہے کہ ضابطہ فوجداری کو عداوت سے بجا طور پر وہی نسبت حاصل ہے جو شادی کو محبت سے ہے۔ ظاہر ہے کہ شادی سے بھی فطرت انسانی کی ایک ناگزیر خواہش کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ عامۃ الناس غیر محسوس طور پر اس نظریے کے مؤید ہیں چنانچہ ان کے نزدیک ان جرایم کی پاداش میں سزا دینا جن کے ارتکاب کے بعد کئی سال تک مقدمہ نہ چلایا گیا ہو قابل تامل ہو جاتا ہے۔ موجودہ زمانے میں سماج کے احساسات کی وہی حالت ہے جو ان قدما کی تھی جن کا مین (Maine) نے مرقع کھینچا ہے۔ ضرر رسیدہ شخص کے دل میں جس قدر ملال و عداوت ہو اسی سے سماج اپنے انتقام کا اندازہ قایم کرتی ہے۔

سزا کا ایک دوسرا ذیلی مقصد بھی ہے جو اتنا ناپسند تو نہیں کیا جاتا جتنا کہ سابقہ مقصد لیکن عہد حاضرہ کے مقننین اس کو بھی سابقہ مقصد کی طرح اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ سزا کے ذریعے سے عام طور پر سماج کے اخلاقی احساسات کو بلند کیا جائے چونکہ اس بات کا علم کہ مجرم کا سراغ مل گیا اور وہ کیفر کردار کو پہنچ گیا سماج کی بے غرض اخلاقی نفرت اور تلخی کے احساسات کے لیے طمانیت بخش ہوتا ہے اور اس طریقے سے اس کے ان احساسات کو تقویت ہوتی ہے۔ بقول ہیگل عام طور پر لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ

ل مصنف ایک ایسے طالب علم سے واقف ہے جس نے امتحان میں اس تمثیل کو نہایت استعجاب کے ساتھ پیش کیا تھا کہ "اسٹیفن کا خیال ہے کہ شادی کو محبت سے وہی نسبت ہے جو سزا کو جرم سے ہے۔"

ے (Ancient Law) باب دہم۔

"جرم سے حق کی خلاف ورزی ہوتی ہے لیکن سزا اس خلاف ورزی کو منقلب کر دیتی ہے"۔ عہد وسطیٰ کے قانون میں سزا کے اس اثر کو اہمیت حاصل تھی۔ لیکن اب ایک صدی سے زاید ہوتا ہے کہ مقننین میں اس کو نظر انداز کرنے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے لیکن ایک اوسط درجے کے آدمی کے نزدیک اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سر اڈورڈ فرائی[۱]، مسٹر جسٹس رائیٹ[۲] اور لارڈ جسٹس اینیڈی[۳] جیسے مشاہیر مقننین اس کا پورے طور پر اعتراف کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر سجوک لکھتے ہیں کہ 36
"ہم اس منزل سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں جس میں ضرر رسیدہ کے ضرر کا یہی تدارک تجویز کیا جاتا تھا کہ وہ مرتکب جرم سے انتقام لے لے۔ کسی زمانے میں مضرتوں کا بدلہ کرنا اتنا ہی معقول سمجھا جاتا تھا جتنا کہ احسانات کا بدلہ کرنا لیکن سقراط اور افلاطون نے اس کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا کہ خواہ کوئی شخص ہم کو کتنی ہی مضرت پہنچائے اس کے بدلے میں اس کو آزار پہنچانا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ تاہم اگر ہم شخصی ملال کی بابت اس نظریے کو قبول بھی کر لیں تب بھی جب ملال عمومی حیثیت اختیار کرے تو ہم کو بظاہر اس قدیم نظریہ یعنی فوجداری طریقۂ معدلت کو اختیار کرنا پڑے گا۔ چونکہ یہ اصول کہ سزا کا مقصد محض تہدید اور اصلاح ہونا چاہیے۔ اتنا زیادہ فلسفیانہ ہے کہ رائے عامہ اس کو قبول نہیں کر سکتی۔ رائے عامہ کا میلان ابھی تک اسی طرف ہے کہ جو شخص جرم کا مرتکب ہو اس کو اس کی پاداش میں

۱؎ (Studies by the way) صفحات ۳۰،۳۴-۱۷ (Nineteenth Century) ۱۹سنہ صفحہ ۸۴۸-

۲؎ (Draft Jamaica Criminal Code) صفحہ ۱۲۹-

۳؎ (Low Magazine) نومبر ۱۸۹۹ء

مصیبت جھیلنا چاہیے خواہ اس کے مصیبت جھیلنے سے اس کو یا دوسروں کو کوئی فایدہ نہ پہنچے۔ انصاف کا اقتضا یہی ہے، چاہے ضرر رسیدہ شخص کے لیے مناسب نہ ہو کہ وہ مرتکب جرم پر مصیبت عاید کرنے کا مطالبہ یا خواہش کرے"[۱] اس آخری جملے میں جو قید لگائی گئی ہے کہ ضرر رسیدہ کو سزا کا مطالبہ نہ کرنا چاہیے اس کا بھی رائے عامہ کے مطابق ہونا ہنوز محل نظر ہے[۲]۔

وہ لوگ جو قانون پیشہ نہیں ہیں ان کی اکثر و بیشتر وہی رائے ہے جو وکٹر کزن جیسے مفکر نے اپنے اس مختصر مقولے میں ظاہر کی ہے[۳] کہ "سزا اس لیے قرین عدل نہیں ہے کہ وہ جرم سے باز رکھتی ہے بلکہ وہ اس لیے جرم سے باز رکھتی ہے کہ اس کو قرین عدل سمجھا جاتا ہے"۔ ایسے لوگ لارڈ جسٹس فرائی کی اس رائے سے متفق ہیں کہ "سزا کا مقصد یہ ہے کہ گناہ اور پاداش میں توازن پیدا کیا جائے"۔

جب ہم عدالتوں کے مسلمہ عملدرآمد کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی نظریے کی تائید میں ہے اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سزا کا واحد مقصد انسداد جرم نہیں ہے چونکہ اگر حقیقۃً ایسا ہوتا تو (۱) ایک پختہ کار اور ناقابل اصلاح مجرم کو بجائے اس کے کہ دوسرے لوگوں کی نسبت سخت ترین سزا دی جائے 37

---

[۱] (Methods of Ethics) صفحہ ۲۸۰۔

[۲] سنہ ۱۹۰۳ء میں جب مسٹر ڈکسٹر ساکن نیویارک کا لڑکا مارا گیا تو باپ نے اعلان کیا کہ اگر ضرورت ہو تو وہ دس لاکھ ڈالر خرچ کرنے کے لیے تیار ہے تا کہ قاتل کو سپرد عدالت کیا جا سکے۔ کیا رائے عامہ اس غیر معمولی جوش کو بری نظر سے دیکھے گی۔

[۳] (Gorgias) مصنفۂ فلاطون کا دیباچہ اور (W. S. Lilly) متذکرہ صفحہ۔

بالکل صاف چھوٹ جانا چاہیے تھا[۱]۔ ایک ایسی جماعت جو قانون کی قطعاً پرواہ نہیں کرتی اس کے مقابل میں آئین وضوابط کو بیکار سمجھ کر ایک ظلم ترک کر دینا چاہیے تھا۔ علاوہ ازیں اگر انسداد جرم ہی سزا کا واحد مقصد ہوتا تو (۲) شدت ترغیب کو معمولاً ازدیاد سزا کا موجب سمجھنا چاہیے تھا[۲]۔ لیکن ججوں نے اس کو عموماً تخفیف سزا کا سبب قرار دیا ہے[۳] یعنی یہ کہ کوئی چور یہ صفائی پیش کرے کہ اس نے بھوک کی شدت کی وجہ سے چوری کی یا کوئی قاتل یہ ثابت کرے کہ اس پر ایک وار کیا گیا تھا اس پر جھلا کر اس نے ایک ضرب لگائی۔ اور (۳) اس کے برخلاف دوسری طرف یہ کہ چاہے کتنی ہی دھمکی کے ساتھ جبر کا استعمال کیا گیا ہو انگریزی قانون اس مجبور و مقہور شخص کی جانب سے اس جبر کی بنا پر کسی جرم کے سرزد ہونے پر نہایت پس و پیش اور تامل کے ساتھ استثنیٰ کا فایدہ دیتا ہے۔ اور موجودہ زمانے میں مذکورہ قانون کا "ضرورت" کی بنا پر قتل انسان کے جرم کا ارتکاب ہونے پر ایسے حالات میں بھی جب کہ ایک طوفاں زدہ بیڑا بھوکوں مر رہا ہو استثنیٰ کا فایدہ دینے سے انکار کرنا[۴] یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ انسداد سزا کا

۱؎ چنانچہ ایک قابل مصنف (ڈاکٹر جی - وی پور (Medical Jurisprudence) صفحہ ۳۲۴ ایڈیشن ۱۹۰۱ء) نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "مجرمین کے کم سن ہونے کی صورت میں قابل عبرت سزا دینا چاہیے ... لیکن جب ہم کو پختہ کار مجرم سے سابقہ ہو تو انتقام کا خیال جس قدر جلد ہم اپنے دماغ سے نکال دیں اتنا ہی بہتر ہے"۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ خیال بالکل الٹا معلوم ہوگا۔

۲؎ مثلاً ایسی اشیا کی چوری جو ضرورتاً کھلی رکھی رہتی ہیں باب ۱۳ پارہ یازدہم

۳؎ ملاحظہ ہو پروفیسر میٹ لینڈ (Mind) صفحہ ۲۵۹۔

۴؎ (Reg V. Dudley and Stephens (1884) 14 Q. B. to 273)

واحد مقصد نہیں ہو سکتا چونکہ ان مواقع پر ایسے حالات میں سزا دی گئی ہے کہ اس کا خوف ارتکاب جرم سے باز رکھنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فوجداری قانون کے علاوہ دوسرے قانون میں بھی اخلاقی انتقام کا جذبہ کار فرما ہے۔ چنانچہ اگر کسی قرضے یا مداخلت بیجا کے دعوے میں کوئی جج اپنی زحمت کو بچانے کے لیے قصہ مختصر کرنا چاہے اور مدعی کو اپنی جیب سے ہرجہ دینے کے لیے آمادہ ہو تو ایک اوسط درجے کے مدعی کو تسکین نہ ہوگی۔ اس اخلاقی انتقام کے نظریے نے فوجداری قانون پر سابق میں جو اثرات ڈالے ہیں ان کے بین ثبوت اس بات سے ملتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عدالتیں محض لغو مناسبت کی بنا پر اس نا معقول حد تک پہنچ گئیں کہ انھوں نے غیر مکلف آلہ ہائے کار کو ان کے "جرایم" کی پاداش میں سزا کا مستوجب قرار دے دیا۔ عہد وسطیٰ میں اس طرح کی مثالیں
پائی جاتی ہیں کہ بعض اوقات جانوروں کو قتل انسان کی سزا 38
دی گئی ہے[1] اور قدیم زمانے میں یونان میں ان بیجان اشیا پر جو کسی کی موت کا سبب ہوئے ہیں کفارہ عاید کیا گیا ہے چنانچہ بقول پاسانیاز (Pausanias) پرٹینیز (Prytanes) نے سزا کے طور پر بیجان اشیا کو اس بنا پر برباد کرنے کا حکم دیا کہ ان کی وجہ سے اتفاقاً ایک شخص ہلاک ہو گیا تھا۔[2] یہی وہ جذبہ ہے جو انگلستان کے

[1] ملاحظہ کیجیے M. G. P. Evans کا رسالہ (The Criminal Prose caution of Animals)
سنہ ۱۵۹۵ء میں لیڈن کی عدالت بلدہ نے ایک ایسے کتے کے لیے جس نے ایک شخص کو ہلاک کر دیا تھا موت کی سزا کا حکم صادر کیا اور لکھا کہ اس کو پھانسی دی جائے اور پھانسی پر لٹکا رکھا جائے تاکہ دوسرے کتوں کے لیے باعث عبرت ہو اور اس کتے کا مملوکہ اگر کچھ سامان ہو تو وہ ضبط کر لیا جائے (South African Law Journal) اشاعت سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۳۳۔

[2] (Itinerary, BK. I, C. 28. S. 11)

اس قانون میں جو قتل انسان سے متعلق ہے ان اشیا کی ضبطی (Deodand) کی شکل میں دوبارہ ظاہر ہوا[1] - اس کے خلاف چوں کہ شدت ترغیب بحیثیت تخفیف سزا کا باعث نہیں ہوتی اور بعض قسم کے جرائم میں (خصوصیت سے سیاسی اور فوجی جرائم میں) واضعان قانون شدت ترغیب کو اس امر کا موجب سمجھتے ہیں کہ زیادہ سخت سزا کے ذریعے سے ان کی تخویف کی جائے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محض اخلاقی انتقام کا اصول ان کے پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ وہ انسداد جرم کی ضرورت پر بھی نظر رکھتے ہیں - اس امر کا مزید ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ایسے مجرمین کو نسبتہً زیادہ سزا دی جاتی ہے جو محض غفلت یا محض نشہ کی وجہ سے کسی شخص کی ہلاکت کا باعث ہو جائیں (جیسے لاپرواہ انجن ڈرائیور یا کوئی بدمست ماں جو نیند اور نشہ کے عالم میں بچے کو کچل ڈالے) علاوہ ازیں بعض ایسی صورتیں ہیں کہ خالص اخلاقیات سے روگردانی پر اس کے بالکل خلاف نتیجہ ظاہر ہوتا ہے - چنانچہ انگریزی قانون میں کسی جرم کا محض ارادہ کرنے پر کبھی سزا نہیں دی جاتی حتی ایں کہ اس کے اقدام پر بھی خفیف سزا دی جاتی ہے حالاں کہ جرم کا ارادہ یا اقدام کرنے سے بھی ایک شخص اخلاقاً اتنے ہی بڑے جرم کا مرتکب ہوتا ہے جتنا کہ اس مجرمانہ اسکیم کے اتفاقاً برہم نہ ہو جانے کی حالت میں ہوتا[2]۔

[1] ملاحظہ ہو باب ۸ کتاب ہذا۔

[2] چنانچہ فرانسیسی قانون کی رو سے کسی سنگین جرم کے اقدام پر جس کا ارتکاب محض ایسے حالات کی وجہ سے نہ ہو سکا ہو جو اقدام کنندہ کے قصد و ارادہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں وہی سزا دی جاتی ہے جو جرم کا ارتکاب ہو جانے کی صورت میں دی جاتی۔

بہرحال فوجداری سزا کے متعلق جو نظریات ہمارے ججوں یا
واضعان قانون میں رائج ہیں انھوں نے ہنوز کسی اصول کی شکل 39
نہیں اختیار کی ہے اور نہ وہ کسی استوار بنیاد پر قایم ہیں اور
ایک حد تک یہی سبب ہے کہ خود تعین سزا کے عملی طریقے
(جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے) ابھی تک ایسی منزل
پر ہیں کہ ان کو محض آزمائشی کہا جا سکتا ہے۔

---

[۱] طالب علم کو چاہیے کہ (Salmond) کے اصول قانون کے آٹھویں ایڈیشن کے صفحات
۲۸-۱۳۱ میں مقصد سزا کے بحث کا مطالعہ کرے۔ اور اس سے وہ
جان اسٹورٹ مل (On Hamelton) صفحہ ۵۸۱ ڈاکٹر ریشڈل (Theory of Gord
and Evn) صفحات ۲۸۴-۳۱۲ اور W. S. L lly) (Iilola Fori 233-240)
کے خیالات کا مقابلہ کرے جن کا خیال ہے کہ انتقام ہی سزا کا اولین
اور اہم ترین مقصد ہے۔ ڈاکٹر راسکو پاؤنڈ گو اس خیال سے مختلف ہیں
لیکن اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ اینگلو امریکن مقننین کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ
عامۃ الناس کی خواہش انتقام کی تسکین فوجداری سزا کا صحیح اور عملاً ضروری مقصد ہے۔
Criminal Justice in Cleveland, P. 575, 1922)

باب ۳

جرم میں دماغی عنصر[1]

40

جرم کی حد تک پہنچنے اور مرتکب جرم کو کسی سزا کا مستوجب قرار دینے کے لیے یعنی قانونی فوجداری "گناہ" کی شکل اختیار کرنے کیلئے دماغی و نیز جسمانی عنصر کا وجود ضروری[2] ہے۔ چنانچہ ایک کلیہ ہے اور تقریباً آٹھ سو سال سے انگریز مقننین کے علم میں ہے کہ محض فعل سے جرم نہیں ہوتا بلکہ نیت بھی

[1] اس باب کی نظر ثانی میں اڈیٹر نے تین جدید مقالوں سے آزادی کے ساتھ استفادہ کیا ہے: "کامن لا کے جرایم میں دماغی عنصر" مولفہ جے۔ ڈبلو۔ سی ٹرنر (Crimbridge Low Journal vi, No. 1.) قانون موضوعہ کے قرار دادہ جرایم میں امتناع مطلق" مولفہ آر۔ ایم جیکسن Cambridge Law Journal, VI, No, 1. و "نیت مجرمانہ پر تاریکی کا پردہ" مولفۂ ڈبلو۔ ٹی۔ ایس اسٹیلی براس۔

[2] ملاحظہ کیجئے "نیت مجرمانہ" (Stroud's Mens Rea) "اصول قانون" مصنفۂ سامنڈ لکچر ۸ ا ۲۶۔

درکار ہے۔[51] (الاعمال بالنیات) ملزم کا جسمانی عمل خواہ فعل پر مشتمل ہو یا، در صورتے کہ قانوناً اس کا یہ فرض ہو کہ کوئی فعل انجام دے، ترکِ فعل پر مشتمل ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ملزم کا عمل لازمی طور پر کسی ایسے مجرمانہ فعل کا موجب ہو جس کو قانون روکنا چاہتا ہو۔

اخلاقیات کے اعتبار سے ذہن کی مجرمانہ کیفیت بجائے خود گناہ میں شمار ہوگی[52] چنانچہ گیرک کے کہنے پر کہ جب بھی میں نے رچرڈ ثالث کی حیثیت سے اداکاری کی، مجھے محسوس ہوتا تھا کہ میں واقعتاً قاتل ہوں، ڈاکٹر جانسن نے جواب دیا کہ تب تو جب بھی وہ اس ڈرامے میں اداکاری کرے اس کو پھانسی دینا چاہیے۔ بہر حال قانون کے کلیوں میں اس قدر خردہ گیری اور سختی نہیں ہے۔ یہ کلیے خواہ دیوانی قانون سے متعلق ہوں یا فوجداری قانون سے تاوقتیکہ خارج میں کوئی عمل ظاہر نہ ہو ان کی رو سے محض اندرونی احساسات کی بنا پر تعزیری احکام نہیں دیے جاتے۔ لہٰذا محض
دماغی کیفیت یا بقول شیکسپیر "جابر فعل کا فاسد منشا"[53] عملاً کبھی 41
جرم میں شمار نہیں ہوتا اگر کوئی شخص اپنے کلب کی کھونٹی پر سے ایک چھتری اٹھائے اور اس کا منشا اس کے چرانے کا ہو لیکن بعد میں معلوم ہو کہ وہ چھتری خود اسی کی ہے تو ایسی حالت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (Analysis of Criminal Liability) مصنفہ کلارک (Stephen's General View of the Criminal Law) دوسرا ایڈیشن باہتمام (Stephen's Histoty of Criminal law) صفحات ۴۳۶ تا ۱۲۳۔

۵۱ ملاحظہ کیجیے 'تاریخ قانون انگلستان' مصنفہ پروفیسر میٹ لینڈ صفحہ ۴۷۵۔

۵۲ ملاحظہ کیجیے صفحہ (۱۴۷؟) اصل کتاب۔

۵۳ پاسداری مرتبہ ۱۸۳۳ء۔

وہ کسی جرم کا مرتکب نہیں ہوتا۔[1] پہلی نظر میں حقیقۃً اس اصول کا ایک اہم استثنیٰ بغاوت کی اس شکل میں معلوم ہوتا ہے جس کو بادشاہ کو ہلاک کرنے کی تدابیر کرنا،[2] کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ استثنیٰ بالکل ظاہری ہے چونکہ بغاوت کے قانون میں سزایابی کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس معہود ذہنی امر کی تکمیل کے لیے کوئی آشکارا فعل بھی کیا گیا ہو۔ دوسری ظاہری استثنیٰ کی شکل سازش کی ہے۔[3] اس میں شک نہیں کہ سازش بجائے خود ایک خالص دماغی کیفیت کا نام ہے یعنی دو آدمیوں کا محض ہمخیال ہو جانا اور یہ کہ اس میں سزایابی کے لیے برخلاف بغاوت کے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس باہمی رضامندی کو بروئے کار لانے کے لیے کوئی فعل کیا گیا ہو۔ لیکن دو آدمیوں کا باہم رضامند ہونا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ وہ ان مشترکہ ارادوں کو گفتگو یا اشاروں کے ذریعے سے ایک دوسرے تک نہ پہنچائیں لہذا اس طرح سازش میں بھی ظاہری فعل ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ بغاوت کے الزامات میں آشکارا فعل کے ثبوت کے لیے اکثر بیشتر سازشوں ہی کو پیش کیا جاتا ہے۔

اگر ہم فوجداری شعبے سے قطع نظر کر کے غیر فوجداری شعبہ جات قانون کی طرف اپنی توجہ کو منعطف کریں تو ان میں

---

۱ لیکن ہارورڈ لا ریویو میں صفحہ ۸۲۱ پر (Francis Bowes Sayre) مقالہ "فوجداری اقدامات" ملاحظہ کیجیے جے ڈبلو۔ سی ٹرنر نے کیمبرج لا جرنل نمبر ۲ صفحہ ۲۳۸ پر اس تمثیل پر تبصرہ کیا ہے۔

۲ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۰۷ مابعد (اصل کتاب؟) و ڈائجسٹ آف کریمنل لا مرتبہ اسٹیفن ساتواں ایڈیشن۔ آرٹیکل ۷۰ و ۷۱۔

۳ باب ۱۸ مابعد و ڈائجسٹ آف کریمنل لا مرتبہ اسٹیفن ساتواں ایڈیشن آرٹیکل ۶۶۔

اخلاقیات سے اور بھی زیادہ بین اختلاف نظر آئے گا چوں کہ ان میں محض ایسے خارجی عمل کی بنا پر تحفظات عاید کر دیے جاتے ہیں جو کسی قابل اعتراض دماغی کیفیت کا نتیجہ نہیں ہوتا چنانچہ:

(۱) نقض معاہدہ کے معاملات میں تاوقتیکہ معاہدے
کے الفاظ ہی سے یہ ظاہر نہ ہوتا ہو کہ معاہدہ اسی وقت شکست
ہو سکتا ہے جب کوئی فعل بالارادہ کیا جائے نقض عہد کرنے والے
کی دماغی یا اخلاقی حالت کو اس کی ذمہ داری یا عدم ذمہ داری میں
کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دستاویز افتراق میں بیوی کی
جانب سے یہ عہد تھا کہ وہ اپنے شوہر کو دق نہ کرے گی اس سے 42
یہ مراد لی گئی کہ عہد اس وقت تک نہ ٹوٹے گا جب تک کہ وہ اپنے
شوہر کو عمداً نہ ستائے اور اسی طرح اگر نقض عہد کرنے والا ذمہ دار
قرار دیا جائے تو یہ واقعہ کہ اس کا یہ عمل بالعمد ہے یا اس نے بدنیتی
اور شرارت سے ایسا کیا ہے اس ہرجے کی مقدار میں جو
اس سے وصول کی جانی والی ہے کسی اضافے کا موجب نہ ہوگا (بجز
شادی کے معاہدے کے نقض کی صورت کے)۔

(۲) اور ٹارٹ کے معاملات میں اکثر و بیشتر مرتکب فعل کی دماغی کیفیت سے قطع نظر کی جاتی ہے لیکن جس طرح قانون معاہدہ میں تقریباً ہر حالت میں ایسا ہوتا ہے ٹارٹ میں ایسا نہیں ہوتا[1]۔ کیونکہ ٹارٹ کے بعض اقسام (مثلاً کینے سے فوجداری مقدمہ چلانا) ایسے ہیں جن میں یہ جزو ذمہ دار قرار پانے کے لیے ضروری ہے

---

[1] چنانچہ طلاق کی کارروائیوں میں ایک زوجہ جس کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہو زانیہ نہیں سمجھی جائے گی (لانگ بنام لانگ) (۱۸۹۰) ۱۵ پی۔ڈی ۲۱۸ "معصومانہ زنا کی کوئی صورت نہیں ہے"۔

اور گو (سب میں نہیں تو) ٹارٹ کی بقیہ تمام اقسام میں سے اکثر اقسام[1] میں یعنی جن میں بغیر اس کے بھی ذمہ داری عاید ہوتی ہے ہرجے کی مقدار معین کرتے وقت اس کا لحاظ کیا جا سکے گا۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جرم کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں دماغی و نیز جسمانی عنصر موجود ہو۔ اس دماغی عنصر کی نوعیت مختلف جرایم میں مختلف ہوتی ہے۔ لیکن مرتکب کے اس فعل کا ارادی ہونا ہر حالت میں ضروری ہے۔ ایسے حالات ہونا چاہییں کہ جو فعل وہ کرے اس کے کرنے پر اس کو قابو حاصل ہو۔ ایسے اشخاص جو نیند کی حالت میں ہوں[2] یا جن پر جسمانی جبر کیا گیا ہو یا ناجایز دباؤ ڈالا گیا ہو یا جن سے وہ فعل سوئے اتفاق کی بنا پر سرزد ہوا ہو ان میں اختیار کی یہ قابلیت مفقود ہوتی ہے۔ اور جب کسی شخص میں یہ قابلیت موجود نہ ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ فوجداری سزا سے وہ بری قرار دیا جائے گا۔

کامن لا میں جو افعال جرم شمار ہوتے تھے ان میں اور بہت سے قانون موضوعہ کے قایم کردہ جرایم میں[3] بجز دو صورتوں[4] کے ہمیشہ ایک اور دماغی عنصر کا موجود ہونا بھی ضروری سمجھا گیا ہے اور وہ صحیح معنی میں نیت مجرمانہ کا وجود ہے یعنی یہ کہ ملزم کو اس بات کا احساس ہو کہ اس امر کا احتمال ہے کہ

---

[1] ہالسبری قوانین انگلستان (ہیل شم ایڈیشن) صفحہ ۸۸۔
[2] اگر کوئی شخص جو نیند کی حالت میں چل رہا ہو کوئی فعل کرے تو وہ ہرگز اس کا فعل نہ ہوگا۔ لارڈ چیف جسٹس ہیوارٹ ۲۵ مئی سنہ ۱۹۲۲ء۔
[3] ملاحظہ کیجیے صفحہ ۴۶ مابعد (اصل کتاب؟)۔
[4] ملاحظہ کیجیے صفحہ ۵۰ مابعد (اصل کتاب؟)۔

اس کے عمل سے فلاں نتائج پیدا ہوں گے خواہ وہ عمل فعل پر مشتمل ہو یا فعل کا انجام
دینا فرض ہونے کی صورت میں ترک فعل پر مشتمل ہو[1]۔ اتنا کافی ہے کہ اس کا یہ ارادہ ہو کہ
وہ نتائج پیدا ہوں یا یہ کہ وہ ان کے رونما ہونے کے متعلق لاپرواہی یا
بے اعتنائی برتتے نیت مجرمانہ کا جہاں تک تعلق ہے کامن لا کے جرائم میں 43
غالباً محض بیخبری (بجز امر باعث تکلیف عام میں) کبھی کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ یہ
ضروری ہے کہ مرتکب کی جانب سے یا تو ان نتائج کے پیدا کرنے کی خواہش ہو
یا وہ ان کے رونما ہونے کے متعلق لاپرواہی برتتے۔ گو محض بیخبری کا ہونا
کافی نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس امر کے قرار دینے کے لیے کہ ملزم ان نتائج
سے باخبر تھا یا نہیں جوری کو چاہیے کہ خود سے یہ سوال کرے کہ آیا ان حالات میں
ایک سمجھدار آدمی ان نتائج سے لازمی طور پر باخبر نہ ہوگا۔ جب کسی مقدمے میں
کسی مجرم کے متعلق یہ قرار دینا ہوتا ہے کہ وہ فاش یا مجرمانہ غفلت کا
مرتکب ہوا یا نہیں[2] تو جوریوں سے واقعی طور پر یہی سوال کیا جاتا ہے۔

یہ سوال کہ ایک شخص کو کس حد تک نتائج کی پیش بینی کرنا چاہیے قانون کے
ذریعے سے حل کیا گیا ہے اور ان حدود کا تعین کر دیا گیا ہے لیکن مختلف جرائم میں یہ حدود
مختلف قرار دیے گئے ہیں بعض جرائم میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ارادہ معین طور پر موجود
ہونا چاہیے مثلاً یہ کہ ضرر شدید پہنچانے کے ارادے سے زخمی کرنا[3]۔
بعض اوقات ایسی صورتوں میں ذمہ داری عاید ہو جائے گی کہ ملزم نے
اپنے عمل سے ان نتائج کے پیدا ہونے کی تو امید نہ کی ہو جو بطور واقعہ
رونما ہوئے لیکن اس کو اس قسم کے دوسرے نتائج کے پیدا
ہونے کی امید ہو[4]۔ نتیجہ اگر خلاف امید پیدا ہو تو بعض صورتوں میں

---

[1] جے ڈبلو۔ سی۔ ٹرنر۔ کیمبرج لا جرنل نمبر ۱ صفحہ ۳۴۔

[2] جے ڈبلو۔ سی ٹرنر۔ کیمبرج لا جرنل نمبر ۱ صفحہ ۳۹۔

[3] ملاحظہ کیجیے صفحہ ۱۶۷ مابعد (اصل کتاب؟)۔

[4] ملاحظہ ہو صفحات ۱۵۹ و ۱۷۰ مابعد (اصل کتاب؟)۔

فوجداری ذمہ داری کم ہو جائے گی جیسے مثلاً کوئی شخص اپنے دشمن پر وار کرے لیکن بجائے اس دشمن کے کوئی جانور زد میں آجائے اور بعض اوقات اس ذمہ داری میں اضافہ ہو جائے گا مثلاً یہ کہ محض ضرر پہنچانے کے لیے وار کیا جائے اور اس سے موت واقع ہو جائے گے[1]

فوجداری ذمہ داری کے عاید ہونے کے لیے جس ذہنی عنصر کے موجود ہونے کی ضرورت ہے اس کا ثابت ہونا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا بظاہر معلوم ہوتا ہے چونکہ گو اس امر کا بار ثبوت مستغیث[2] پر ہے لیکن اکثر حالات میں وہ مجرمانہ فعل فی نفسہ قانون کی نظر میں نیت مجرمانہ کے وجود کا بادی النظر ی ثبوت ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہر صحیح العقل بالغ شخص کے متعلق یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ اس کے عمل کے قدرتی نتایج پیدا ہوں[3]

کہا جاتا ہے کہ کامن لا نے صرف دو مواقع[4] پر اس کلیے سے انحراف کیا ہے کہ فوجداری ذمہ داری کے عاید ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ صحیح معنی میں نیت مجرمانہ کا وجود ہو یعنی یہ کہ مرتکب فعل نے اپنے اس عمل سے ان نتایج کے پیدا ہونے کی امید کی ہو۔ لیکن قانون موضوعہ نے جن افعال کو جرم قرار دیا ہے ان میں اکثر اوقات اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ اس سے زیادہ کوئی بات ثابت کی جائے کہ ملزم نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا ہے جو

---

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۰ مابعد (اصل کتاب ؟)۔

[2] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۰ مابعد (اصل کتاب ؟)

[3] ملاحظہ ہو صفحات ۱۴۰ و ۳۹۱ مابعد (اصل کتاب ؟): مقدمہ سرکار بنام شیپرڈ (۱۸۱۰)۔

[4] ملاحظہ ہو صفحہ ۴۶ مابعد۔ ؟

فلاں قانون کے تحت ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ قانون موضوعہ میں ایسے جرایم کا جن میں نیت مجرمانہ کا وجود ضروری نہیں ہے تعداد اور اہمیت دونوں کے اعتبار سے برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ مجلس وضع قوانین کا میلان اس طرف ہے کہ فہرست جرایم میں ایسے جرایم کا اضافہ کرے جن میں (۱) سزا تو زیادہ نہ ہو لیکن (۲) عامۃ الناس کو اس جرم کے ارتکاب سے جو نقصان پہنچتا ہو وہ سزا کے مقابل میں بہت زیادہ ہو نیز یہ کہ (۳) جرم ایسا ہو کہ اگر اس حد کی خطا کے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی تو معمولی طور پر مجرمانہ نیت کے ثبوت کے لیے کافی شہادت کے بہم پہنچنے میں ایک خاص نوعیت کی دشواری پیش آتی لیکن یہ ظاہر ہے کہ مجرمانہ نیت کی عدم موجودگی کی وجہ سے سزا کی مقدار میں ہمیشہ کمی ہو سکے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سزا بعض اوقات بالکل برائے نام ہی ہو۔

اس قسم کی فوجداری ذمہ داری کی مثالیں یہ ہیں:

(الف) کوئی ایسا دیوالیہ جو اپنے دیون کی ادائی سے سبکدوش نہ ہو چکا ہو۔ ایک پونڈ یا اس سے زاید کا قرضہ حاصل کرلے اور یہ ظاہر نہ کرے کہ وہ غیر رہا شدہ دیوالیہ ہے۔ خواہ اس نے اپنے کارندے کو ہدایت کردی ہو کہ وہ اس واقعے کو ظاہر کردے اور معقول وجوہ کی بنا پر اس کو یقین ہو کہ کارندے نے اس امر کا اظہار کردیا ہے۔[۱]

(ب) دو یا دو سے زاید دیوانوں کو بغیر لائسنس اپنے پاس رکھنا خواہ ان لوگوں کے دیوانے ہونے کا علم نہ ہو۔[۲]

---

[۱] سرکار بنام ڈیوک آف لینسٹر (۱۹۲۴) الکنگ بنچ ۳۱۱۔

[۲] سرکار بنام لشنب (۱۸۷۹) ۵ کوین بنچ ڈویژن ۲۵۹۔

(ج) فروخت کرنے کی غرض سے خراب گوشت اپنے قبضے میں رکھنا خواہ اس کے خراب ہونے کا علم نہ ہو[1]

(د) کھانے پینے کی کوئی ملونی کی چیز فروخت کرنا خواہ اس کے ایسا ہونے کا علم نہ ہو[2] 45

(ھ) کسی مخمور شخص کے ہاتھ شراب فروخت کرنا خواہ اس کے مخمور ہونے کا علم نہ ہوا ہو[3]

یہ ظاہر ہے کہ اس مجرمانہ فعل کا ارتکاب بالارادہ ہونا چاہیے[4] مثلاً یہ کہ اگر کوئی قصاب نیند کے عالم میں خراب گوشت کھول کر رکھ دے تو اس کے متعلق یہ تصور نہ کیا جائے گا وہ گوشت کھول کر رکھنے کے عمل کا مرتکب ہوا۔[5] یہ محقق ہونا چاہیے کہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہ فروخت کے لیے گوشت کھول کر رکھ رہا ہے البتہ یہ سوال غیر متعلق ہے کہ آیا وہ یہ جانتا تھا یا جان سکتا تھا کہ گوشت خراب ہے۔[6] ضرورت نیت یا علم کی ہے[7] اس کا مجرمانہ ہونا ضروری نہیں ہے۔

[1] ہابس بنام کارپوریشن آف ونچسٹر (۱۹۱۰) ۲ کنگس بنچ ۴۷۱۔

[2] بٹس بنام آرم اسٹڈ (۱۸۸۸) ۲۰ کوئنس بنچ ڈویژن ۷۷۱۔ کولڈر بنام رک (۱۹۰۱) ۲ کنگس بنچ ۹۰۔ لیرڈ بنام ڈوبل (۱۹۰۶) کنگس بنچ ۱۳۱ بہت زبردست ہے اس سے مقابلہ کیجئے۔ ڈربی شائر بنام ہولنسٹن (۱۸۹۷) اکوئنس بنچ ۷۷۲۔

[3] کنڈی بنام لیکاک (۱۸۸۴) ۳ اکوئنس بنچ ڈویژن ۲۰۷۔

[4] ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲ ماقبل (اصل کتاب؟)۔

[5] آر۔ ایم جیکسن کیمبرج لا جرنل نمبر ا صفحہ ۹۱۔

[6] ملازم کا علم مالک کا علم سمجھا جا سکتا ہے (آئندہ)۔

[7] یہ ہو سکتا ہے کہ ملزم نے کسی ایسے فعل کے ارتکاب کا ارادہ کیا ہو جس کو وہ جانتا تھا کہ ممنوع ہے یا یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے کسی مختلف فعل کا ارادہ کیا ہو

قانون موضوعہ کے قایم کردہ جدید جرایم کی صورتوں میں بھی بعض اوقات[1] ایک آقا اپنے ملازم کے ایسے فعل ناجایز کی بابت ذمہ دار قرار دیا گیا ہے جو اس نے آقا کی بلا اطلاع بلکہ اس کے صریحی احکام کے بالکل برخلاف انجام دیا ہو۔ اور یہ ذمہ داری ایسی صورتوں میں بھی عاید کی گئی ہے جن میں جرم کے وجود میں آنے کے لیے ایک خاص نوعیت کی نیت کا وجود ضروری ہوئے[2] کامن لا کی جملہ معمولی خلاف ورزیوں میں ملازم کے افعال سے آقا کا قانونا کوئی ایسا تعلق نہیں ہے جس کی بنا پر ان افعال کی بابت اس پر کوئی فوجداری ذمہ داری عاید ہو (ٹارٹ یا معاہدے کی دیوانی نوعیت کے معاملے میں اس کی کچھ بھی ذمہ داری ہو) تاوقتیکہ اس نے خود واقعی طور پر ان افعال کے کرنے کی بابت اختیار نہ دیا ہو[3] یا ان کے ارتکاب میں مدد یا اعانت نہ کی ہو[4]۔ فوجداری ذمہ داری عاید کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ اختیار یا تو صراحتہً دیا گیا ہو یا ایک عام اختیار اس قدر وسیع

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ لیکن بلا ارادہ ایسا فعل کر بیٹھا ہو جو اسٹیٹوٹ کے ذریعے سے ممنوع ہے۔ انتہائی صورت میں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اسٹیٹوٹ اس طرح مرتب کیا گیا ہو کہ ایک شخص پر ایک ایسے فعل کی بنا پر ذمہ داری عاید ہو جو اس سے بلا ارادہ سرزد ہوا ہو سرکار بنام لارنسر (۱۹۳۳) ۹۷ جسٹس آف دی پیس ۲۰۶ ملاحظہ ہو آر۔ ایم جیکسن صفحہ ۹۲۔

[1] ڈبلو۔ ٹی۔ ایس اسٹیلی براس ۵۲ (L. Q. R.) - صفحہ ۴۴۔

[2] ماؤسل برادرس محدود بنام ال۔ این۔ ڈبلو ریلوے کمپنی ۱۹۱۷۔ ۲ کنگس بنچ ۸۳۶۔

[3] دیکھیے ہارورڈ لا ریویو صفحہ ۶۸۹۔

[4] ملاحظہ ہو صفحہ ۹۸ مابعد (اصل کتاب؟) مالک کے موجود ہونے اور فہمایش نہ کرنے کے یہ معنیٰ لیے جا سکتے ہیں کہ اس نے مدد اور اعانت کی اور چشم پوشی سے

شرائط کے ساتھ دیا گیا ہو کہ اس کا یہ منشا سمجھا جائے کہ اس فعل کو جرم کی حد تک پہنچ جانے کے باوجود بھی انجام دینے کی اجازت دی گئی ہے۔[ا] چنانچہ اگر کوئی ملاح ایسی لاپروائی کے ساتھ اپنی کشتی کو چلائے کہ اس سے ایک ڈونگی ڈوب جائے اور ایک کھیویا غرق ہو جائے یا کسی دواساز کی دکان کا ملازم کسی ایسی دوا میں جو وہ تیار کر کے دے بے خیالی میں زہر شامل کر دے تو اس کی اس غفلت کی وجہ سے اس کے مالک پر دیوانی ذمہ داری عاید ہو گی نہ کہ فوجداری ذمہ داری۔ 46

یہ ایک ایسا بنیادی کلیہ ہے کہ بظاہر صرف دو مثالیں ایسی ملتی ہیں جن میں کامن لا میں اس کے خلاف عمل دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی اخبار میں اخبار کا انصرام کرنے والے ملازمین کسی شخص کے متعلق مزیل حیثیت عرفی مضمون شایع کرتے تھے تو گو اخبار کے مالک نے اس کی اشاعت کی اجازت نہ دی ہو تب بھی اس پر فوجداری نیز دیوانی ذمہ داری عاید ہوتی تھی،[۵] لیکن اب بھی لائبل ایکٹ ۱۸۴۳ء کے تحت اس ذمہ داری سے محفوظ رہنے کے لیے اگر مالک یہ ثابت کر دے کہ مزیل حیثیت عرفی مضمون بلا اس کی اجازت کے شایع کیا گیا ہے اور اس میں اس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ بعض اوقات یہ مراد لی جا سکتی ہے کہ اس نے اس کام کے کرنے کی اجازت دے دی۔ مورلینڈ بنام اسٹیٹ (۱۹۲۷) ۱۳۹ ایس-ای ۷۷۔ گاف بنام ریز (۱۹۲۹) ۴۶ (T. L. R.) صفحہ ۱۰۳ نیومن بنام اورنگٹن (۱۹۲۹) ۹۳ (J. P.) ۴۶۔

[ا] سرکار بنام ہگنس (۱۷۳۰) ہارڈ کاسل بنام بیلبی (۱۸۹۲) اکوئنس بنچ ۷۰۹۔ نیومن بنام جونس (۱۸۸۶) ۷ اکوئنس بنچ ڈویژن ۱۳۲۔

[۵] سرکار بنام والٹر (۱۷۹۹) (3. Esp. 21)۔

بے پروائی کو دخل نہ تھا تو وہ ذمہ دار نہ قرار دیا جائے گا۔ دوسری ایک غیر مربوط شکل امر باعث تکلیف عام کی ہے۔ اس میں محض ضابطے کی حد تک فوجداری کارروائی کی جاتی ہے[1] لیکن حقیقت اور اثر کے لحاظ سے اس کی نوعیت بالکل دیوانی کارروائی کی ہوتی ہے چونکہ عام طور پر اس کارروائی کا مقصد سزا دینا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعے سے محض اس عمل کو روکنا مقصود ہوتا ہے۔ امر باعث تکلیف عام ایسا عمل ہے جو عامۃ الناس کے لیے زحمت یا نقصان کا موجب ہوتا ہے اور اس کے ذریعے سے ان کی اس حق میں مداخلت ہوتی ہے جو ان کو بادشاہ کی رعایا ہونے کی حیثیت سے مساوی طور پر حاصل ہیں۔ امر باعث تکلیف خاص میں چونکہ چارہ کار دیوانی ہوتا ہے اس لیے عام دیوانی کلیے کے تحت مالک اپنے ملازم کے ان افعال کا جو اس نے دوران ملازمت میں کیے ہوں ذمہ دار ہوتا ہے خواہ وہ افعال مالک کی اطلاع کے بغیر اور اس کی عام ہدایات کے خلاف کیے گئے ہوں[2]۔ اس کے برخلاف امور باعث تکلیف عام میں عموماً دیوانی نالش[3] رجوع نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ صرف فوجداری کارروائی کی جا سکتی ہے اس لیے اگر ملازم کے فعل کے متعلق مالک کی ذمہ داری کو اس بارے میں بھی اس حد تک عام 47
نہ کو دیا جاتا جتنا کہ امر باعث تکلیف خاص میں ہے تو امر باعث تکلیف کی خفیف صورتوں سے کہیں زیادہ ان کے متعلق کافی اور

---

[1] سرکار بنام پرائس (۱۸۸۴) ۲ کوئنس بنچ ڈویژن ۲۴۷ و ۲۵۶ معافی کے متعلق اس کی مخصوص حیثیت دیکھیے صفحہ ۱۶ ماقبل (اصل کتاب؟)۔

[2] مثلاً یہ کہ میرا ڈرائیور میرا ٹھیلا سڑک پر کھڑا رکھ کر راستہ روک دے (15 Cox. 725)۔

[3] ملاحظہ ہو سامنڈ کا ٹارٹس نواں ایڈیشن صفحہ ۲۹۳۔

موثر دادرسی حاصل کرنے میں دشواری واقع ہوتی۔ لہذا اس کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی ہے[1]۔ اس اصول کے قرین انصاف ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ چونکہ مالک نے ملازم کو ایسے کام پر لگایا جو امر باعث تکلیف بن سکتا تھا اور اس طرح خود اسی کے عمل سے ایسی صورت حال پیدا ہو گئی کہ اس پر یہ ذمہ داری ہونا چاہیے کہ اس کے پیدا کردہ حالات کی وجہ سے واقعی طور پر کوئی مجرمانہ نتائج رونما نہ ہوں۔ لہذا بجائے اس کے کہ جس طرح معمولی خلاف ورزیوں کی صورت میں وہ اس وقت ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے جب کہ اس نے ملازم کو ارتکاب جرم کی اجازت دے دی ہو، امر باعث تکلیف کے معاملے میں اگر اس نے واقعتاً ممانعت بھی کر دی ہو تب بھی وہ ذمہ دار ہو گا۔ چونکہ اس بارے میں ذمہ داری کے ساتھ اس کو اپنے حکم ممانعت کی تعمیل بھی کرانا چاہیے تھی۔

کامن لا میں صرف ایک مثال ایسی ملتی ہے جس میں انتہائی ذمہ داری عاید کی گئی ہے لیکن مجلس وضع قوانین نے اس زمانے میں ایسی متعدد مثالوں کا اضافہ کر دیا ہے۔ چنانچہ مثلاً قانون لائسنس (Licensing Act 1810) کی رو سے اگر کسی سرائے یا ہوٹل وغیرہ کے ملازمین پولیس کے ایسے سپاہی کے لیے جو اپنے فرایض منصبی کی انجام دہی میں مصروف ہو[2] کھانے پینے کا سامان مہیا کریں یا یہ کہ ان حدود میں جن کے متعلق مالک نے

---

[1] سرکار بنام اسٹیفنس۔

[2] لیکن اگر ملازمین کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ فرض منصبی کی انجام دہی میں مصروف ہے تو ذمہ داری نہ ہو گی۔

لائسنس حاصل کیا ہو[۱] دانستہ طور پر کسی ممنوعہ کھیل کی یا قمار بازی کی اجازت دیں تو ان کے ان افعال کی بابت مالک ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ چونکہ بقول جسٹس گروو (Grove, J) اگر یہ اصول نہ ہوتا تو مالک اپنے بچاؤ کا ہمیشہ بندوبست رکھتے اور کبھی سزایاب نہ ہوتے۔ اسی طرح اگر ملازمین میٹراپولیٹن پولیس ایکٹ (Metropolitan Act 1839) کے برخلاف بازاری عورتوں کو ہوٹل یا سرائے میں اتاریں خواہ ان کا یہ عمل مالکوں کی صریحی ہدایات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تب بھی ایسی صورتیں پیش آئی ہیں کہ مالک کو اس کے اس عمل پر سزا دی گئی ہے کہ اس نے دیدہ و دانستہ بازاری عورتوں کو اپنے حدود میں ملنے کی اجازت دی[۲]۔ 48
اس کے علاوہ یہاں تک ہوا ہے کہ ایک شخص کو دوسرے شخص کے اس فعل کی بابت کہ اس نے کسی شے میں ملونی کر دی تھی ذمہ دار قرار دیا گیا حالانکہ ملونی کرنے والا ایک اجنبی شخص تھا اور اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا کہ اس کے افعال سے اپنا تحفظ کر سکتا[۳]۔ اس قانون میں جہاں مجرمانہ علم کا وجود

---

[۱] ہوگیٹ بنام ہینس (۱۸۷۶) اکوئنس بنچ ڈویژن صفحہ ۸۹ اور بانڈ بنام ایوانس (۱۸۹۰) ۲۱ کوئنس بنچ ڈویژن ۲۴۹۔ قمار بازی سے ایسی بازی مراد ہے جو رقم یا ایسی چیز کی لگائی جائے جو رقمی قیمت رکھتی ہو، خواہ جائز ہی ہو۔

[۲] ایلن بنام وہائٹ ہڈ (۱۹۳۰) اکنگس بنچ ۲۱۱ گریفیتس بنام اسٹوڈ بیکر محدود (۱۹۲۴) اکنگس بنچ ۱۰۲ (جبکہ ملازم نے مالک کے صریحی احکام کے خلاف بغیر لائسنس موٹر سیکل چلائی تو مالک ذمہ دار قرار دیا گیا۔

[۳] پارکر بنام الڈر (۱۸۹۹) اکوئنس بنچ ڈویژن ۲۰۔ بروکس بنام میسن (۱۹۰۲) ۲ کنگس بنچ ۷۴۳، کالاماری بنام نولاتھد (۱۹۰۳) ۲ کنگس بنچ ۲۶۴ سے تقابل کیجیے تو معلوم ہوگا کہ قانون سرائے وغیرہ کے مالک کو چودہ سال سے کم عمر کے بچے کے ہاتھ

ضروری قرار دیا گیا ہے وہاں یہ ضروری ہے کہ ملازم کو کم از کم ایسا مجرمانہ علم ہو۔ قانون فارمیسی اور سمیات ۱۹۳۳ء (The Pharmacy and Poisons Act) میں یہ ہے کہ ملازم کے اس عمل کے خلاف کہ اس نے ناجائز طور پر سمیات فروخت کیے جو عدالتی کارروائی کی جائے گی اس میں (الف) اگر یہ صفائی پیش کی جائے کہ ملازم کا وہ عمل بیرون اختیار تھا تو یہ جواب وہی مسموع نہ ہو گی اور (ب) اگر ملازم کسی متعلقہ واقعے کا علم ہو تو یہ تصور کیا جائے گا کہ خود مالک کو اس واقعے کا علم تھا۔ ایک ایسا قانون جس کے ذریعے سے مطلق امتناع عاید کیا جاتا ہے اس میں بعض اوقات صفائی کی صورتیں بھی بتلادی جاتی ہیں چنانچہ قانون بابت زرخیز کنندگان اراضی وچارۂ مویشیان (The Fertilisers and Feeding Stuffs Act, 1926) کے ذریعے سے ایسے دانے چارے کا فروخت کرنا یا فروخت کے لیے رکھنا جس میں کچھ سمی اجزا ہوں جرم قرار دیا گیا ہے بجز اس کے کہ ملزم یہ ثابت کرے کہ اس کو یہ علم نہ تھا کہ اس شے میں سمی اجزا موجود ہیں اور نہ معقول حد تک کوشش کرنے سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ایسے برتن میں شراب فروخت کرنے پر جس پر مہر نہ لگی ہو ذمہ دار قرار دیتا ہے خواہ اس کو نہایت سچائی کے ساتھ (لیکن غلط طور پر) یہ یقین ہو کہ برتن پر مہر لگی ہوئی ہے۔ لیکن اگر وہ شراب، اس کے بارمین نے فروخت کی ہو جس کو شراب فروخت کرنے کی اجازت ہو (بجز اس کے کہ یہ بارمین سرائے کی عام نگرانی کا ذمہ دار ہو) تو قانون مالک کو ذمہ دار نہیں قرار دیتا۔ مالک یا ملازم میں سے کسی نے بھی شراب فروخت کی ہو، اگر ان کو غلط طور پر یہ یقین ہو کہ بچہ چودہ سال سے زاید عمر کا ہے تو وہ ذمہ دار نہ ہوں گے۔ آر۔ سی۔ ہیمبٹ بنام ال سی۔ سی (۱۹۳۳) اس میں مالک محدود کمپنی تھی۔

وہ اس امر کو جان سکتا تھا۔ ایسے مقدمات میں منجانب استغاثہ
صرف اتنا ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ ممنوعہ عمل کا ارتکاب
ہوا اس کے بعد ملزم کو متذکرہ قانون صفائی پیش کرنا چاہیے۔
نیابتی ذمہ داری کی دوسری گو بالکل مختلف شکل قانون اطفال
و اشخاص نوعمر ۱۹۳۳ء (Children and young Persons Act) میں
ملتی ہے۔ یعنی یہ کہ جب کسی بچے یا نوعمر شخص پر کوئی جرمانہ ہرجہ
یا خرچہ عاید کیا جاتا ہے تو عدالت یہ حکم دے سکتی ہے کہ
والدین یا سرپرست اس رقم کو ادا کریں تاوقتیکہ وہ عدالت
کو اس امر کی بابت مطمئن نہ کر دیں کہ اس بچے یا نوعمر شخص کی
کافی نگرانی سے غفلت برت کر وہ اس جرم کے ارتکاب 49
کی ترغیب کا باعث نہیں بنے۔

باوجود اس کے کہ اس زمانے میں اکثر قوانین ایسے
وضع کیے گئے کہ جن کی رو سے مطلق ذمہ داری عاید
ہوتی ہے لیکن جب قانون موضوعہ کی روشنی میں فوجداری
خلاف ورزی کی تعریف و تعبیر کی جاتی ہے تو اب تک یہ
قیاس موجود رہتا ہے کہ نیت مجرمانہ کا وجود ضروری ہے[1]
جو ذمہ داری قایم ہوتی ہے اس کی نوعیت کا انحصار اس
منظورہ قانون کے الفاظ پر ہوتا ہے جس کے ذریعے سے
وہ معرض وجود میں آتی ہے لیکن عام طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ
پرانے قوانین میں یا ان قوانین میں جو کامن لا کے جرایم پر مشتمل ہیں[2] یا
یا جن جرایم میں شدید سزائیں مقرر کی گئی ہیں[3] ان میں یہ قیاس کہ

---

[1] بمقدمہ محمود اصفہانی (۱۹۲۱) ۲ کنگس بنچ ۱۶۷ صفحات ۱۷۳-۱۷۲۔

[2] گو کہ (Begamy) کامن لا کا جرم نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ مابعد۔

[3] سرکار بنام ٹالسن (۱۸۸۹) ۲۳ کوئنس بنچ ڈویژن ۱۶۸ صفحات ۱۷۲-۱۷۷۔
گو کہ اس جرم کی سزا جس کا پرنس مرتکب قرار دیا گیا تھا دو سال قید سخت ہو۔

نیت مجرمانہ کا وجود ضروری ہے نسبتہً زیادہ قوی ہوتا ہے - ان قوانین کی حد تک جو مجلس وضع قوانین نے اس زمانے میں منظور کیے ہیں حد الستول کو نیت مجرمانہ کے سوال کو نظر انداز کرنے میں کم تامل ہوتا ہے - چونکہ حالیہ قوانین کے الفاظ سے ان کا منشا معین طور پر ظاہر ہو جاتا ہے اس لیے کسی امر کے متعلق جب وہ ساکت ہوں تو بہ نسبت پرانے قوانین کے ان کے سکوت سے زیادہ یقینی نتیجہ نکالنا چاہیے - لہذا کسی ایسے عمل سے جو کسی جدید قانون کے ذریعے سے جرم میں داخل کیا گیا ہو- عامتہ الناس کو اس کی سزا کی کمی پر نظر کرتے ہوئے بہت زیادہ مضرت پہنچتی ہے تب بھی اگر قانون مجرمانہ علم کے متعلق ساکت ہو تو یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ مجلس وضع قوانین کا منشا یہی تھا کہ معمولی مجرمانہ علم اطلاق جرم کے لیے ضروری نہیں ہے[1]

اس امر کے معلوم کرنے کے لیے کہ آیا حقیقتہً ایک قانون کے ذریعے سے متذکرہ صدر سخت تر امتناع عاید کیا گیا ہے، "اس قانون کے مقصد، اس کے الفاظ، فرض کی نوعیت، وہ شخص جس پر وہ فرض عاید کیا گیا ہے، وہ شخص جو عام حالات میں اس کی تعمیل کرے گا اور وہ شخص جو سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے" ان تمام امور پر نظر رکھنا چاہیے-

50 اس قسم کے الفاظ جیسے "ناجایز طور" یا "بالارادہ" کے استعمال سے اس بارے میں پوری پوری مدد نہیں ملتی - ایسا

[1] سرکار بنام ٹالسن - ٹالسن کے مقدمے کے خلاف سرکار بنام اٹاکس اینڈ ہیٹ (۱۹۲۱) ۲ کنگس بنچ ۱۱۹ سے اس آمادگی کی زیادتی کا پتہ چلتا ہے جو ایک فوجداری اسٹیٹوٹ کے سکوت کی بنا پر اختیار کی جاتی ہے - بہر حال ان دونوں مقدمات میں امتیاز قایم کیا جا سکتا ہے - دیکھو صفحہ ۳۶۳ مابعد (اصل کتاب ؟)-

کبھی نہیں ہوتا کہ جس حد کی نیت مجرمانہ کے وجود کی ضرورت ہے اس میں ان الفاظ کے ذریعے سے کوئی اضافہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک شخص کے حق میں ایک پالتو کبوتر کو ناجائز طور پر اور بالارادہ مارنے کے جرم میں سزا صادر ہوئی اور مرافعے میں اس کو بحال رکھا گیا حالانکہ اس کبوتر کے متعلق ملزم کو دیانت داری کے ساتھ یہ یقین تھا کہ ایک جنگلی پرند ہے اور دیانت داری کے ساتھ یہ خیال کرتا تھا کہ اس کو مارنے میں وہ اپنی کھیتی کے تحفظ کے حق کو استعمال کر رہا ہے[۱] "دانستہ طور پر" کے الفاظ کے استعمال سے اتنا ہو سکتا ہے کہ بار ثبوت بدل جائے اور بجائے اس کے خود اس ناجایز فعل سے نیت کا استنباط کیا جائے[۲] سرکار پر یہ ذمہ داری عاید ہو جائے کہ مزید شہادت کے ذریعے سے معمولی نیت مجرمانہ کو ثابت کرے حالانکہ عام حالات میں ہم دیکھ چکے ہیں[۳] کہ فعل بجائے خود نیت کے ثبوت کے لیے کافی تصور کیا جاتا ہے[۴]

---

[۱] کاٹورل بنام پن (۱۹۲۵) (15 T. L. R 459) جس دفعہ کے تحت یہ معاملہ لایا گیا تھا اس کے لیے دیکھیے صفحہ ۲۵۴ مابعد (اصل کتاب؟)۔

[۲] ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴ ماقبل (اصل کتاب؟)۔

[۳] لائسنسنگ ایکٹ (Licensing Act 1910) کے ذریعے سے سرائے وغیرہ کے مالکوں کو اس امر کا امتناع کیا گیا ہے کہ وہ (۱) ایسے کانسٹبل کو جو اپنے فرایض منصبی کی بجا آوری میں مصروف ہو کوئی کھانے پینے کا سامان مہیا کریں یا (۲) جان بوجھ کر اسے اپنے یہاں قیام کرائیں۔ لیکن دونوں صورتوں میں مجرمانہ علم کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ثانی الذکر صورت میں مستغیث پر لازم ہے کہ وہ ملزم کا علم مجرمانہ ثابت کرے اور صورت اول الذکر میں ملزم کو اس کی تردید کرنا چاہیے۔ ملاحظہ ہو

(Sherras v. de Rutzen 1895, 1 Q. B. 918 (K. S. C 82)۔

اس شہادت میں اس قسم کے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں مثلاً ایسے الفاظ کا استعمال جن سے جذبہ بغض کا اظہار ہوتا ہے یا سابق میں اسی طرح کے مضرت رساں افعال کا ارتکاب ہوتا اور اس طرح یہ ثابت کیا جائے کہ اس فعل کا سوائے اتفاق یا بے توجہی یا ناواقفیت کی بنا پر سرزد ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں[1] جرم کے لیے جس مجرمانہ علم کی ضرورت ہے وہ بعض اوقات ملازم کا مجرمانہ علم بھی ہو سکتا ہے ایسی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن میں باوجود اس کے کہ قانون اس بارے میں ساکت ہے پھر بھی نیت مجرمانہ کے وجود کی ضرورت سمجھی گئی ہے چنانچہ زوجہ یا شوہر کی حیات[2] میں دوبارہ شادی کرنے کے خلاف جو قانون منظور ہوا ہے اس میں گو کہ مجرمانہ فعل کو محض ان الفاظ میں مشخص کیا گیا ہے کہ "شادی شدہ ہونے کے باوجود شادی کرے" اور مجرمانہ نیت کے وجود کی بابت ساکت ہے اس کے باوجود سرکار بنام ٹالسن[3] (۱۸۸۹) میں ججوں نے بغلبہ آرا یہ قرار دیا کہ جب ملزم نے دوسری شادی کی اس وقت اگر اس کو سچائی کے ساتھ اور معقول وجہ کی بنا پر
یہ یقین ہو کہ اس کی پہلی بیوی مر گئی ہے تو جرم منسوبہ کے خلاف 51
یہ اچھی صفائی ہو گی[4] اسی طرح سرکار بنام سلیپ[5] (۱۸۶۱ء) میں ہوا۔ ایک قانون کے ذریعے سے "سرکاری سامان کا جس پر

---

۱ ایلن بنام وہائٹ ہڈ صفحہ ۴۷ (اصل کتاب کا) ماقبل۔

۲ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۵۸ (اصل کتاب کا) مابعد۔

۳ ۲۳ کوئنس بنچ ڈویژن ۱۶۸ (K. S. C. 15)۔

۴ اس سے مقابلہ کیجیے سرکار بنام اسٹاکس اینڈ وہیٹ (صفحہ ۴۹ اصل کتاب کا ماقبل)

۵ مقابلہ کیجیے سرکار بنام وڈرو (۱۸۴۶)۔

چوڑے تیر کی علامت بنی ہوتی ہے کسی شخص کے قبضے میں پایا جانا جرم قرار دیا گیا تھا لیکن مجرمانہ علم کے وجود کی بابت قانون میں کوئی ذکر نہ تھا۔ قرار دیا گیا کہ اگر جوری کے نزدیک یہ ثابت ہو کہ گو اس کا اس سامان پر قبضہ تھا اور یہ کہ اس علامت پر مطلع ہونے کے لیے اس کے پاس معقول ذرایع موجود تھے لیکن نہ تو اس کو اس کی بابت کوئی اطلاع ہوئی اور نہ بالارادہ اس نے اس کے معلوم کرنے سے اجتناب کیا تو وہ مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ٹالسن کے مقدمے سے یہ امر ظاہر ہے کہ امر واقعہ کی غلطی کی بنا پر جو صفائی پیش کی جاتی ہے اس سے نیت مجرمانہ کے مسایل کا قریبی تعلق ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے[۱] معقول وجوہ کی بنا پر اگر امر واقعہ کی غلطی واقع ہو تو یہ اچھی صفائی سمجھی جا سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ اگر واقعات اسی طرح ہوتے جیسا کہ ملزم نے ان کو تصور کیا تھا تو اس صورت میں وہ بد عملی کا مرتکب نہ سمجھا جا سکتا۔ اس نوبت پر اس امر کے معین ہو جانے کی ضرورت ہے کہ بد عملی سے کیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ بعض غلطیاں ایسی ہیں جو موجب برأت نہ ہوں گی مثلاً یہ کہ نقب زن کو یہ نہ معلوم ہو کہ نو بج چکے ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۷۶؟ کتاب ہذا)۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر واقعہ کی غلطی کی بنا پر جو صفائی پیش کی جائے اس کے قابل پذیرائی بنانے کے لیے ملزم کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ جس طرح واقعات اس کے تصور میں تھے ان کی بنا پر اس کی ایسی نیت نہ تھی جو جرم منسوبہ کے اعتبار سے

---

[۱] صفحہ ۷۶ (اصل کتاب ؟) مابعد۔

مجرمانہ نیت قرار دی جا سکے۔ چنانچہ کامن لا کے جرایم میں جن میں اسی طرح کے نتایج کی پیش بینی ضروری ہوتی ہے اسے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ اپنے عمل سے اس کو ایسے اثرات کے پیدا ہونے کی امید نہ تھی جو اس فعل کے جرم کی حد تک پہنچنے کے لیے ضروری ہیں جن جرایم میں ایک خاص نوعیت کی نیت کا ہونا ضروری ہوتا ہے ان میں اتنا ثابت کر دینا کافی ہے کہ اس کی غلطی اس مخصوص قسم کی نیت کے قایم ہونے کی مانع تھی۔ لہٰذا جن صورتوں میں قانون موضوعہ کے ذریعے سے قطعی امتناع عاید کیا گیا ہو ان میں اگر ملزم کی جانب سے یہ عذر پیش کیا جائے کہ واقعے کی کسی غلطی کی بنا پر اس سے وہ عمل سرزد ہوا تو یہ مسموع نہ ہوگا البتہ یہ عذر کہ محض سوئے اتفاق سے اس عمل کا ارتکاب ہو گیا نسبتہً زیادہ کامیاب ہوگا۔ اس امر کے جانچنے کے لیے کہ آیا فلاں فعل میں بدعملی کا عنصر موجود ہے یا نہیں دوسرے اور معیار بھی تجویز کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں (الف) ملزم کو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ واقعات جس طرح اس کے تصور میں تھے ان کے اعتبار سے وہ (جرم منسوبہ کے علاوہ بھی) قطعاً کسی قسم کے جرم کا مرتکب نہیں ہوا۔ (ب) ملزم پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت 52 کرے کہ اس کے مفروضہ واقعات کے تحت اس نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب بھی نہیں کیا جو دیوانی قانون کے اعتبار سے ناجایز ہو (ج) ملزم پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کے مفروضہ واقعات کے تحت اس نے کسی ایسے فعل کا بھی ارتکاب نہیں کیا جو اخلاقاً برا ہو۔ متذکرۂ صدر جملہ معیار خلاف اصول معلوم ہوتے ہیں۔ اور تقریباً کلیتہً ججوں کی اس رائے پر مبنی ہیں جو انھوں نے مشہور و معروف مقدمہ سرکار بنام پرنس ۱۸۷۵ء میں ظاہر

کی تھی[1]۔ پرنس نے ایک سولہ سال سے کم عمر لڑکی کو اس کے باپ کے گھر سے بھگایا تھا۔ لیکن کافی وجوہ کی بنا پر اس کو یقین تھا کہ اس کی عمر اٹھارہ سال ہے (اور اس صورت میں لڑکی کو بھگا لے جانا کوئی جرم نہ ہوتا) کسی ناکتخدا لڑکی کو جس کی عمر سولہ سال سے کم ہو ناجایز طور پر ولایت جایز سے بلا رضا مندی اس کے ولی کے لے جانا جرم ہے۔ پرنس سزایاب ہوا[2]۔ جسٹس برٹ نے (جو بعد میں لارڈ ایشر ہو گئے تھے) یہ قرار دیا کہ اس امر کا ثابت کرنا ضروری تھا کہ ملزم نے دانستہ طور پر ایسے افعال کیے جو کسی جرم میں داخل تھے۔ جسٹس بریمول کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ اتنا ثابت کرنا کافی تھا کہ ملزم نے اخلاقی حیثیت سے ایک برا فعل کیا۔ جسٹس ڈنمان نے یہ رائے ظاہر کی کہ ملزم اس بنا پر مستوجب سزا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لڑکی کو باپ کی حفاظت سے نکال لے گیا اور دانستہ طور پر ایک دیوانی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ لیکن بہر حال معلوم یہ ہوتا ہے کہ پرنس کے سزایاب ہونے کا سبب محض یہ تھا کہ وہ ایسے فعل کا مرتکب ہوا جس کی قانون موضوعہ کے ذریعے سے ممانعت کی گئی تھی[3]۔ سرکار بنام ماگھن (۱۹۳۴ء)[4] میں یہ صفائی پیش کی گئی کہ ملزم کو لڑکی کے زاید از سولہ سال ہونے کے متعلق معقول وجوہ سے یقین تھا لیکن

۱ھ (2, C. C. R. 154 (K. S. C. 21)

۲ھ اس مقدمے پر تفصیلی تبصرے کے لیے دیکھیے جے۔ ڈبلو۔ سی ٹرنر صفحہ ۴۶۔ آر۔ ایم جیکسن صفحہ ۸۶ اور ڈبلو۔ ٹی۔ ایس اسٹیلی براس۔

۳ھ خصوصیت سے جسٹس بلیک برن کا فیصلہ دیکھیے۔ ان کے فیصلے سے نو دیگر ججوں نے اتفاق کیا ہے (2 C. C. R. P. 170)۔

۴ھ (24 Cr. App. R, 130. (K. S. C. 547)۔

یہ صفائی اس الزام کی بنا پر مسترد کردی گئی کہ ملزم نے سولہ سال سے کم عمر کی
لڑکی کی عفت میں خلل ڈالا تھا[1]۔ کورٹ آف کریمینل اپیل
(عدالت مرافعۂ فوجداری) نے یہ قرار دیا کہ سرکار بنام پرنس کی طرح
وہ فعل ایک قانون موضوعہ کے ذریعے سے قطعاً ممنوع تھا اور
وہ شخص جو اس فعل کا مرتکب ہوا اس نے خود اس قانون کی
خلاف ورزی کرنے کے خطرے میں مبتلا کیا[2]۔ عدالت اپنا فیصلہ 58
اس پر مبنی کرسکتی تھی کہ اگر واقعات وہی ہوتے جو اس نے تصور
کیے تھے تب بھی ماگھن نے ایک خلاف اخلاق فعل کیا، لیکن
اس کی بجائے اس نے اس رائے کو ترجیح دی کہ سرکار بنام پرنس
اس فعل کے قانون موضوعہ کے ذریعے سے مطلقاً ممنوع ہونے
کی بنا پر اس طرح فیصل کیا گیا تھا۔ لہٰذا نیت مجرمانہ پر جرم منسوبہ کی
روشنی میں غور کرنا چاہیے نہ کہ عام طور پر اس کے مجرمانہ ناجائز یا

---

۱ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۲ (اصل کتاب ؟)۔

۲ اگر سرکار بنام پرنس کا فیصلہ واقعتاً اسی بنا پر ہوا ہے تو سرکار بنام ہیبرٹ (۱۸۶۹)
(I. C. C. R. 184) غلط طور پر فیصل کیا گیا کیونکہ اس مقدمے میں اسی قسم کا الزام
تھا اور ملزم اس وجہ سے بری کیا گیا تھا کہ اس کو یہ نہ معلوم تھا اور نہ کسی طور پر
اس کو معلوم ہو سکتا تھا کہ لڑکی کسی شخص کی ولایت جایز میں ہے۔ سرکار بنام گوبن
(۱۸۶۲) میں جسٹس مارٹن نے گو کہ ملزم کے طرز عمل کو "بہت زیادہ بداخلاقی
پر مبنی" قرار دیا لیکن اس کو بری کر دیا۔ سرکار بنام ہیبرٹ کے فیصلے کو اس
صورت میں صحیح سمجھا جا سکتا تھا جب واقعے کی غلطی کی صفائی میں پیش ہونے
کی صورت میں مستغیث پر یہ لازم ہوتا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ ملزم جانتا تھا کہ
وہ ناجایز طور پر عمل کر رہا ہے۔ گو کہ اس مقدمے کا سرکار بنام پرنس اور
سرکار بنام ماگھن دونوں کے استدلال کے دوران میں ذکر کیا گیا ہے لیکن واضح
طور پر اس فیصلے کی تردید و تنسیخ عمل میں نہیں آئی۔

یا خلاف اخلاق فعل ہونے کی حیثیت ہے۔

نوٹ :- پرنس کے مقدمے کے متعلق خود پروفیسر کینی نے جو تبصرہ کیا ہے اس کو اس مقام پہ شامل کرنے سے طالب علم کو سہولت ہوگی۔

"ہم دیکھ چکے ہیں کہ گو مجرم خاص اس فعل کے ارتکاب کا قصد نہ رکھتا ہو جو اس سے واقعتاً سرزد ہوا پھر بھی اس پر فوجداری ذمہ داری عاید ہو سکے گی۔ اتنی بات کافی ہے کہ اس کی نیت کسی ایک جرم کے ارتکاب کی ہو وہ خواہ کوئی بھی جرم ہو، بلکہ کسی ایسے فعل کے ارتکاب کا ہی قصد ہو جو محض خلاف قانون ہو، جرم نہ بھی ہو لیکن اس سے بڑھ کر اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ آیا انگریزی قانون اس سے ایک قدم اور آگے نہیں جاتا اور مجرمانہ نیت کی اس سے بھی خفیف تر شکل کو یعنی کسی ایسے فعل کے ارتکاب کی نیت کو جو دیانت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہو اور قطعاً خلاف قانون نہ ہو کافی تصور کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس مسئلے پر سرکار بنام پرنس میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے اس لیے طالب علم کو نہایت توجہ کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ پرنس ایک سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی کو اس کے باپ کے پاس سے بھگا کر لے گیا تھا لیکن اس کو (کافی وجوہ کی بنا پر) یہ یقین تھا کہ لڑکی کی عمر اٹھارہ سال ہے (اس صورت میں یہ فعل جرم میں داخل نہ ہوتا) جسٹس برٹ کی (جو بعد میں لارڈ ایشر ہوگئے تھے) یہ رائے تھی کہ نیت کے مجرمانہ ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی جرم کے ارتکاب کا ارادہ ہو۔ عدالت کے بقیہ اراکین (پندرہ جج) نے بہرکیف یہ قرار دیا کہ جس خاص قانون کے تحت ملزم ماخوذ ہے

اس کے الفاظ کی یہ تعبیر نہیں کی جا سکتی کہ اگر ملزم کو علم نہ ہو یا یہ تصور کرنے کے اس کے پاس کافی وجوہ نہ ہوں کہ وہ کسی جرم کا ارتکاب کر رہا ہے تو اس کو معافی دی جائے۔
علاوہ ازیں اس خاص قانون سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی اکثر (یا غالباً تمام) ارکین نے فوجداری ذمہ داری کے اصول کے متعلق لارڈ ایشر سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی متفقہ طور پر یہ رائے تھی کہ کسی ایسے عمل کے ارادے سے جو قانوناً ناجائز ہو حتیٰ یہ کہ محض دیوانی خلاف ورزی ہی ہو (جرم نہ بھی ہو) تب بھی نیت مجرمانہ کا وجود متصور ہوگا۔ حقیقۃً بریمول نے جو فیصلہ صادر کیا تھا اس میں منجملہ پندرہ ارکین کے آٹھ ارکین نے صاف طور پر ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور ایک تیسرا نقطۂ نظر پیش کیا ہے یعنی یہ کہ اگر کوئی فعل فوجداری اور دیوانی دونوں حیثیتوں سے بالکل جائز ہو لیکن اخلاقاً برا ہو تب بھی یہ تصور کیا جائے گا کہ مطلوبہ نیت مجرمانہ موجود تھی۔ اگر اس رائے کو صحیح مان لیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ نیت کا اصول صرف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی فعل کرے اور اس کے نزدیک وہ فعل خلاف اخلاق ہو تو اس کو یہ اندیشہ رہنا چاہیے کہ اگر کچھ غیر متوقعہ حالات پیش آ جائیں تو وہ فعل جرم میں داخل ہو جائے گا۔ یہ تیسرا نقطۂ نظر نہایت مستند ہے چوں کہ ججوں کی اتنی بڑی تعداد نے اس کو اختیار کیا ہے اور مشاہیر مصنفین نے اس کی تائید کی ہے۔ لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ اس کی حیثیت محض ایک ضمنی رائے کی تھی اور اس خاص مرافعے کی حد تک وہ بالکل غیر ضروری تھی چونکہ اس مرافعے میں جو واقعات اس ملزم کے علم میں تھے ان کی وجہ سے اس کا عمل نہ صرف خلاف اخلاق ہی تھا بلکہ خلاف قانون بھی تھا۔

55

باب ۴

ذمہ داری سے اِستثنٰی کی صورتیں

ہم نے دیکھا کہ فوجداری خلاف ورزی میں نیت کے عنصر کا کسی نہ کسی شکل میں موجود رہنا ضروری ہے۔ اگر یہ عنصر غایب ہو تو کسی فعل کے محض ارتکاب سے کسی قسم کی فوجداری ذمہ داری نہیں پیدا ہوتی جس طرح مرض کزاز میں مریض کے اعضا کی غیر اختیاری جنبش سے اگر کسی شخص کے چوٹ آجائے تو ظاہر ہے کہ مریض پر کوئی ذمہ داری نہیں عاید ہوتی۔

بلیکسٹن[۱] نے ان مختلف حالات کی درجہ بندی کی ہے جن میں قانونی نقطۂ نظر سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فاسد ارادے کا دخل نہیں ہوتا۔ اس درجہ بندی میں گو کہ اصولاً بعض نفسیاتی نقایص

[۱] ۴ بلیکسٹن کی شرح ۲۱۔

موجود ہیں لیکن اس سے طبیعتیں اتنی مانوس ہو گئی ہیں کہ اسی کو برقرار رکھنے میں زیادہ سہولت ہو گی۔ مستثنیٰ حالات کی تین اشکال جو انھوں نے پیش کی ہیں خاص طور پر توجہ کی مستحق ہیں:-

۱۔ جب کوئی بھی ارادہ موجود نہ ہو۔

۲۔ جب ارادہ اس فعل سے متعلق نہ ہو۔

۳۔ جب ارادہ جبر کی وجہ سے مغلوب ہو جائے۔

۱۔ جب کوئی ارادہ موجود نہ ہو۔ آسٹن کی کتاب اصول قانون کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ ملحوظ رہنا چاہیے بلیکسٹن کے "ارادے" (Will) کا مفہوم آسٹن کے "ارادے" (Will) کے مفہوم سے بالکل مختلف ہے بلیکسٹن کا "ارادہ" یعنی "مرضی" (Volition) کی صاف طور پر تعریف بھی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن ایک حد تک یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آسٹن کے "قصد" (Intention) کا ہم معنی ہے[۱]) حسب ذیل وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ فعل کے ساتھ ارادے کا وجود نہ ہو:-

(۱) طفولیت

سب سے زیادہ عام سبب جس کی بنا پر سماج کا ہر رکن اپنی زندگی کے کچھ حصے تک فوجداری ذمہ داری سے بری رہتا ہے وہ طفولیت ہے۔ قانون فوجداری نے اطفال کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا ہے:-

(۱) وہ اطفال جن کی عمر آٹھ[۲] سال سے کم ہو۔ یہ ایک

۱۔ آسٹن لکچر ۱۹ (Analysis of Criminal Liability) مصنفہ کلارک صفحہ ۳۰۷۔

۲۔ (Children and young Persons Act 1933) کے تحت عدم ذمہ داری کی عمر سات سال سے (جس طرح کامن لا میں تھی) آٹھ سال کر دی گئی ہے۔

قطعی قیاس ہے کہ اتنی کم عمر کے بچے قابل ارتکاب جرم نہیں ہو سکتے۔[1] لہٰذا وہ کسی فعل کا بھی ارتکاب کریں عدالت فوجداری ان کو مستوجب سزا نہیں قرار دے سکتی۔ چنانچہ ایک ایسے شش سالہ بچے نے جسے ایک جرم کے ارتکاب کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا تھا گرفتار کنندہ سے ہرجہ وصول کیا۔[2] لیکن اگر والدین اپنے بچوں کو خانگی طور پر سزا دیں تو یہ خلاف قانون نہیں ہے بشرطیکہ وہ اتنے بڑے ہو گئے ہوں کہ سزا کو سمجھ سکیں۔[3]

(ii) وہ بچے جن کی عمر آٹھ اور چودہ[4] سال کے درمیان ہو۔ اس عمر میں بھی اطفال کے متعلق یہی قیاس ہوتا ہے کہ وہ ارتکاب جرم کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن یہ قیاس قطعی نہیں ہے اور شہادت سے اس کی تردید کی جا سکتی ہے تاہم برخلاف بالغ لوگوں کے معاملے کے یہ اگر محض مجرمانہ فعل کا ارتکاب کریں تو اس سے ان کے فاسد ارادے کا بادی النظری ثبوت فراہم نہ ہوگا۔ چودہ سال سے کم عمر کے بچے کے بے قصور ہونے کا قیاس اتنا قوی ہے کہ اس کو مجرم قرار دلانے کے لیے دماغی حالت کا بہت واضح ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہے جوری جو ایسے طفل کے

---

[1] ایک نامستحسن تمثیل کے ذریعے سے چیف جسٹس پریساٹ نے ان کے متعلق کہا ہے کہ "جیسے بیل یا کتا کسی شخص کو ضرر پہنچائے۔"

[2] (Marsh V. Loader (1863), 14 C. B. (N. S.) 585)-

[3] (Reg V. Griffin (1869), 11 Cox 402)-

[4] جدید قانون سازی میں چودہ سال کی عمر تک 'بچہ' (Child) چودہ سے سترہ سال کی عمر تک 'نوجوان' (Young Person) اور سترہ سے اکیس سال کی عمر تک 'غیر رشید بالغ' (Juvenile adult) کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ایجوکیشن ایکٹ ۱۹۲۱ء دفعہ (۱۷۰) میں 'بچہ' (Child) کے کسی قدر مختلف معنی ہیں۔

مقدمے کی سماعت کرتی ہے اس کے یہ امر ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ فاسد نیت کے موجود ہونے کی بابت خاص طور سے ثبوت کی ضرورت ہے اور ان سے صرف معمولی سوال "کیا اس شخص نے یہ کام کیا ہے"؟ نہیں کیا جاتا بلکہ ایک مزید سوال بھی کیا جاتا ہے کہ
57 "کیا اس کو یہ مجرمانہ احساس تھا کہ وہ غلطی کر رہا ہے"؟ چودہ سال سے[1] کم عمر کا لڑکا زنا بالجبر یا دوسرے جنسی جرایم کا مجرم نہیں قرار پا سکتا۔ بالغ اشخاص کے معاملے میں مطلوبہ فاسد نیت مختلف جرایم میں مختلف ہوتی ہے لیکن جب ملزم "طفل" ہو تو جن جرایم میں ذمہ داری مطلق عاید ہوتی ہے ان میں بھی غالباً (مجنون اشخاص کے معاملے کی طرح) اس امر کا ثبوت بہم پہنچانا لازم ہے کہ اس کو اس بات کا علم تھا کہ وہ ناجایز فعل کا ارتکاب کر رہا ہے۔

اس مجرمانہ علم کا ثبوت اس امر سے دیا جا سکتا ہے کہ ملزم سابق میں کسی جرم میں ماخوذ ہوا تھا یا خود موجودہ جرم کے حالات سے بھی یہ ثبوت بہم پہنچایا جا سکتا ہے کیوں کہ ممکن ہے کہ انھی حالات سے فاسد اور شرارت آمیز ذہنیت کا ثبوت مل جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۶۲۹ء میں ایک ہشت سالہ لڑکے کو غلے کے دو گوداموں میں آگ لگانے کی پاداش میں پھانسی دی گئی چونکہ اس کے عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ اس لڑکے میں کینہ، خواہش انتقام، مکاری اور چالاکی موجود تھی[2]۔

---

[1] (Rex v. Tatam 1921) 15 Cr. App. R. 132)-

[2] (1 Hale P. C. 25.) مائیکل ہیمنڈ اور اس کی بہن کو جن کی عمریں سات برس اور گیارہ برس کی تھیں سنہ ۱۶۰۸ء میں بمقام لن جرم کبیر کے ارتکاب کی وجہ سے پھانسی دی گئی (Richarel's King's Lynn, P. 888) سنہ ۱۸۲۸ء میں نیو جرسی میں ایک ساڑھے بارہ سال کے لڑکی کو پھانسی دی گئی -(18 American Decislons 404)

(iii) وہ اطفال جن کی عمر چودہ سال اور اکیس سال کے درمیان ہو۔

ایک لڑکے میں اس سے بہت پہلے کہ اس میں دور اندیشی یا ہوشمندی کے ساتھ اپنے ارادے کو قایم کرنا آئے نیک و بد کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے لہذا چودہ سال کی عمر میں ایک نابالغ پر پوری پوری فوجداری ذمہ داری عاید ہو سکتی ہے لیکن کسی طفل کو جس کی عمر اٹھارہ سال سے کم ہو سزائے موت نہیں دی جا سکتی اور ایک طفل کو جس کی عمر سترہ سال سے کم ہو اس پر عوارض تعزیری[1] عاید نہیں کیے جا سکتے اور نہ اس کو قید کا حکم دیا جا سکتا ہے (بجز اس کے کہ وہ بہت شورہ پشت ہو) اور نہ کوئی طفل جس کی عمر چودہ سال سے کم ہو کسی حالت میں قید کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں اس کو اس ممنوعہ سزا کی بجائے کسی ریمانڈ گھر میں محض نظر بند کیا جاتا ہے یا قتل انسان، اقدام قتل عمد، یا ضرر شدید پہنچانے کی نیت سے زخمی کرنے کی صورت میں ایسی مدت تک روک رکھا جاتا ہے جس کا عدالت حکم دے اور ایسے شخص سے قتل عمد کا ارتکاب ہونے کی صورت میں مطابق منشائے شاہی بموجب ہدایت ہوم سکریٹری[2] کسی مقام پر روک رکھا جاتا ہے۔

(۲) فتور عقل[3] 58

"ارادے" کا فقدان عقل کی محض فطری اور ناگزیر عدم پختگی

---

[1] جس ملزم پر عوارض تعزیری (Penal Servitude) عاید کیے جائیں وہ برخلاف عام قیدیوں کے بعض خاص ضمانتوں اور شرایط کے تحت، رہا بھی کیا جا سکتا ہے۔

[2] (Children and young persons Act 1933)۔

[3] (Stephen, History of Criminal Law, II, 124-186)

کی وجہ سے ہی نہیں ہوتا جس پر ہم اب تک بحث کرتے رہے بلکہ دماغ کی بے اعتدالی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ یہ بے اعتدالی خواہ بخار کی وجہ سے عارضی سرسام کی بنا پر ہو یا مستقل جنون کی بنا پر ہو۔

انگریزی قانون نے اس زمانے میں بھی جب کہ وہ بہت زیادہ شدت پر مایل تھا،[۱] اس امر کو تسلیم کیا کہ فتور عقل کی صفائی پیش کی جا سکتی ہے لیکن تاہم اس قانون نے یہ کبھی نہیں قرار دیا (جیسا کہ عوام الناس غلطی سے سمجھتے ہیں[۲]) کہ ہر قسم کا فتور عقل اس امر کے لیے کافی ہے کہ فاتر العقل فوجداری ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار پا جائے[۳] حقیقۃً صرف مخصوص نوعیت کا فتور عقل استثنیٰ کا باعث ہوتا ہے[۴]۔ کیوں کہ عام طور پر دیوانے معمولی محرکات مثلاً سزا کے خوف وغیرہ سے متاثر ہوتے ہیں[۵] اور

۱؎ دیکھیے: (Kentish Eyte) بابتہ ۱۸۳۰ء لنڈن سوسایٹی (نمبر ۱۸۱) "فاتر العقل اور مستقل لیکن نہ زیر بنائے ہمیشہ مجرا ہا"

۲؎ لیکن اگر ایسا خیال کیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ فوجداری قانون کا نفاذ کرنے والے بغیر قطب نما اور ستاروں کی مدد کے ایک بحر ناپیدا کنار میں بہہ جائیں گے، (لارڈ چیف جسٹس ہیوارٹ)۔

۳؎ چنانچہ ایک شخص اس مجنونانہ مغالطے میں مبتلا تھا کہ اس کی زوجہ نے الف اور ب اور ج کے ساتھ زنا کرایا ہے لیکن اس کے باوجود چونکہ اس نے د کو قتل کر ڈالا تھا اس کو سزائے موت دی گئی۔

۴؎ دیوانی معاملات کی بھی یہی صورت ہے۔ ایک شخص جو اپنا کاروبار سمجھداری کے ساتھ چلاتا تھا اس کی وصیت کو قابل نفاذ قرار دیا گیا حالانکہ اس کے دماغ میں اس حد تک فتور تھا کہ اس کو اس بات کا یقین تھا کہ اس کے درختوں میں مگرمچھ بکھرے ہیں اور ان درختوں کی پتیاں چڑیاں ہیں۔ (14 ch. D. 674)

۵؎ مجنون قیدی جب کسی محافظ محبس کو مارتے اور ان سے باز پرس ہوتی تو

اسی وجہ سے وہ نہایت احتیاط کے ساتھ اپنے جرایم کے منصوبے جماتے ہیں اور ایسے ذرایع اختیار کرتے ہیں کہ ان کا سراغ نہ ملنے پائے۔

مختلف ممالک میں سال ہا سال دیوانوں کا بغور مشاہدہ کیا گیا اور اس سے ان کی دماغی کیفیات روشنی میں آئے اور اب یہ امر مسلم ہو گیا ہے کہ دنیا ایسے کج رو مردوں اور عورتوں سے بھری پڑی ہے جن میں فتور عقل کا شائبہ موجود ہے لیکن پھر بھی وہ انھی معمولی امیدوں اور خطروں سے آسانی کے ساتھ متاثر ہوتے ہیں
جو ایک اوسط درجے کے آدمی کے عمل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ 59
ایسے لوگوں کو اگر فوجداری سزا کے خوف سے آزاد کر دیا جائے تو صرف اتنا ہی نہ ہوگا کہ جرم کے متعلق جو ہمارا اصول ہے اس کی معقولیت میں فرق آئے گا اور یہ امر اس کے منطقی نتایج کے مغایر ہوگا بلکہ اس سے ان کے تمام ہمسایوں کی جان و مال واقعی طور پر خطرے میں پڑ جائے گی۔ جب فتور عقل ایسی نوعیت کا ہو تو وہ صاف طور پر اس کلیے کے تحت آ جاتا ہے جو 'بین' نے فوجداری قانون کے وضع کرنے کی بابت پیش کیا ہے[1]

"اگر صاحب احساس لوگوں کے افعال پر قیود عاید کرنا قرین مصلحت ہے اور تکلیف کا خوف اس طرح کے عمل کو روکنے میں موثر ثابت ہوتا ہے تو سزا کی ضرورت ثابت ہے"۔

اسی وجہ سے ہمارے فوجداری قانون[2] نے فاتر العقل اشخاص کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ بعض اوقات کہتے کہ تم مجھے ہاتھ نہیں لگا سکتے میں مجنون ہوں (Thirty year's Experiences of a Medical Officer) مصنفہ ڈاکٹر جان کیمپ بل صفحہ ۹۲)۔

[1] (Mental and Moral Science p. 404)۔

[2] لیکن مجموعی حیثیت سے فتور عقل کے بارے میں انگریزی قانون خاصا پیچیدہ ہے۔

دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے :-

(الف) وہ طبقہ جس پر قانون فوجداری کی تہدیدات اور امتناعات کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور اس وجہ سے جس پر اس کی سزاؤں کا عاید کرنا غیر ضروری بے رحمی ہے۔

(ب) وہ اشخاص جن کے فتور عقل کی نوعیت بس اتنی ہے کہ بقول لارڈ ڈیرمیول "وہ اگر پولیس کا جوان ان کے قریب موجود ہوتا تو وہ اپنی دیوانگی پر عمل نہ کرتے"۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دو طبقات میں خط تقسیم کہاں کھینچا جائے۔ یہ ایسا سوال ہے جس کے متعلق قانون میں اہم گو تدریجی تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور اب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے کوئی قطعی یا کاملاً مستقل شکل اختیار کر لی ہے دو سال قبل یہ نظریہ رائج تھا کہ کسی مجنون کو اس وقت تک بغیر سزا کے نہ چھوڑا جائے جب تک کہ اس میں فہم و حافظہ اس حد تک مفقود نہ ہو کہ وہ ایک جنگلی جانور کی طرح یہ بھی نہ جانتا ہو کہ اس سے کیا فعل سرزد ہو رہا ہے۔ لیکن ہیڈ فیلڈ[1] کی صفائی میں ارسکائن (Erskine) کی یادگار تقریر کے بعد ایک زیادہ معقول نظریہ رائج ہو گیا ہے۔ اس نظریے کی رو سے معیار یہ ہے کہ جس مجرمانہ فعل کا ارتکاب عمل میں آیا ہے اس کی حد تک یہ دیکھا جائے کہ ملزم کو برے بھلے میں امتیاز تھا یا نہیں۔

60 یہ جدید نظریہ ایسا معین و مستند ہو گیا ہے کہ کامن لا کے کسی دوسرے اصول کو یہ بات کم حاصل ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ اس مسئلے کے متعلق سنہ ۱۸۴۳ء میں دارالامرا نے ججوں سے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ "اس میں جرائم معاہدات وصایا، دار المجانین کے داخلے اور دیگر امور کے لحاظ سے تقریباً آٹھ مختلف معیاروں پر عمل کیا جاتا ہے (جسٹس میک کارڈی)۔

[1] (1800), 27 St. Tr. 1281 -

کچھ سوالات کیے تھے۔ ججوں نے ان سوالات کے جوابات دیے۔ ان جوابات سے ایک ملخص اصولی نوعیت کا حاصل ہو گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک شخص ڈینیل میکناٹن[1] (Danial Mc Naughton) نے ایک دوسرے شخص کو جس کا نام مسٹر ڈرامنڈ (Mr Drummond) تھا قتل کر دیا۔ مقتول سر رابرٹ پیل کا پرائیوٹ سکریٹری تھا اور قاتل نے اس کو سر رابرٹ پیل سمجھ کر قتل کر ڈالا تھا۔ میکناٹن کو فتور عقل کی بنا پر بری کر دیا گیا۔ اس براءت سے ایسی عام ناراضگی اور بےچینی پیدا ہوئی کہ دارالامرا میں یہ مسئلہ موضوع بحث بن گیا (حالاں کہ یہ مقدمہ عدالتی حیثیت سے اس مجلس کے سامنے نہیں آیا۔) مباحثے کے نتیجے کے طور پر امرا نے ججوں کے پاس ایسے اشخاص کی نسبت جن پر جنون کے دورے ہوتے ہیں کچھ اصولی سوالات بھیجے۔ ججوں کے جوابات کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ہر شخص کے متعلق قیاس یہ کیا جائے گا[3] کہ وہ صحیح العقل ہے اور اس میں اس حد تک شعور موجود ہے کہ وہ اپنے جرائم کا ذمہ دار قرار دیا جائے بجز اس کے کہ اس کے خلاف ثابت کیا جائے اور جوری کو اس پر اطمینان ہو جائے۔

(۲) فتور عقل کی صفائی اس وقت تک قابل تسلیم نہ ہو گی جب تک کہ وضاحت کے ساتھ یہ نہ ثابت کیا جائے کہ اس فعل کے ارتکاب کے وقت ملزم دماغی مرض کی وجہ سے عقل کی ایسی خرابی میں مبتلا تھا کہ جس فعل کا اس سے ارتکاب ہوا

---

۱ اس نام کو مختلف طریقوں سے لکھا گیا ہے۔

۲ (Reg. V. Mc Naughton (1843), 1. cl. and F. 200; (K. S. C. 43)

۳ ملاحظہ ہو باب ۲۴ ما بعد۔

اس کی نوعیت و ماہیت[۱] کو نہ سمجھ سکتا تھا یا (اگر وہ اس سے واقف تھا) یہ نہ سمجھ سکتا تھا[۲] کہ اس کا وہ فعل اخلاقاً قبیح ہے[۳]

61 (۳) ملزم اس فعل کے عدم جواز کو سمجھتا تھا یا نہیں اس کے متعلق جج بیان کرتے ہیں کہ "اگر ملزم یہ سمجھتا تھا کہ وہ فعل ایسا ہے کہ اس کو نہ کرنا چاہیے اور وہ فعل قانون ملک کے بھی خلاف ہو تو

۱؎ یہ دونوں الفاظ محض مترادف ہیں (گو کہ طبی شہادتوں میں ان کو مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے) یہ ایک فعل کی اخلاقی نوعیت کے برخلاف اس کی جسمانی نوعیت کو ظاہر کرتے ہیں (12 Cr. App. R. 27) مثلاً ایک فاترالعقل شخص نے اس تصور میں ایک عورت کا گلا کاٹا کہ وہ ڈبل روٹی کاٹ رہا ہے۔

۲؎ اسٹیفن کا خیال ہے کہ "دلجمعی اور ہوشمندی" کے ساتھ اس فعل کے ناجایز سمجھنے کی ناقابلیت اس بات کا علم رکھنے کی تردید کے لیے کافی ہے۔

۳؎ جیسے مثلاً ہیڈ فیلڈ کی طرح اس کا یہ تصور ہو کہ اس کو خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ قتل کرے۔

۴؎ اس موقع پر "نہ کرنا چاہیے" کے مفہوم کے بارے میں یہ قرار دیا گیا تھا (Rex V. Codere (1916), 12 Cr. App. R. 21, 27) کہ اس سے مراد ایسا ناجایز فعل ہے جو ایک معقول آدمی کے معمولی معیار کے مطابق ناجایز ہو۔ اور اگر اس کو یہ علم ہو (قیاس قانونی کے تحت نہیں بلکہ واقعاً) کہ وہ فعل قانوناً ناجایز ہے تو گو کہ ان خفیف مقدمات میں تو ہمیشہ نہیں جو سرسری مقدمات کا اختیار سماعت رکھنے والی عدالتوں کے روبرو پیش ہوتے ہیں البتہ سنگین جرایم میں یہ تصور کرنا لازمی ہے کہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہ امر اس کے معمولی معیار اخلاق کے لحاظ سے ناجایز ہے۔ سرکار بنام پینگ (C. C. C. May, 21, 1919) میں مجنون قیدی دو مغالطوں میں مبتلا تھا (۱) کہ اس کی سالی زنا کرنا چاہتی ہے اور (۲) لہٰذا اس کا یہ فرض ہے کہ اس کے انتقام میں اس کو قتل کرے۔ جسٹس ڈارلنگ نے جوری کو ان الفاظ میں ہدایت دی کہ "وہ اپنے فعل کی نوعیت و ماہیت پر مطلع تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ وہ گولی چلا رہا ہے اور

ایسی حالت میں وہ سزا کا مستحق ہے" لہذا معیار یہ ہے کہ آیا خاص اس فعل کے مدنظر ملزم کو بُرے بھلے کی تمیز تھی یا نہیں، نہ کہ عام حالت کے لحاظ سے جیساکہ پہلے سمجھا جاتا تھا۔

(۴) جب کوئی ایسا شخص کسی مجرمانہ فعل کا مرتکب ہو جو اپنے گرد و پیش کے حالات کے متعلق مجنونانہ مغالطے میں مبتلا ہو اور جس کی وجہ سے وہ اس فعل کی اصل ماہیت کے سمجھنے پر قادر نہ ہو تو اس پر اسی حد تک ذمہ داری عاید ہوگی جتنی کہ اس کے توہمات کے مطابق واقع ہونے کی حالت میں ہوتی مثلاً یہ کہ وہ (خود) ایک سرکاری جلاد ہے اور عدالت کے حکم کا جایز طور پر نفاذ کر رہا ہے یا اس کے برخلاف یہ تصور ہو کہ مقتول نے اس کو تاش کھیلتے وقت دھوکا دیا تھا۔

مزید براں مجنونانہ مغالطے کی بناپر جو صفائی پیش کی جائے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فعل براہ راست مغالطے سے مربوط ہو۔ اس کی ایک مثال اسکاٹ لینڈ کے ایک واقعے سے دی جاسکتی ہے (جو فتور عقل کی وجہ سے نہیں بلکہ نیند کے غلبے کی وجہ سے ہوا) کہ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ کسی وحشی جانور سے لڑ رہا ہے اور اپنے شیر خوار بچے کو مار ڈالا[1]۔ اس کے برخلاف ایک فاتر العقل شخص کو مغالطہ تو

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ اور یہ کہ گولی چلانے کے اس فعل سے وہ مر جائے گی۔ لیکن کیا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کسی ناجایز فعل کا ارتکاب کر رہا ہے۔؟ اگر وہ اتنا سمجھتا ہو کہ اس کا وہ فعل معمولی حالات میں ناجایز ہوگا تو یہ صفائی قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس کا یہ خیال تھا کہ اس خاص صورت کے خاص حالات کی وجہ سے اس کا اس فعل کو انجام دینا مناسب ہوگا" وہ مجرم قرار دیا گیا اور سزایاب ہوا۔

[1] (Advocate, H. M. V. Traser (1878), 4 couper 70) یہ شخص بری کر دیا گیا۔

یہ تھا کہ وہ ایک مشہور شہزادے کا صحیح النسل بیٹا ہے لیکن اس نے
اس مغالطے سے قطع نظر کسی شخص کو دھوکا دے کر رقم وصول کی تھی 62
لہٰذا وہ مجرم قرار دیا گیا۔

ججوں سے جو سوالات کیے گئے تھے ان کا تعلق ظاہر ہے کہ
صرف مجنونانہ مغالطوں اور مجنونانہ نافہمیوں سے تھا لیکن فتور عقل
کا اثر صرف انسان کے معتقدات پر ہی نہیں ہوتا بلکہ (حقیقت
یہ ہے کہ اس سے کہیں زیادہ) اس کے جذبات اور ارادوں پر
بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۸۴۳ء کے بعد سے اس مسئلے پر بہت کچھ
بحث و تمحیص ہو چکی ہے کہ فتور عقل کی ان دوسری اقسام کی بنا پر
کس حد تک فوجداری ذمہ داری سے براءت دینا درست ہوگا۔
نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ میکناٹن کے مقدمے کے بعد جو اصول طے
ہوئے تھے ان میں نظریے کی حد تک کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے[1]
لیکن جس قدر براءت ان کے الفاظ سے پہلی نظر میں ظاہر ہوتی ہے
عملاً اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ عطا کی جاتی ہے۔ چنانچہ
فتور عقل کی بہت سی ایسی شکلیں ہیں جن میں فی نفسہٖ اس قسم کا
اختلال دماغی موجود نہیں ہوتا جس کو ان ججوں نے موجب براءت
قرار دیا ہے لیکن اب عادتاً اس (ناکافی) نوعیت کے فتور عقل
کو بجائے خود اس امر کی شہادت تصور کیا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسی
خرابی بھی واقعی طور پر موجود ہے جس کی بنا پر استثنیٰ منظور کرنا درست
ہونا چاہیے۔ ایک شخص جو اپنے بچے کو ہلاک کر کے سیدھا کوتوالی

---

[1] ملاحظہ ہو (14 Cr. App. R. Page 54) اور (15 Cr. App. R. Page 12) اور
خصوصیت سے (Rex v. True (1922), 16 Cr. App R. 164) عدالتوں کو
فی نفسہٖ فتور عقل سے غرض نہیں ہوتی بلکہ فوجداری ذمہ داری سے غرض ہوتی ہے
-(Essays in Juresprudence, A. L. Good hart Pages 46-47)

جاتا ہے تاکہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردے اور جو کچھ اُس نے کیا ہے اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیتا ہے یقینی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے فعل کی ماہیت و نوعیت پر مطلع ہے اور یہ بظاہر اس کو معلوم ہے کہ اس نے ناجایز فعل کا ارتکاب کیا ہے لیکن پھر بھی اگر جنون کے کچھ آثار اس میں اس سے پہلے پائے گئے تھے تو اس نے اس بچے کو کسی ایسی وجہ تحریک کے تحت نہیں مارا جس کا پتا لگایا جا سکتا ہو اور نہ اس واقعے کو چھپانے کی کوشش کی توجیح غالبًا جوری کو اس طرف مایل کرے گا کہ وہ ان واقعات کو اس امر کی شہادت تصور کرے کہ ملزم اس قسم کے فتور عقل میں مبتلا تھا کہ اس کی بنا پر وہ ذمہ داری سے بری قرار پاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صرف یہ واقعہ کہ کوئی جرم بغیر کسی ظاہری غرض کے کیا گیا ہے فی نفسہٖ اس طرح کی براءت کے لیے یقینًا کافی نہیں ہے۔ 63

کسی شخص میں اگر کسی فعل کے کرنے کی مجنونانہ خواہش پائی جائے تو یہ محض اس امر کی شہادت ہوتی ہے کہ وہ شخص اس نوعیت کے فتور عقل میں مبتلا ہے جو قابل معافی ہے، لیکن اس سے بذات خود فوجداری ذمہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ریاست ہائے متحدہ میں

ل ملاحظہ ہو مقدمہ ہوناکاکس (اخبار دی ٹائمس ۲۹ جولائی ۱۹۰۱ء) یہ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتی تھی لیکن اس نے افلاس کی وجہ سے اپنے دو بچوں کو پانی میں غرق کر دیا، چونکہ ان کے لیے اس سے بہتر سلوک ممکن نہ تھا، اگرچہ اس فعل سے قبل یا بعد اس کے اندر کوئی دوسرے علامات جنون نہ پائے گئے تھے لیکن اس پر بھی جسٹس بائیگھم نے جوری کو یہ ہدایت کی کہ اس کو اس حد کا فاتر العقل قرار دے جس سے وہ اپنے فعل کی ذمہ دار نہ قرار پائے۔

ے (Reg. V. Haynes (1859), 1 F. and F. 666 (K. S. C. 52)

سپریم کورٹ وتیز بعض ریاستوں کی عدالتیں اس امر کو تسلیم کرتی ہیں کہ اگر ملزم میں کسی جرم کے کرنے کی ناقابل برداشت خواہش پائی جائے خواہ اس کو یہ علم بھی ہو کہ وہ فعل ناجایز ہے تب بھی وہ اس کی صفائی کے لیے کافی ہے۔ انگلستان میں اس نظریے کی تائید میں عدالتی آرا[1] موجود ہیں کہ مجنونانہ خواہش اگر حقیقتہً ناقابل برداشت ہو (ایسا نہ ہو کہ اسے صرف برداشت نہ کیا گیا ہو) تو اس کو صفائی میں قبول کرنا چاہیے۔ چونکہ ایسی حالت میں وہ فعل قطعاً ارادی نہ ہوگا لیکن کورٹ آف کریمنل اپیل نے اس صفائی کو مسترد کر دیا۔[2] ۱۹۲۴ء[3] میں ناقابل برداشت خواہش کو صفائی میں قبول کرنے کی بابت قانون وضع کرنے کے لیے بارہ ججوں سے مشورہ کیا گیا تھا۔ ان بارہ ججوں میں سے دس ججوں نے اس کے خلاف مشورہ دیا۔[4] لیکن اس میں شبہہ نہیں ہے کہ عملاً ناقابل برداشت خواہش کی صورتوں میں جوریاں اکثر و بیشتر فتور عقل کی صفائی کو قبول کرلیتی ہیں۔[5] دشواری یہ ہوتی ہے ایسی خواہش کی شہادت میں جس کو برداشت نہ کیا گیا ہو اور ایسی خواہش کی شہادت میں جو ناقابل برداشت ہو امتیاز کرنا دقت سے خالی نہیں ہے۔[6]

مجنونانہ خواہش کی ایک شکل چوری کے مانیا کی ہے جس کو بعض اوقات خوش حال لوگ معمولی اور کم قیمت چیزوں کی چوری کے الزام کی صفائی میں مع شہادت یا بلا شہادت پیش کیا کرتے ہیں۔

---

[1] -(24 cox 403 and 83 J. P. 296)

[2] (Rex v. Kaprch (1925), 19 Cr. App. R. 50)

[3] اسی سال لارڈ اٹکن کی کمیٹی نے قانون میں تبدیلی کرنے کی تائید میں اپنی رپورٹ بھیجی -(cmd. 2005, P. 8)

[4] -(159 L T. Jo. 436)

[5] (Essays in Jurisprudence) صفحات ۴۲ - ۴۷ مصنفہ اے۔ ایل گوڈ ہارٹ -

ظاہر ہے کہ یہ غیر اہم دعوی پیٹی سشن کی عدالتوں میں رجوع کیے جاتے ہیں اور ان عدالتوں میں فتور عقل کا عذر زیادہ بے خطر ہوتا ہے چوں کہ ان عدالتوں کو مثل عدالت ہائے بالا کے یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اس ملزم کو جو اس طرح کا عذر پیش کرے "بحیثیت مجرم مجنون کے حراست میں رکھنے" کا حکم صادر کر سکیں[1]۔ یہ بات کہ چوری کی خواہش واقعتاً فتور عقل کی بنا پر پیدا ہوتی ہے اس وجہ سے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ بعض اوقات یہ خواہش خاص اوقات کے لیے مخصوص ہوتی ہے (مثلاً زمانۂ حمل میں) یا بعض خاص اشیا تک محدود ہوتی ہے (مثلاً ٹوپیاں، جوتے، میز پوش) اور یہ اشیا اتنی تعداد میں جمع کر لی جاتی ہیں کہ چور کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ 64

اب یہ نسبت بے خبری کی حرکات[2] کی صفائی کے (جیسی صرع یا خواب روی میں ہوتی ہیں) مجنونانہ خواہش کی صفائی کم پیش کی جاتی ہے۔ لیکن ہماری عدالتیں برخلاف یورپ کے دوسرے ممالک کی عدالتوں کے ابھی تک اس عذر سے مانوس نہیں ہوئی ہیں کہ جرم ہپناٹک ہدایات کے اثر سے وقوع میں آیا ہے جس کا کسی چالاک شخص نے عمل کیا تھا اور ملزم کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ انگلستان میں یہ "ہدایات" یا یہ عوارض جو (مثل جنون اختناقی یا جنون عصبی) فتور عقل کے قریب قریب سمجھے جاتے ہیں کس حد تک بری الذمہ قرار دینے کے لیے

---

[1] ایکٹ بابت سماعت مقدمات اشخاص خاتر العقلی ۱۸۸۳ء (46 and 47 vict. C. 38), S. 2)

[2] میکناٹن کے مقدمے کے سلسلے میں جو کلیے قایم کیے گئے تھے ان کے اندر یہ صورت بھی داخل ہے (14 Cr. App. R. Page. 55)

کافی ہیں۔ ان مسایل کو عملاً اب بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے
چونکہ جدید علمی تحقیقات سے یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ معمولی، ذہنی
جنون کے علاوہ جو انسان کی قوت فیصلہ کو خراب کر دیتا ہے
ایک قسم قلبی جنون کی بھی ہے جو اس کی قوت ارادی کو متاثر
کرتا ہے۔ اس سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تحریکات عمل کمزور
ہو جاتی ہیں اور کبھی غیر معمولی طور پر پیدا ہوتی ہیں تیسری قسم
ہیجانی جنون کی ہے۔ اس سے انسان کے جذبات محبت
و نفرت میں برہمی پیدا ہو جاتی ہے[1]۔

علاوہ ازیں بہت سے ایسے اشخاص ہیں جو اگرچہ ایسے
فاترالعقل نہیں ہیں کہ فوجداری ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار
دیے جائیں یا ان کو شاید نگرانی کی ضرورت ہو لیکن پھر بھی ان کے 65
دماغ میں اعتدال نہیں ہے۔ ۱۹۰۸ء میں اراکین کمیشن نے
دماغی مریضوں کی (جو قوم میں فی ہزار آٹھ اشخاص ہیں لیکن ان میں سے
انیس فی صدی کو پولیس نے گرفتار کیا ہے) باعتبار تشخیص مرض
اس طرح درجہ بندی کی ہے:

---

[1] سرکار بنام ہیڈان میں شدت غم کی وجہ سے ایک صحیح العقل شخص کے دماغ میں عارضی طور پر اختلال پیدا ہو جانے کی صورت پر غور کیا گیا تھا۔ اس مقدمے میں ایک صحیح العقل عورت پر اپنے بچے کو زہر دینے کی بابت مقدمہ قایم کیا گیا تھا۔ زہر ایسے وقت دیا گیا تھا جب اس کا دماغ صحیح تھا لیکن وہ اپنے شوہر کی موت کی وجہ سے صدمے میں تھی جسٹس شیئرمین نے جوری سے کہا کہ اگر ان کا یہ خیال ہو کہ اس کو اس شدت سے صدمہ تھا کہ وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ زہر دینا خطرناک امر ہے تو وہ اس کو صرف قتل انسان کا مجرم قرار دے سکتے ہیں لیکن جسٹس موصوف نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کا یہ فیصلہ جدید عنوان کا ہے (Daily Telegraph, Sept. 12, 1924)

I وہ لوگ جو کبھی صحیح العقل تھے لیکن اب نہیں ہیں خواہ (الف) خرابی دماغ کی وجہ سے یعنی مجانین، یا دماغی قوتوں کے انحطاط کی وجہ سے (مثلاً بڑھاپے میں) یعنی ضعیف العقل۔

II وہ اشخاص جن میں کبھی پوری دماغی قوت موجود نہ تھی (۱) احمق یعنی وہ لوگ جن میں دماغی حیثیت سے اس طرح کی خرابی ہے کہ وہ معمولی جسمانی خطرات خود کو نہیں بچا سکتے۔ (۲) خفیف العقل یعنی وہ لوگ جن میں خود ان کی بے نسبی حمق کی حد تک تو نہیں پہنچتی لیکن وہ اپنا اور اپنے معاملات کا بندوبست کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور اگر وہ بچے ہوں تو ان کو اس طرح کی تعلیم نہ دی جا سکتی ہو (۳) ناقص العقل یعنی وہ لوگ جن کے فہم کی کوتاہی خفت عقل کی حد کو تو نہیں پہنچتی لیکن پھر بھی وہ اپنے اور دوسرے لوگوں کے تحفظ کے لیے خبرگیری سرپرستی اور نگرانی کے محتاج ہوتے ہیں یا اگر وہ کمسن ہوں تو معمولی مدارس کی تعلیم سے استفادہ کرنے کے مستقلاً ناقابل رہتے ہیں (۴) اخلاقی حیثیت سے عیب دار اشخاص یعنی وہ لوگ جن میں دماغی نقص کے ساتھ سخت کمینہ یا مجرمانہ خواہشات جمع ہو جاتی ہیں اور دوسروں کے تحفظ کے لیے جن کی احتیاط خبرگیری اور نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس آخری قسم کے اشخاص (II (۱)۔ (۴)) میں عموماً یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ ان میں سزا کا ایسا خوف پیدا ہو کہ وہ اپنے اوپر کافی قابو رکھ سکیں چنانچہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۲۷ء (Mental Deficiency Act) (قوانین عدم قابلیت دماغی) منظور کیے گئے۔ ان قوانین کے ذریعے سے ایسی صورتوں کے لیے یہ بندوبست کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جو اٹھارہ سال کی عمر کے پہلے سے اس جماعت میں داخل ہو کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جس کو کوئی بالغ و عاقل شخص

کرتا تو
یا قید کا مستوجب قرار پاتا وہ عدالت جو اس کو مجرم قرار دے اس کو
یہ اختیار ہے کہ بجائے سزا دینے کے اس کو کسی شخص کی سرپرستی
میں دے دے یا کسی ایسے ادارے کو روانہ کر دے جہاں
66 برگشتہ دماغ لوگ رکھے جاتے ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں ایسے باون[۵۲] اشخاص
کو عدالتوں نے ان اداروں میں داخل کرایا۔

اس قسم کی دماغی خرابی اگر زیادہ عمر کے بعد پیدا ہو تو اس
حالت کے لیے ابھی تک کوئی ایسا انتظام نہیں کیا گیا۔ اس
نوعیت کے مقدمات کو بجائے اس کے کہ سماعت کے دوران
میں رواداری سے طے کیا جائے شاید یہ بہتر ہے کہ ہوم آفس ان کا
تصفیہ کیا کرے۔ ممالک متحدہ، فرانس اور اسکاٹ لینڈ میں دماغی
بے اعتدالی کی ان شکلوں کو جو اس قدر خفیف ہوتی ہیں کہ ان کی بنا پر
کاملاً استثنٰی منظور نہیں کیا جا سکتا تخفیف سزا کا موجب سمجھا جاتا ہے
اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ہر قسم کا فتور عقل اپنے اوپر قابو اور
اختیار رکھنے کی قوت کو کمزور کر دیتا ہے اور مجرم کا اخلاقی جرم اسی
تناسب سے کم ہو جاتا ہے لہذا انتقامی نظریے کی رو سے
اس کی سزا میں بھی اتنی ہی کمی ہونا چاہیے (لیکن سزا کے انسدادی
نظریے کے مطابق یہ استدلال اس مقصد کے خلاف یعنی سزا
کے اضافے کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ چونکہ انسان کی
قوت ارادی جس قدر کمزور ہو گی اتنی ہی زیادہ سخت سزا کا خوف
دلا کر اس کی روک تھام کی ضرورت ہو گی۔) انگلستان میں اکثر
اپنے اوپر قابو رکھنے کی قوت کی کمی کو تخفیف سزا کا موجب
سمجھا جاتا ہے مثلاً جب لو لگنے یا نیند کی بیماری سے صحت یاب

---

۵۲ ملاحظہ ہو طفل کشی صفحہ ۱۴۲ ما بعد اصل کتاب؟

ہونے کے بعد انسان کی قوت ارادی مستقل طور پر اتنی کمزور ہو جائے کہ وہ کسی وقتی تفریح میں منہمک ہو جاتا ہو اور عواقب پر نظر نہ کرتا ہو۔ استدلال کا مقتضا بہر حال یہ ہے کہ غیر مستثنیٰ فتور عقل کی وجہ سے بجائے اس کے کہ سزا کو محض کم کر دیا جائے معالجانہ نوعیت دے کر اس میں ترمیم کر دینا چاہیے۔

جن مقدمات میں جو رسمی[1] فتور عقل کی صفائی قبول کر لے[2] ان میں 67
اس رائے کی شکل یہ ہوتی تھی :-

[1] جسٹسز آف دی پیس جب کسی جرم کی سرسری طور پر سماعت کر رہے ہوں تو وہ صفائی کو قبول کر سکتے ہیں لیکن جب کسی عدالت بالا کی سپردگی کے لیے شہادت قلمبند کر رہے ہوں تو ایسا نہیں کر سکتے۔

[2] انگریزی قانون کی رو سے (صفحہ ۶۰ ماقبل اصل کتاب ؟) ملزم کے متعلق قیاس یہی ہوتا ہے کہ وہ صحیح العقل ہے لہٰذا مجرم پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے فتور عقل کا واضح طور پر ثبوت بہم پہنچائے۔ لیکن اس قاعدے کے اندر ظاہرا طور پر جو سختی معلوم ہوتی ہے اس کو موجودہ عملدر آمد کے ذریعے سے رفع کر دیا جاتا ہے۔ عملدر آمد یہ ہے کہ ملزم کی دماغی کیفیت کے متعلق تاج کے پاس جتنی بھی معلومات ہیں مثلاً محبس کے ڈاکٹر کی رپورٹ، وہ سب جج اور ملزم کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ ملزم کا مشیر قانونی بعض اوقات یہ مناسب سمجھتا ہے کہ فتور عقل کی صفائی پیش نہ کرے۔ اسی طرح ایسا ملزم جس کی طرف کوئی وکیل نہ ہو وہ بھی یہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگر ملزم کی طرف سے کوئی وکیل نہ ہو تو وکیل سرکار جج سے واضح طور پر یہ سوال کرے گا کہ آیا عدالت مناسب سمجھتی ہے کہ میں طبی شہادت طلب کروں ایسا طبی گواہ جس نے ملزم کو سماعت مقدمہ سے قبل نہیں دیکھا اس سے کسی طرح یہ دریافت نہ کرنا چاہیے کہ آیا اس شہادت کی بنا پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ ملزم فاتر العقل تھا۔

(Trial of Lunatics Acts "لیکن اب
"فتور عقل کی وجہ سے مجرم نہیں ہے"
۱۸۸۳ء (قانون بابت سماعت مقدمات مجانین) کی رو سے یہ صورت قرار دی گئی ہے:
فعل (یا ترک فعل) کا مرتکب ہے لیکن ایسا فاتر العقل ہے کہ از روئے قانون
بوقت ارتکاب (یا ترک فعل) اپنے عمل کا ذمہ دار نہیں تھا۔[۱]"
عدالت تب یہ حکم دیتی ہے کہ ملزم کو تا منشائے شاہی
بحیثیت "مجنون مجرم"[۲] نگرانی میں رکھا جائے۔ ملکۂ معظم جس وقت
تک اور جس مقام اور طریقے پر چاہیں اس کو نگرانی میں رکھنے کا حکم
صادر کر سکتے ہیں۔ نظر بندی عموماً تا حیات ہوتی ہے[۳] اور اسی وجہ
سے فوجداری کی عدالت ہائے بالا میں بجز سنگین جرائم کے
فتور عقل کی صفائی پیش نہیں کی جاتی۔[۴]
یہ بھی ملحوظ رہے کہ فتور عقل کو، علاوہ اس کے کہ فوجداری

۱۔ ۱۸۸۳ء والی شکل ملکۂ وکٹوریہ نے اختراع کی تھی اور اس کے ذریعے سے گو کسی قدر
غیر منطقی طور پر اس جرم پر زور دیا جاتا ہے جس کو قانون جرم شمار نہیں کرتا۔ ان پر
متعدد مرتبہ مجنونوں نے حملہ کیا تھا جس سے ان کی جان خطرے میں پڑ گئی تھی۔
۲۔ عموماً قریب ایک ہزار مجرم مجنون حراست میں رہتے ہیں۔
۳۔ ان زنانہ قیدیوں کے علاوہ جن کے فتور عقل کی نوعیت ولادت کے بعد لاحق
ہوجانے والے مانیا کی ہوتی ہے ایک سو پچاس قیدیوں میں سے صرف ایک
ایسا ہوتا ہے جس کو براڈمور سے رہائی ملتی ہے۔ اس پاگل خانے کا سالانہ
خرچ ۹۲۰۰۰ پونڈ ہے۔
۴۔ اس زمانے میں تقریباً بائیس سال میں تینتیس ۳۳ فی صدی مقدمات قتل عمد میں
یہ صفائی کامیاب ہوئی لیکن دوسرے فوجداری مقدمات میں دو فی صدی
سے کم مقدمات میں اس صفائی کو قبول کیا گیا۔ جن مقدمات میں یہ صفائی پیش
کی جاتی ہے اس کی عملی کارروائی ایک نہایت واضح اور تفصیلی کیفیت اخبار
دی ٹائمس، مورخہ ۲۰ اپریل ۱۸۸۲ء میں ملتی ہے۔

ذمہ داری پر اس سے اثر پڑتا ہے، فوجداری قانون میں دوسری
حیثیتوں سے بھی بعض اوقات اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ چونکہ
اگر کوئی شخص ارتکاب جرم کے بعد فاتر العقل ہو جائے[۱] تو
(ایک ایسے پردیسی یا بہرے گونگے شخص کی طرح جن کے مافی الضمیر
کا بتلانے والا نہ ملتا ہو) اس کے مقدمے کی سماعت نہ ہو سکے گی۔
جب ایسے شخص کے فاتر العقل ہونے کی تصدیق ہو جائے
تو سکریٹری آف اسٹیٹ اس کو مجنون مجرم کی حیثیت سے اس وقت
تک کے لیے روک رکھنے کا حکم دے سکے گا جب تک کہ
اس کے محبس میں رہنے کا یا رہائی[۲] کا حکم نہ دیا جائے یا وہ عدالت
جس کے روبرو اس کا مقدمہ پیش کیا گیا ہو جوری کی اس رائے پر کہ
وہ پیروی کرنے کے قابل نہیں ہے اس کو تا انشاے شاہی[۳] نگرانی 68
میں رکھنے کا حکم صادر کر سکے گی۔ علاوہ ازیں اگر مجرم قرار پانے کے بعد
کوئی شخص فاتر العقل ہو جائے[۴] تو تا حصول صحت اس کو پھانسی
نہیں دی جا سکتی چونکہ ممکن ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسا عذر
موجود ہو جسے صحیح العقل ہونے کی حالت میں وہ پھانسی کے
روکنے کے لیے پیش کر سکتا۔[۵] اگر جوری کی رائے ملزم کے خلاف

۱؎ کسی نوعیت کے قابل عطائے صداقت نامۂ فتور عقل ہیں۔ خواہ وہ فتور عقل
ایسا نہ بھی ہو جو میکناٹن والے قواعد کے اندر آتا ہو۔

۲؎ ایکٹ بابت مجرمین فاتر العقل ۱۸۸۴ء (وکٹوریا)۔

۳؎ ایکٹ بابت مجرمین فاتر العقل ۱۸۰۰ء (جارج سوم)۔

۴؎ کسی نوعیت کے قابل عطائے صداقت نامہ فتور عقل میں۔ خواہ وہ فتور عقل
ایسا نہ ہو جو میکناٹن والے قواعد کے اندر آتا ہو۔

۵؎ ہر سال ایسے ملزمین کی تیس سے کم تعداد ایسی ہوتی ہے جو اتنے فاتر العقل
ہوتے ہیں کہ ان کے مقدمے کی سماعت ہی نہیں ہو سکتی اور جن ملزمین کے مقدمات کی

ہو تو ایسے مقدمات میں ڈاکٹروں کے تفصیلی معائنے کے ذریعے سے اس پر نظر ثانی ہو جاتی ہے[۱]۔ سنہ ۱۸۴۳ء سے کسی ایسے مجرم کو جس کے لیے فاتر العقل ہونے کا صداقت نامہ دیا گیا ہو پھانسی نہیں دی گئی اور کورٹ آف کریمینل اپیل نے اس امر میں تامل کا اظہار کیا ہے کہ دار المجانین میں رکھنے کے بعد ملزم کو زیادہ طولانی مدت تک قید میں رکھا جائے[۲]۔

(۳) نشہ۔

نشہ خواہ الکحل کے استعمال سے پیدا ہوا ہو یا دوا یا جڑی بوٹی سے اور خواہ اس کی وجہ سے دماغ میں بہت زیادہ خلل پیدا ہو گیا ہو، عام طور پر کسی مجرمانہ فعل کے ارتکاب کے لیے وجہ معافی نہیں ہے۔ چونکہ برخلاف جنون کے یہ کیفیت بالارادہ پیدا کی جاتی ہے اور اس کا پیدا کرنا اخلاقاً و نیز قانوناً[۳] دونوں حیثیتوں سے ناجائز ہوتا ہے لہذا قانون نے ایک ناجائز فعل کو دوسرے ناجائز فعل کے لیے وجہ براءت نہیں قرار دیا[۴]۔ چنانچہ اگر شدید

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سماعت ہوتی ہے ان میں سے چالیس ملزمین سے کم ایسے ہوتے ہیں جو فتور عقل کی بنا پر بری کر دیے جاتے ہیں۔ وہ ملزمین جو اس طرح بری کر دیے جائیں کورٹ آف کریمینل اپیل میں فیصلے کے کسی نصف جزو کے خلاف مرافعہ نہیں کر سکتے (Felstead v. Rex (1914) A. C. 534)

[۱] ہوم آفس مصنفہ ٹروپ صفحہ ۱۲۷۔

[۲] Rex v. Kenneally (1930) 22 cr. App. R. 52

[۳] سنہ ۱۸۷۲ء تک تحت (4 Jac. 1, c.5,s.2;) یہ فوجداری جرم تھا اور اب بھی اس کے پیدا کرنے کی سازش جرم ہے اور اس کی بابت معاہدہ کالعدم ہے۔

[۴] فتور عقل خواہ پینے کی عادت ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو (جیسی کہ نشہ کی مدہوشی کی بعض صورتوں میں ہوتا ہے) اس کی بنا پر فوجداری ذمہ داری سے اتنی ہی

غفلت[۱] کی بنا پر کوئی مہلک حادثہ پیش آجائے تو ایسا ڈرائیور ہی 69
مستوجب سزا نہ ہوگا جو اپنے ہوش و حواس میں ہو بلکہ مخمور بھی[۲] اپنے
عمل کا اسی طرح ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص شراب کے نشہ
کی تیزی میں اپنے کسی ایسے پرانے دوست کے چھری بھونک دے
جس سے نشہ میں نہ ہونے کی صورت میں کبھی کوئی بدمزگی پیدا نہ
ہوئی ہو یا کوئی ایسی تصویر چرالے جس کی طرف پہلے اس نے کبھی
دھیان نہ دیا ہو تو یہ صفائی قطعاً کافی نہیں ہے کہ "یہ سب شراب
کے کرتوت ہیں"[۳] قدیم قانون کا تصور تو یہ تھا کہ جن جرایم کے
ارتکاب کی طرف اصلاً نشہ کی وجہ سے رغبت پیدا ہوئی ہو ان میں
نشہ کے وجود سے اس کے جرم میں اضافہ ہو جاتا ہے[۴]۔ لیکن

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ کامیابی کے ساتھ استثنیٰ عمل میں آتا ہے جتنا کہ ایسے فتور عقل کی حالت میں
جو بد اطواری پر مبنی نہ ہو۔ اور ان شاذ صورتوں میں جن میں خود نشہ کے طاری ہونے میں مخمور
کی خطا نہ ہو جیسے مثلاً لازمی علاج کی بنا پر یا بد اطوار ساتھیوں کے فریب کی بنا پر
(مقدمہ پیرس ۱۸۳۵ء) تو اس کی وجہ سے کاملاً اتنا ہی استثنیٰ حاصل ہوگا جتنا فتور عقل کی حالت
میں ہوتا ہے۔ آئرلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ میں اس استثنیٰ کا فایدہ ان اشخاص کو بھی دیا
جاتا ہے جو تکان یا بیخوابی کی وجہ سے شراب کی اتنی تھوڑی مقداریں جو عموماً ان پر پہلے اثر نہ
ہوتی ہو لیکن ان کو نشہ ہو جائے Reg. Mary R. (1887)

[۱] Reg v. Doherty (1887), 16 Cox, 306, 309. (ڈاکٹر کی غفلت)۔

[۲] جیسے مثلاً جیمس بنام برٹش جنرل انشورنس کمپنی (۱۹۲۷) ۲ کنگس بنچ ۳۱۱ و ۳۲۵۔
اس مقدمے میں ایک شخص بالارادہ نہیں بلکہ حماقت سے مخمور ہو گیا تھا اس کو
قتل انسان کے جرم میں بارہ ماہ قید کی سزا دی گئی اور ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷ مابعد (اصل کتاب)

[۳] گو یہ لارڈ کاکبرن جیسے پر مذاق اسکاٹش جج کے اصول کے مطابق نہیں کہ
جب نشہ کی حالت میں بھی وہ اس قدر بدخصلت باقی رہتا ہے تو جب
صحیح الحواس ہوتا ہوگا تو کیسا ہو جاتا ہوگا۔

اس زمانے کی عدالتیں اگرچہ اس خیال پر تو قایم ہیں کہ نشہ کی وجہ سے جرم قابل معافی نہیں ہو جاتا تاہم یہ تسلیم کرتی ہیں کہ اس کی وجہ سے سزا میں تخفیف ہو سکتی ہے[1]۔ مزید براں اگرچہ نشہ بجائے خود دماغ کی مجرمانہ کیفیت کا کوئی معقول عذر نہیں ہے لیکن یہ اکثر اوقات صفائی میں ممد ہوتی ہے اور اس کا وجود اس امر کی شہادت ہو جاتا ہے کہ ارتکاب فعل کے ساتھ مجرمانہ نیت موجود نہ تھی۔ کیونکہ نشہ کی وجہ سے (ایسے خفیف اسباب کی بنا پر جو ایک صحیح الحواس شخص کو اس نتیجے پر نہ پہنچاتے) واقعات کی ایسی غلطی[2] واقع ہو سکتی ہے جو مجرمانہ نیت کے وجود کے منافی ہو[3]۔ ایک مخمور شخص کسی دوسرے کی چھتری کو اپنی تصور کر لیتا ہے یا ایسے اشارے کو جو نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہو، حملہ تصور کر لیتا ہے اور مفروضہ حفاظت خود اختیاری میں مار بیٹھتا ہے[4]۔

نشہ کے متعلق جو قانونی نقطۂ نظر ہے اس کی ایک مستند تشریح
70 سنہ ۱۹۲۰ء میں آٹھ امرائے قانون نے باتفاق آرا مقدمہ ڈائرکٹر پبلک پراسیکیوشنس بنام بیرڈ بیش کی ہے۔ اس فیصلے میں یہ طے ہو گیا ہے کہ

[1] 1 Cr. App. R. 181, 255 ; 25 T. L. R. 76.

[2] ایک بچے کی بپتسمہ کی دعوت کے موقع پر اس کی نرس اتنا پی گئی کہ اس کے ہوش و حواس بالکل درست نہ رہے اور اس نے لکڑی کے کندے کے خیال میں بچے کو آگ پر رکھ دیا۔ نظائے فوجداری نے اس کو بری کر دیا (Gent. Mag. 1748, P. 570.)

[3] ملاحظہ ہو صفحہ ۵۰ (اصل کتاب؟) مابعد۔

[4] Reg. v, Gamlen (1658), 1 F. and F. 90. اس سے مقابلہ کیجیے 31 T. L. R. 361 ونیز 12 Cr. App. R. 221. امریکا میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ ملزم کی مخموریت سے اس کے علم کی تردید ہوتی ہے جیسے مثلاً مال مسروقہ کے لینے میں۔ U. S. v. Roudenbosh اور The People v. Harris (1866) 29 Cal. 678.

(۱) جیساکہ اوپر بیان ہو چکا ہے "صرف یہ ثابت کر دینا کہ اس شخص کا دماغ شراب کی وجہ سے اس قدر متاثر تھا کہ وہ کسی شدید اشتعال سے زیادہ آسانی کے ساتھ مغلوب ہو گیا" کوئی معقول عذر نہیں ہے لیکن (۲) اگر حقیقۃً واقعی فتور عقل (جنون) پیدا ہو جائے خواہ وہ کثرت شراب نوشی ہی کی وجہ سے ہو تو اس کو فوجداری دعوے کے مقابل میں اتنی ہی مکمل صفائی تصور کیا جائے گا جتنا کہ دوسرے اسباب سے پیدا ہونے والے فتور عقل کو۔ فتور عقل اگر عارضی ہو تب بھی اس کو صفائی میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاہم (۳) محض نشہ کی صورتوں میں بہ نسبت فتور عقل (جنون) کے "استثنیٰ" کا معیار زیادہ سخت ہے۔ جن مقدمات میں نشہ کی صفائی پیش کی گئی ہو اور فتور عقل (جنون) کا عذر نہ پیش کیا گیا ہو جج کو جوری سے یہ سوال نہ کرنا چاہیے کہ "آیا ملزم یہ سمجھتا تھا کہ وہ ناجایز کام کر رہا ہے"۔ پھر بھی (۴) دوسرے واقعات کی شہادت کے ساتھ ساتھ اس طرح کے نشہ کی شہادت کا بھی لحاظ ہونا چاہیے جو ملزم کو کوئی ایسا معین ارادہ قایم کرنے کے ناقابل بنا دے جو تکمیل جرم کے لیے ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جرم کے ارتکاب میں اس کے ارادے کو دخل تھا یا نہیں۔ ایسی صورت میں نشہ اگر اس دماغی عنصر کے وجود کے منافی ہو جو تکمیل جرم کے لیے ضروری ہے تو اس جرم کے ارتکاب کی تردید ہو جاتی ہے"۔ چنانچہ[۱] کسی مخمور شخص میں ایسی صلاحیت موجود نہ ہونے سے کہ وہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے یا بوقت قتل شدید جسمانی مضرت پہنچانے کا ارادہ کرے اس کا جرم قتل عمد[۲] سے

---

[۱] جیساکہ ایچ۔ ایم۔ ایڈوکیٹ بنام کیمپ بل میں ہوا (Scotch Justiciary Cases, 1921, P.1)

[۲] (Rex v. Meakin (1837), 7c and P. 297) میں یہ رائے قایم ہوئی تھی کہ جب خطرناک آلہ استعمال کیا جائے تو فاسد نیت پر غور کرنے میں نشہ کے وجود کو کوئی دخل نہ ہوگا۔ لیکن ملاحظہ ہو (Reg v. Doherty (1887), 16, Cox 306)

گھٹ کر قتل انسان پر آجاتا ہے (موخر الذکر جرم میں کسی معین ارادے
کی ضرورت نہیں ہے۔) ایک مخمور شخص کے معاملے میں قتل عمد کو
71 قتل انسان بنانے کے لیے کم اشتعال طبع کافی ہوسکتا ہے[1]۔ بیرڈ
کے مقدمے کے فیصلے میں آگے چل کر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ
اصول ایسا نہیں ہے کہ اس کا صرف انھی حالات میں اطلاق ہوسکے
جن میں معین ارادے کا ثبوت درکار ہوتا ہے .... بلکہ
عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک نیت مجرمانہ نہ ہو کوئی شخص
مجرم نہیں قرار دیا جاسکتا"۔ نشہ کی وجہ سے ایک شخص ان معین
ارادوں کے قایم کرنے ہی سے نہیں بلکہ قطعاً ہر ارادے کے
قایم کرنے سے معذور ہوسکتا ہے[2]۔

کورٹ آف کریمینل اپیل نے سرکار بنام میڈ (1909. 1.K.B. 895)
میں یہ قرار دیا کہ اگر کوئی شخص اس حد تک مخمور ہو کہ "یہ نہ سمجھ سکتا ہو کہ
جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ خطرناک ہے یعنی یہ کہ اس سے سخت مضرت
پہنچنے کا احتمال ہے"۔ تو اس سے اس قیاس کی تردید ہوتی ہے کہ
اس کا ارادہ اپنے فعل کے قدرتی نتایج پیدا کرنے کا تھا[3]۔ لہٰذا

لہ (Rex v. Letenock (1917), 12 Cr, App. R. 221) جب تک یہ فیصلہ نہ ہوا تھا اُس
وقت تک یہ بات صاف نہ ہوئی تھی کہ آیا کم درجے کا اشتعال کافی ہے یا اوسط درجے کے اشتعال کا ہونا ضروری تھا
لیکن جب اس طرح کا اشتعال طبع موجود ہو تو زیادہ آسانی سے اندیشہ پیدا ہوتا ہے (Reg. v. Thomas (1837),
(Rex v. Birchall اور Rex v. Marshall (1830) 1 Law. 76) 7c. and P. 817)
(1913), 29 T. J. R. 711, 9 Cr. App. R, 91) سے مقابلہ کیجیے۔

سلہ اس مقولے کی تنقید کے لیے ملاحظہ ہو (Defence of Drunkenness in Criminal Law)
مصنفہ آر۔ یو۔ سنگھ (49 L.Q.R. 528)

سلہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ (Rex. v. Meade) کا عام اصول (Rex v. Beard) میں
تسلیم کر لیا گیا ہے گو کہ آخر الذکر مقدمے کے ذریعے سے ایک استثنیٰ قایم کیا گیا ہے۔

لہٰذا استرے سے اگر کوئی مہلک حملہ کیا جائے تو وہ قتل عمد سے گھٹ کر زیادہ سے زیادہ قتل انسان سمجھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح سرکار بنام گریفتھمن نے Nov. 17,1913 اس نظیر کی تائید کی کہ "وہ نشہ کی ایسی حالت جس کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھ سکتا ہو کہ اس کے فعل سے سخت جسمانی مضرت پہنچے گی" صفائی میں پیش کی جاسکتی ہے

چنانچہ نشہ کی بنا پر یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص جس نے ظاہر بظاہر نقب زنی کی ہے چوری کا ارادہ نہ رکھتا تھا[۱]۔ یا یہ کہ ایک ظاہرا خودکشی کرنے والا شخص پانی میں ایسی حالت میں کودا کہ "وہ اس قدر پیے ہوئے تھا کہ اس کو خبر نہ تھی کہ وہ کیا کررہا ہے[۲]۔ ایک خاص جرم کی تعریف کے اعتبار سے اس کے ارتکاب میں جس قدر زیادہ پیچیدہ ارادے کی ضرورت ہوگی اسی قدر اس کا امکان زیادہ ہوگا کہ نشہ کا وجود اس جرم کے کسی ضروری عنصر کے وجود کی تردید میں مفید ثابت ہو جیسے یہ ثابت کیا جائے کہ زخم کسی شدید جسمانی ضرر پہنچانے کی نیت سے نہیں لگائے گئے[۳]، یا یہ کہ تلبیس "دغا دینے کی نیت سے" عمل میں نہیں آئی۔ یہ ہوسکتا ہے ایک شخص اتنا نشہ میں مست ہو کہ وہ ہلاک کرنے یا شدید جسمانی مضرت پہنچانے کا ارادہ کرنے کے قابل نہ ہو لیکن پھر بھی وہ اس حد تک قصوروار ہو کہ قتل انسان یا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اور وہ یہ ہے کہ جب جرم و تعبیری قتل عمد، (Constructive Murder) اور کسی دوسرے جرم کبیر کے اقدام کے سلسلے میں واقع ہوگیا ہو۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۸۱۵ اصل کتاب ۹ ایڈ)

[۱] (The State v. Bell (1870). 29 Stiles 316 (K.S.C. 55)

[۲] (Reg v. Moore (1852); 3 C. and K. 319)

[۳] (Rex v. Meakin (1836) 7 C. and P. 297)

ناجایز زخم رسانی کا مجرم قرار دیا جائے۔
آخر میں اس امر کا اضافہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اوقات[1] اس سوال کا کہ "آیا وہ نشہ میں تھا" اتنا قطعی فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ گویا صحیح الحواسی کا کوئی ایک معین معیار موجود ہے۔ یہ ہمیشہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ نشہ کے مدارج ہوا کرتے ہیں۔ سرور کی کیفیت سے لے کر مدہوشی تک نشہ ہی کہلاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اتنا مخمور ہو کہ ایک کام صحیح طور پر نہ کر سکتا ہو لیکن دوسرا کام کرنے کی حد تک صحیح الحواس ہو۔ ہمارا صحیح الحواسی کا سب سے ابتدائی قانونی معیار حد سے زیادہ نرم تھا اس کی رو سے جب تک "جن پیروں سے ایک شخص مکان میں آیا ہو انھی پیروں سے باہر جانے کے قابل نہ ہو، اس وقت تک وہ نشہ میں نہ سمجھا جاتا تھا۔
(کنٹری جسٹس مصنفہ ڈالٹن صفحہ ۲۷- ۱۶۳۵ء)[2]
۱۹۳۰ء کے (Road Traffic Act) کے تحت اگر کوئی شخص کسی موٹر سواری (موٹر کار موٹر سیکل موٹر لاری وغیرہ) کو ایسی

---

[1] خصوصیت سے اس وقت یہ زیادہ ہوتا ہے جب یہ (عذر نہ ہو بلکہ) جز و جرم ہو، مثلاً نشہ کے متعلق جو مختلف خفیف جرائم ہیں: (۱) مقام عام میں (۲) لائسنس یافتہ مقامات پر (۳) اور بے قابو (۴) اور ہنگامہ فساد کرنے والا (۵) بھری ہوئی آتشیں آلات حرب لیے ہوئے (۶) سات سال سے کم عمر کے بچے کو لیے ہوئے۔
اس وقت ایسا زیادہ ہوتا ہے۔

[2] یہاں پر یہ اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ ملزم کا نشہ میں ہونا خواہ وہ ارتکاب جرم کے بعد ہی کسی موقع پر ہو بعض اوقات اس کی براءت میں مفید ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس کی وجہ سے اس کے طرز عمل کی توجیہ ہو سکے گی۔ اس کے خلاف صورت میں یہ پتا چلے گا کہ وہ جرم کے ارتکاب پر مطلع ہے جیسے مثلاً بعد گرفتاری اس نے غلط بیانات دیے ہوں یا بیان دینے سے قطعاً انکار کر دیا ہو۔

حالت میں کہ وہ شراب یا کسی دوا یا جڑی بوٹی کے اثر سے اس
حد تک متاثر ہو کہ اس سواری پر پوری طرح قابو رکھنے پر قادر
نہ ہو[1] کسی شاہراہ یا کسی دوسرے مقام عام میں چلائے یا چلانے کا
اقدام کرے یا ایسی سواری اس کی تفویض میں ہو تو یہ عمل داخل جرم
ہوگا اور اس کے مرتکب کو چھ ماہ یا اور جرمانے کی سزا دی جا سکے گی۔
سرسری کارروائی کی صورت[2] میں چار ماہ کی قید اور پچاس پونڈ جرمانے
کی سزا دی جا سکے گی اور بار دیگر مجرم قرار پانے پر چار ماہ کی قید
اور ایک صد پونڈ جرمانے کی سزا دی جا سکے گی۔ بجز اس کے کہ 73
عدالت اس کے خلاف حکم دے ملزم بارہ ماہ تک لائسنس
رکھنے کے ناقابل سمجھا جائے گا اور یہ ناقابلیت زیادہ زمانے
کے لیے بھی عاید کی جا سکے گی[3]۔

(۴) ادارہ ہائے سند یافتہ Corporations

گزشتہ زمانے میں ادارہ ہائے سند یافتہ فوجداری قانون کی زد سے بالکل باہر تھے۔ اگر ادارہ ہائے سند یافتہ کے احکام سے کسی جرم کا ارتکاب ہوتا تھا تو اس ترغیب جرم کی بنا پر اراکین ادارہ کے خلاف بلحاظ ان کی ذاتی حیثیت کے فرداً فرداً کارروائی کی جا سکتی تھی۔ خود ادارے کو ایک مجرم شخص قرار دے کر یہ کارروائی نہ ہو سکتی تھی[4]۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ بر بنائے ضابطہ فوجداری عدالتیں یہ امید کرتی تھیں کہ ملزم ان کے سامنے کٹہرے میں موجود ہو۔ لہٰذا وہ وکالۃً حاضری[5] کی اجازت نہ دیتی تھیں۔ علاوہ ازیں اس امر کی

---

[1] (Rex v: Howkes (1931), 22 Cr. App. R. 172,

[2] ملاحظہ ہو صفحہ ۵۰۸ اصل کتاب؟

[3] روڈ ٹریفک ایکٹ سنہ ۱۹۳۰ء۔

[4] پولاک اینڈ میٹلینڈ۔ ۱-۳۴۷-۶۶۱-

[5] اب ادارہ سند یافتہ کے نمائندے کی حاضری ادارے کی حاضری تصور کی جاتی ہے ملاحظہ ہو (Summary Jurisdiction Act, 1874, S. 49) اور (Criminal Justice Act. 1925, S. 33)

مزید تائید زیادہ علمی توجیہات کے ذریعے سے بھی کی گئی ہے جن کا
پہلے پہل قانون روما میں ذکر آیا ہے اور جن کو قانون مذکور نے قبول
بھی کیا تھا۔[1] استدلال یہ تھا کہ ادارہ سند یافتہ کا چونکہ کوئی واقعی
(خارجی) وجود نہیں ہے، وہ صاحب ارادہ نہیں ہو سکتا اور
اس لیے اس کا کوئی فاسد (مجرمانہ) ارادہ بھی نہیں ہو سکتا۔[2] مزید براں
اگر اس حیلۂ قانونی کو جس کے ذریعے سے ادارہ سند یافتہ کو
ایک فرضی شخصیت دے دی جاتی ہے اس حد تک وسعت
دی جائے کہ اس میں فرضی ارادے کا وجود بھی مان لیا جائے
تب بھی جو افعال اس مفروضہ ارادے کے تحت لائے جا سکتے ہیں
وہ ایسے ہونے چاہییں کہ جن مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ ادارہ
قایم کیا گیا ہو ان سے مربوط ہوں۔ اگر یہ صحیح ہے تو جرم ان مقاصد کے
اندر نہیں آسکتا چونکہ بہر طور ہر جرم کا ارتکاب اس کے بیرون اختیار
ہوگا۔ علاوہ ازیں صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ادارے کے دماغ
نہیں ہوتا بلکہ اس کے جسم بھی نہیں ہوتا لہٰذا وہ جسمانی سزا جو معمولاً
74 دی جا سکتی۔ جیمس ثانی کے زمانے میں ایک وکیل نے پوچھا تھا کہ
"کیا آپ اس کی مشترکہ مہر کو پھانسی پر لٹکا سکتے ہیں؟"
لیکن گزشتہ دو نسلوں کے دیکھتے دیکھتے جو کاروباری

---

[1] انگریزی ادارہ فریڈرک پلچ' سے پتا چلتا ہے کہ جرمنی قانون کے نظریے کا
میلان دوسری جانب ہے ملاحظہ ہو (Maitland' Political Theories)
صفحہ ۳۹۔

[2] چنانچہ دیوانی دعاوی میں بھی ایک زمانے تک یہ شبہہ رہا کہ آیا ایسے
ٹارٹ کی بابت جن میں "ضرر بھی کینے" کا وجود ضروری ہے ادارہ سند یافتہ کو
ذمہ دار قرار دینا ممکن ہے Abrath v. N.E. Ry. Co. (1886), 11 App, Cas 247
کا Chuter v. Freeth (1911), 27 T.L.R. 467 سے مقابلہ کیجیے۔

ترقی ہوئی ہے اس کی وجہ سے ادارہ ہائے سند یافتہ اتنی کثیر تعداد میں ہو گئے کہ اگر ان کے لیے یہ استثنیٰ برقرار رکھا جاتا تو عامۃ الناس کے لیے سخت خطرے کا موجب ہوتا لہٰذا مختلف اصولی دشواریوں سے قطع نظر کر لی گئی اور اب یہ امر مسلم ہو چکا ہے کہ ادارہ ہائے سند یافتہ عدالت مجازمیں اپنے ادارے کے نام سے ماخوذ کیے جاسکیں گے اور نتیجے میں مشترکہ سرمایہ پر جرمانے کی سزا عاید کی جاسکے گی۔ ابتداءً یہ تبدیلی اس طرح عمل میں آئی کہ ان جرائم میں جو ترک فعل سے متعلق ہیں اور ان جرائم میں جو ارتکاب فعل سے متعلق ہیں امتیاز قایم کیا گیا۔ وجہ اس امتیاز کی یہ تھی کہ ارتکاب فعل مجرمانہ میں ملازم یا کارندہ جو واقعی طور پر اس جرم کا ارتکاب کرتا تھا اپنی ذات سے ماخوذ کیا جاسکتا تھا لیکن ترک فعل کی حالت میں کوئی مواخذہ نہ ہو سکتا تھا کیونکہ ترک فعل کا کسی خاص فرد پر الزام قایم نہ کیا جاسکتا تھا بلکہ مجموعی حیثیت سے خود ادارہ سند یافتہ قابل مواخذہ ہوتا تھا۔ لہٰذا ۱۸۴۲ء میں سرکار بنام برمنگھم اینڈ گلوسسٹر ریلوے کمپنی[۱] میں ترک فعل کی بنا پر (ایک شاہراہ کی مرمت نہ کرنے پر) ایک ادارۂ سند یافتہ کے خلاف مقدمہ قایم کیا گیا۔ اس کے کچھ ہی زمانے بعد ۱۸۴۶ء سرکار بنام دی گریٹ نارتھ آف انگلینڈ ریلوے کمپنی[۲] میں غلط کاری کی بنا پر بھی یعنی ایک شاہراہ کو واقعی طور پر بند کر دینے کے الزام میں اس طرح مقدمہ قایم کیا گیا۔ اس اصول کو مجلس وضع قوانین[۳] کی بھی تائید حاصل ہو گئی ہے چنانچہ ۱۸۸۹ء کے (Interpretation Act)

---

۱ (3 Q. B. 223)

۲ (9 Q. B. 315 (K, S C. 69)

۳ پیرکس بنام وارڈ (۱۹۰۲ء) ۲ کنگس بنچ ۱۔

(قانون تعبیر و اخلاق) میں یہ محکوم ہے کہ جتنے قوانین جرم کے متعلق
وضع کیے جائیں ان میں (خواہ اس جرم کی بنا پر بعد ترتیب فرد جرم
سزا دی جاتی ہو یا سرسری سماعت کے بعد) لفظ "شخص" کا اطلاق
بجز اس کے کہ اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہو ادارۂ سند یافتہ پر 75
بھی ہوگا۔ جرم کی سنگینی یا اس کی نوعیت سے یہ صاف طور پر
ظاہر ہو سکتا ہے کہ اس کی بابت قانون وضع کرنے والوں کا
یہ منشا نہیں ہو سکتا کہ وہ ادارہ ہائے سند یافتہ کو اس کے ارتکاب
کے قابل تصور کرتے ہوں۔

چنانچہ یہ امر کہ ادارۂ سند یافتہ کو نہ پھانسی دی جا سکتی ہے
نہ وہ قید کیا جا سکتا ہے اس کی فوجداری ذمہ داری کے دایرے
کو محدود کر دیتا ہے۔ ادارۂ سند یافتہ پر بحیثیت ادارۂ سند یافتہ
صرف ان جرایم کے الزام میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے جن کی سزا
جرمانہ ہے اور قتل انسان اگرچہ قابل جرمانہ ہے لیکن ادارۂ سند یافتہ
پر اس کی بابت اور نہ کسی دوسرے ایسے جرایم کی بابت جس میں
ذاتی جبر کو دخل ہو (جیسے حملہ یا بلوہ) یا جو جرایم کبیرہ Felony
میں ہو مقدمہ نہیں قایم کیا جا سکتا ملاحظہ ہو سرکار بنام کوری برادرس
۱۹۲۷ء کنگس بنچ ۸۱۰ - لہذا اگر اس پر ازالۂ حیثیت عرفی
کی بنا پر جو اس کے حکم سے شایع کیا گیا ہو مقدمہ قایم کیا جا سکتا ہے
اور اس کو جرمانے کی سزا دی جا سکتی ہے لیکن نقب زنی یا
کسی اور ایسے جرم کی بنا پر جو اس قدر سنگین ہو کہ محض رقمی جرمانہ

۱: اس کا چالان کیا جا سکتا ہے، Daily Mirror Newspapers Ltd.v glover (1922)
16 Cr. App. R. 131. اسی وجہ سے کریمنل جسٹس ایکٹ ۱۹۲۵ء دفعہ ۳۳
ضمن (۱) کے ذریعے سے پیروکار فوجداری کو بل آف انڈکٹمنٹ پیش کرنے کا
اختیار دیا گیا ہے۔

اس کی سزا نہ ہو سکتا ہو مقدمہ قایم نہیں ہو سکتا۔ اگر ادارہ سند یافتہ کے حکم سے کسی ایسے جرم کا ارتکاب ہوا ہو تو ان مختلف اشخاص پر جنھوں نے اس کا حکم دیا تھا فرداً فرداً خود ان کے نام سے مقدمہ قایم کیا جائے گا اور انھی کی ذات کو سزا دی جائے گی۔ یہ ملحوظ رہے کہ ان کم سنگین جرایم کی صورت میں بھی جن کی بنا پر ان کے ادارہ سند یافتہ پر مقدمہ قایم کیا جا سکتا ہے ان کی ذات پر فرداً فرداً بھی مقدمہ قایم کیا جا سکتا ہے چونکہ ادارہ تو صرف اسی وجہ سے قابل مواخذہ ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک جرم کی ترغیب دی۔

II جب ارادہ اس فعل سے متعلق نہ ہو

یہ دماغی کیفیت غلطی کی وجہ سے یا کسی دوسرے عنوان کی ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوتی ہے ہمارے فوجداری قانون میں اکثر اوقات اس کو ایک معقول صفائی شمار کیا جاتا ہے چونکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ فعل مجرمانہ کا ارتکاب عمل میں آیا لیکن اس فعل سے پہلے کسی مجرمانہ نیت کا وجود نہ تھا[لہ] لہذا جن صورتوں میں نیت کافی حد تک مجرمانہ نہ ہو ان میں واقعے کی غلطی کی صفائی پیش کرنا درست نہیں ہے لیکن اس طرح کی صفائی کا موقع صرف اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب تین شرطیں پوری ہو جائیں:-

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ غلطی اس نوعیت کی ہونا چاہیے کہ 76
اگر مفروضہ حالات بطور واقعہ صحیح ہوتے تو اس فعل کی بنا پر

لہ پھر بھی اگر یہ نہ معلوم ہو کہ لڑکی کورٹ کی ولایت میں ہے اور اس سے کوئی شخص شادی کرے تو توہین عدالت کے مقدمے میں اس ناواقفیت کی صفائی قابل قبول نہ ہوگی۔

مرتکب فعل سے بنیت مجرمانہ[1] منسوب نہ کی جا سکتی۔ لہذا کوئی نقب زن جو مکان نمبر ۵ میں نقب لگائے اگر یہ صفائی پیش کرے کہ اس نے اس مکان میں مکان نمبر ۶ کے دھوکے میں نقب لگالیا یا یہ کہ اس کو یہ نہ معلوم تھا کہ نو بج چکے ہیں (صفحہ ۲۰۱ اصل کتاب انگریزی؟) تو یہ کوئی معقول صفائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح کسی پولیس کے جوان پر جو کار منصبی کی ادائی میں مصروف ہو، حملہ کرنے کے الزام میں اگر یہ صفائی پیش کی جائے کہ حملہ کرنے والوں کو اس شخص کی سرکاری حیثیت کا علم نہ تھا تو اس صفائی کی بنا پر وہ بری نہیں ہو سکتے۔ اس کے برخلاف اگر کسی شخص کے متعلق غلطی سے لیکن معقول وجوہ کی بنا پر آپ کا یہ خیال ہو کہ وہ نقب لگا رہا ہے[2] اور اس وجہ سے آپ سختی کے ساتھ اس پر دست درازی کر بیٹھیں تو یہ جرم میں داخل نہ ہوگا[3]۔ سرکار بنام ٹالسن جس پر اس سے پہلے ہم بحث کر چکے ہیں (صفحہ ۵۸ اصل کتاب انگریزی؟) واقعے کی غلطی[4] کی ایک اہم مثال ہے۔

(۲) دوسری شرط یہ ہے کہ غلطی معقول وجوہ پر مبنی ہو۔ یہ زیادہ تر واقعاتی سوال ہے لیکن جج جوری کو یہ ہدایت کر سکتا ہے کہ

---

۱ اس سلسلے میں بنیت مجرمانہ کے مفہوم کے لیے دیکھیے صفحہ ۱۰ ماقبل (اصل کتاب؟)

۲ Rex v. Levett (1638), Cro, Car 538 (K.S.C. 26)

۳ اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ اس نے ایک دوسرے شخص کو قتل کر دیا ہے اور اس مفروضہ مقتول کو پھر ہلاک کرے، تو ایسی صورت کے لیے دو ہندوستانی مقدمات ملاحظہ ہوں جن میں یہ طے کیا گیا ہے کہ یہ فعل قتل عمد میں داخل نہ ہوگا 36. L.A.R. 6-8

۴ واقعے کی غلطی کی وجہ سے ایک ایسا فعل جو ظاہر بظاہر ناجائز ہو جائز ہو سکتا ہے جیسے مثلاً کوئی گھونسا باز اپنے مد مقابل کے دھوکے میں ریفری کو مار بیٹھے۔

کونسی غلطیاں ظاہر بظاہر نامعقول وجوہ پر مبنی ہیں۔ سر مائیکل فوسٹر نے
اول الذکر قسم کی غلطیوں کی مثال دی ہے[1] ایک شخص نے گرجا
جانے سے پہلے اپنی بندوق چلائی تھی اور اس کو خالی چھوڑ گیا تھا
لیکن اس کی عدم موجودگی میں کوئی شخص اس کو شکار پر لے گیا اور
واپسی پر اس کو بھرا چھوڑ دیا۔ مالک نے اسی دن شام کو وہ بندوق
پھر اٹھائی اور اس کے گھوڑے کو چھوا۔ بندوق چل گئی اور اس کی
بیوی جو اس وقت اس کمرے میں تھی ہلاک ہو گئی۔ فوسٹر نے یہ 77
قرار دیا ہے کہ اس شخص کے لیے اس امر کو سمجھنے کے معقول
وجوہ تھے کہ بندوق بھری ہوئی نہیں ہے۔ اگر بندوق چلانے
اور بعد میں اس کو بغیر دیکھے بھالے کہ آیا وہ پھر بھری تو نہیں گئی چھونے
چھیڑنے کے درمیان میں بجائے گھنٹوں کے کچھ ہفتے گزر گئے ہوتے
تو صورت حال بہت کچھ بدل جاتی[2] اسی طرح امریکہ کے ایک مقدمے[3]
میں ایک پولیس کے جوان پر ایک شخص کو ناجائز طور پر گرفتار کرنے کا
الزام لگایا گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ وہ شخص بے ہوش[4] ہو کر سڑک پر
گر گیا تھا اور اس کے دوستوں نے پہلے وہسکی دے کر اس کو

---

[1] Foster 265 (K.S.C. 27)

[2] چنانچہ Reg. v. Jones (1874), 12 Cox 628 (K. S. C. 28) اور the state v. Hardie (1878), 10 Runnells 647 (K. S. C. 123) یہ وہ مقدمات ہیں جن میں یہ یقین کہ آتشیں آلات حرب بھرے ہوئے نہیں ہیں نامعقول وجوہ پر مبنی قرار دیا گیا Reg. v. Finney (1874), 12 Cox 625 (K. S. C. 120) سے مقابلہ کیجیے۔

[3] Commanwealth v. Presby (1859), 14 Grey 65

[4] مرگی اور نشے میں امتیاز کرنا ایک دشوار امر ہے اور یہ نہایت ناانصافی کی بات ہے کہ ان دو چیزوں میں امتیاز نہ کرنے کی وجہ سے پولیس کو اکثر اوقات مورد الزام بنایا جاتا ہے۔

ہوش میں لانا چاہا لیکن بالآخر وہ لیٹے لیٹے چلے گئے۔ پولیس کا جوان بری کر دیا گیا کیونکہ اس واقعے سے کہ اس شخص سے وہسکی کی بو آتی تھی یہ سمجھنے کے معقول وجوہ موجود تھے کہ اس کی بے ہوشی نشے کی وجہ سے تھی (اور اس کی بنا پر ایک شخص کو جائز طور پر گرفتار کیا جا سکتا تھا)۔

لیکن کوئی ایسا عقیدہ جس کو اسے عام طور پر توہم پرستی سمجھا جاتا ہو ایسی غلطی میں شمار نہیں ہو سکتا کہ ایک مجرم سے براءت کے لیے کافی ہو۔ چنانچہ سنہ ۱۸۸۰ء میں کلونمل میں ایک عورت نے ایک برہنہ بچے کو ایک گرم کوئلے پر لٹا دیا۔ اس عورت کو کامل یقین تھا کہ وہ بچہ حقیقتاً کوئی بھوت ہے جو اصلی بچے کے عوض بھیج دیا گیا ہے (اور اگر اس عوض میں آئے ہوئے کو اس طرح خطرے میں ڈالا جائے گا تو اصلی بچہ واپس مل جائے گا) اس عورت کو مجرم قرار دیا گیا اور سزا دی گئی تھی اسی طرح سے سنہ ۱۸۹۵ء میں کلونمل میں ہی کچھ لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپس میں ایک شخص کی بیوی کو آگ پر لٹکا کر اور گرم سلاخوں سے داغ دے کر مار ڈالا تھا۔ ان کو حقیقتاً یہ امید تھی کہ اس طرح سے وہ جن جو اس عورت کے سر پر سوار ہے اتر جائے گا۔ وہ لوگ بھی جو اس عقیدے کے تحت خلاف قانون قتل کے مرتکب ہوتے ہیں کہ وہ خدائی احکام کی تعمیل کر رہے ہیں قانوناً خلاف عقل نوعیت کی غلطی میں مبتلا تصور کیے جاتے ہیں۔ ان عقیدے کے لوگوں کے خلاف امریکہ میں تعدد ازدواج Palygamy کی بنا پر فوجداری کارروائیاں

۱؎ سنہ ۱۸۹۴ء میں کناڈا میں ایک ہندوستانی سنتری نے ایک شخص کو اس تصور کے تحت ہلاک کر دیا کہ وہ (مقتول) کوئی بھوت ہے اور انسانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ سنتری مجرم قرار دیا گیا

(Reg. v. Machekequonabe (1894) 28 Ontaris 309)

کی جاتی ہیں اور اسی طرح بعض عجیب ذہنیت رکھنے والے اشخاص کے خلاف اپنے بچوں کا طبی علاج نہ کرنے پر انگلستان میں فوجداری کارروائی کرنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ عقیدے کے بعض مغالطے ایسی انتہائی نوعیت کے ہو سکتے ہیں کہ وہ بجائے خود فتور عقل کی شہادت کی حیثیت رکھتے ہوں اور اس بنا پر معقول صفائی کا کام دیں۔ [1]

(۳) آخری شرط یہ ہے کہ غلطی خواہ کتنی ہی معقول ہو امور قانونی کے متعلق نہ ہونا چاہیے بلکہ امور واقعاتی کے متعلق ہونا چاہیے۔ چونکہ قانون کی غلطی اگرچہ ناگزیر ہی ہو انگلستان میں جرم سے براءت کی موجب نہیں سمجھی گئی ہے۔ لاطینی منقولہ ہے [2] کہ Ignorantia Juris nemunem Excusat (ناواقفیت قانون کوئی عذر نہیں ہے)۔ زیادہ سے زیادہ اس کا یہ اثر ہو سکتا ہے کہ جن خاص جرائم میں ایک مخصوص نوعیت کی نیت مجرمانہ کا وجود

---

[1] Reg. v. Hadfield (1800) 27 St. Tr. 1281 اور (C.C.C. Sess Pap. Cliv. 357) سے مقابلہ کیجیے۔

[2] اس سخت کلیے کی تائید میں ملاحظہ کیجیے آسٹن کی "اصول قانون" لکچر ۲۵۔ اجزائے قانون (Element of Law) مصنفہ مارکبی۔ سکشن ۲۶۹-۲۷۰۔ اور فرائض قانونی (Legal Duties) مصنفہ سی۔ کے۔ ایلن صفحات ۱۹۵-۱۹۶۔ ان تمام کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی طالب علم شاید یہی محسوس کرنے پر مجبور ہو کہ جیسا کہ پروفیسر ہنری سجوک کا خیال ہے کہ یہ کلیہ معیاری عدالت گستری پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے سے سماج کے حق تحفظ ذات کا نفاذ مقصود ہے۔ قانون روما میں جو معتدل اصول اختیار کیے گئے تھے ان کے لیے دیکھیے جسٹینین کی ڈائجسٹ باب ۲۲۔ (۶)۔ اور اصول قانون مصنفہ لینڈلے صفحہ ۲۴۴ اور ضمیمہ ۱۹۔

ضروری ہوتا ہے ان میں کبھی کبھی (مثل نشے کے) اس نوعیت
کی نیت کے وجود کی اس کے ذریعے سے تردید ہو جائے۔
چنانچہ سرقے کا اطلاق صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ
کوئی چیز ایسی حالت میں چرائی جائے کہ چرانے والے کو گمان
تک نہ ہو سکتا ہو کہ اس کو اس شے پر حق تصرف حاصل ہے۔
لہذا ایک واقعی غلطی جو معقول وجوہ پر مبنی ہو خواہ وہ قانون
ہی کی کیوں نہ ہو جیسے مثلاً کوئی عورت کسی گاؤں میں (جہاں
یہ رواج بھی ہو) کھیت کٹنے کے بعد خوشہ چینی کرے (صفحہ ۲۳۳
اصل کتاب ؟) تو اس کو ایک کافی اور معقول صفائی تصور کیا جا
سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی راہن ایک غلط لیکن واقعی
ادعائے حقیقت کے تحت اس مکان کے ملحقہ سامان
کو جسے وہ رہن کر چکا ہے کوئی نقصان پہنچائے تو وہ بربنائے کینہ
نقصان رسانی کا مجرم نہ ہوگا[1]۔ بہر حال ایسے مستثنیٰ جرائم کے علاوہ
اس کلیے پر سختی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے کہ قانون کی غلطی
کا عذر قابل تسلیم نہیں ہے۔ چنانچہ ایک جہازران ایک
ایسے عمل کی بنا پر مجرم قرار دیا گیا جس کو مجلس وضع قوانین کے
صرف ایک ایکٹ کے ذریعے سے جرم قرار دیا گیا تھا اور 79
اس ایکٹ کی منظوری کی اطلاع اس شخص کو ہونا ناممکن تھی
چوں کہ جس زمانے میں یہ قانون منظور ہوا یہ شخص بہت دور
سمندری سفر پر تھا اور جب اس فعل کا ارتکاب ہوا تھا اس
وقت تک اس کو اس قانون کے منظور ہونے کی اطلاع نہ پہنچ سکتی تھی[2]۔

---

[1] Reg. v. Croft (1889), C.C.C. Sess. Pap Cxl.202
اور Reg. v. Twose (1879), 14 Cox 327

[2] Rex v. Baily (1810), R and R. (I.K.S.C. 29) Cf. 86. J.P. 77

جن فرانسیسیوں نے انگلستان میں ایک محاربے میں بحیثیت معین حصہ لیا تھا ان پر بھی اسی طرح قتل عمد کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا حالاں کہ خود ان کے ملک میں محاربے کا رواج تھا اور ان کو یہ علم نہ تھا کہ انگریزی قانون میں اس کی ممانعت ہے[1]۔ ایک شوہر اپنی بیوی کی پرورش سے بالارادہ غفلت برتنے پر مجرم قرار دیا جا سکتا ہے خواہ اس کو واقعتاً غلط طور پر یہ یقین ہو کہ اس پر قانوناً زوجہ کی پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے[2]۔ اٹلی کے لوگوں کو لاٹری کے سلسلے قایم کرنے پر لندن میں سزا دی گئی حالاں کہ انھوں نے یہ حجت پیش کی کہ اٹلی میں ہر گاؤں میں سلطنت کے منظورہ لاٹری کے مقامات ہیں اور یہ کہ ان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ انگریزی قانون اس بارے میں مختلف ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ اگر مویشیوں کے ڈاکٹر کو غلط طور پر یہ یقین ہو کہ اس عمل جراحی کا کرنا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ تکلیف دہ اور بے سود ہے قانوناً مستلزم سزا نہیں ہے اور وہ عمل جراحی کر بیٹھے تو اس کے اس یقین کی وجہ سے اس کی براءت نہ ہو سکے گی۔

یہ غلطیاں کافی معقول وجوہ پر مبنی ہیں پھر بھی موجب براءت نہیں سمجھی جاتیں۔ اگر ملزم یہ بھی ثابت کر دے کہ اس نے وکیل سے مشورہ حاصل کیا تھا لیکن وکیل نے اس کو غلط مشورہ دیا اور اس غلط مشورے کی وجہ سے اس جرم کا ارتکاب عمل میں آیا تب بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو گی جبکہ جائے کہ کوئی ایسی قانونی غلطی ہونا جو معقول وجوہ پر مبنی ہو۔ اس کی بنا پر کسی عذر کے مسموع

---

[1] (Re Barronet (1853), I.E. and B.I.)

[2] (Biggs v Burridge (1925), 89 J.P. 75.)

ہوتے کا نوا اور کبھی کم امکان ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی غلطیوں کا
موقع زن و شوہیں سے کسی کے دوبارہ شادی کرنے کے
جرم (Bigamy) کے سلسلے میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جرم
کے ایک مقدمے میں جس کو مصنف نے سنٹرل کریمنل کورٹ
میں ۱۸۸۳ء میں سنا تھا نہ صرف ملزم کو بلکہ اس کی پہلی بیوی اور بیوی
کے تمام خاندان کو ان کی شادی کے کالعدم ہونے کا یقین
80 تھا چونکہ شادی کی انگوٹھی پیتل کی تھی سونے کی نہ تھی[1]
وہ قانونی غلطیاں جن کی بنا پر ایک شخص سے جرم کا ارتکاب
ہو جاتا ہے عام اس سے کہ وہ معقول وجوہ کی بنا پر ہوں یا نامعقول وجوہ کی بنا پر
بہرحال اس کو مستوجب سزا قرار دیتی ہیں۔ البتہ غلطیوں کی
نوعیت کے اعتبار سے اس کی سزا میں تخفیف ہو سکتی ہے[2]

[1] ایک عورت نے اپنے شوہر کی حیات میں شادی کر لی تھی اس پر ۱۹۲۰ء مقدمہ چلایا گیا۔ جس پاگل خانے میں اس کا فاترالعقل شوہر گزشتہ گیارہ سال سے محبوس تھا اس کے عہدہ داروں نے اس عورت کو یقین دلایا تھا کہ اس کے شوہر کے ناقابل علاج ہونے کی وجہ سے وہ قانوناً مجاز ہو گئی ہے کہ دوبارہ شادی کر لے۔ ۱۹۲۰ء ہی میں ایک شخص کے مقدمے کی سماعت ہوئی، اس کو کامل طور پر یہ یقین تھا کہ یہ امر کہ اس کی زوجہ ایک زانی شخص کے ساتھ بھاگ گئی بجائے خود اس کی شادی کو فسخ کرنے کے لیے کافی تھا۔ اکثر اوقات غلطی سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ محض ابتدائی ڈگری (جو مدعا علیہ کے اس کے خلاف وجہ ظاہر کرنے کی صورت میں قطعی کی جاتی ہے) کے ذریعے سے فوری طور پر نکاح کا انفساخ عمل میں آ جاتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۶۳ (اصل کتاب؟) مابعد۔

[2] 7 C. and P. 456; and 1921) 2 K. Bat page. 125

۱۱۱ جب جبر کی وجہ سے ارادہ مغلوب ہو جائے

(۱) احکام کی بجا آوری۔ انگریزی قانون میں شاذ طور پر یہ صفائی قابل قبول سمجھی جاتی ہے۔ گو یہ ضروری ہے کہ بعض افعال ایسے بھی ہیں جو عام حالات میں خلاف قانون ہیں لیکن جب ان کو عدل گستری کے اغراض کے لیے جایز طریقے سے انجام دیا جاتا ہے تو وہ مطابق قانون ہو جاتے ہیں[۱] جیسے مثلاً کسی عدالت کے مصدرہ جایز حکم سزا کا نافذ کرنا[۲]۔ وہ جرایم جن میں جبر کو دخل ہے ان[۳] کو یا نقض امن کے ارتکاب کو روکنا یا مجرمین کو گرفتار کرنا۔ گو کہ اصولاً بادشاہ سے فوجداری یا دیوانی کسی نوعیت کی خطا سرزد نہیں ہو سکتی بلکہ یہ کہ چونکہ بادشاہ سے کوئی خطا سرزد نہیں ہو سکتی اس لیے اس کے ماتحتوں سے اس کی جانب سے جو ناجایز افعال سرزد ہوں ان پر سختی کے ساتھ بازپرس ہونا چاہیے۔ لہٰذا اگر کوئی فوجی سپاہی یا جہازران یا پولیس کا جوان ناجایز طور سے کسی پر جبر کرے تو وہ اپنی براءت کے لیے یہ عذر نہیں پیش کر سکتا کہ اس نے اپنے بالادست حاکم کے احکام کی تعمیل میں ایسا کیا یا یہ کہ خود بادشاہ کے احکام کی تعمیل میں اس نے وہ

---

[۱] خصوصیت سے قتل انسان کے سلسلے میں دیکھیے صفحہ ۱۱۷ (اصل کتاب؟) مابعد۔

[۲] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۶ (اصل کتاب؟) مابعد۔

[۳] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۷ (اصل کتاب؟) مابعد۔

[۴] صفحہ ۵۲۸ (اصل کتاب؟) مابعد۔

عمل کیا ہے۔[۱]
اس میں شک نہیں کہ اس طرح کے احکام جب بظاہر خلاف قانون نہ ہوں تو کسی زیادہ عام قانونی کلیے کے تحت ان کو اس شخص کی براءت میں دخل ہو سکتا ہے۔ ان احکام کی بنا پر اس کو ایسا ادعائے حقیقت[۲] پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کسی شخص کے اسباب پر قبضہ کر لے تو اس کا یہ فعل سرقے میں شمار نہ ہوگا۔ یا یہ کہ ان احکام کی وجہ سے اس کے لیے
81 اپنے گرد و پیش کے حالات کو اس طرح پر تصور کرنے کے وجوہ پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنے عمل کو حق بجانب سمجھتا ہے اور یہ واقعاتی غلطی[۳] معقول وجہ براءت ہو جاتی ہے یا ان کی بنا پر کسی خاص نوعیت کی نیت کے وجود کی تردید ہو جاتی ہے[۴] یا کسی ظاہرا شدید غفلت کے ارتکاب کے لیے عذر بہم پہنچ جاتا ہے[۵]۔ اس سے بالاتر یہ کہ سرکاری فرماں برداری کے ایک خاص قاعدے کی رو سے قانون کی غلطی بھی ایک ایسے سرکاری ملازم کے لیے موجب براءت ہو سکتی ہے جس نے خلاف قانون احکام کی تعمیل کی ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس

۱ے صفحہ ۸۹ (اصل کتاب) مابعد و نیز ملاحظہ ہو Pollocks Law of Torts 13th Ed. Ch. 4, S. 8
اور Kemys Select Cases on Tort صفحات ۱۲۲-۱۲۶ نیز شاہی اقتدار پر انگریزی قانون میں جو مخصوص نوعیت کی پابندی عاید کی گئی ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو: Hallam's Constitutional History باب اول صفحہ ۳ اور باب ہشتم صفحہ ۵۲۶۔

۲ے صفحہ ۲۳۲ (اصل کتاب؟) مابعد۔

۳ے صفحہ ۷۰ (اصل کتاب؟) ماقبل۔

۴ے Reg. v. Janes (1837), 8 C and P. 131

۵ے Reg. v. Trainer (1864), 4 F and F 104

سرکاری ملازم کو معقول وجوہ کی بنا پر (گو غلط طور پر) یہ یقین ہو کہ وہ احکام مطابق قانون ہیں۔ چنانچہ جب نگران محبس یا جلاد کسی ناواجب عدالتی حکم کی تعمیل میں جبر کا استعمال کریں تو اگرچہ وہ جبر مجرمانہ ہوگا تاہم اگر اس عدالت کو جس نے وہ حکم صادر کیا تھا اس جرم کی بابت اختیار سماعت حاصل تھا اور وہ حکم ہر طرح سے ظاہر بظاہر باضابطہ تھا تو یہ امر کہ اس شخص نے اس فریضۂ فرماں برداری کے تحت جو ایک سرکاری عہدہ دار پر عاید ہوتا ہے ان احکام کی تعمیل کی اس کو بری الذمہ قرار دینے کے لیے کافی ہوگا۔[1]

لیکن بہر طور سے کامن لا نے مہتمان محبس یا دوسرے سیول عہدہ داروں کو جس حد کی براءت عطا کر رکھی ہے اس کا بری اور بحری افواج پر اطلاق کرنے کے لیے ابھی تک کوئی باوثوق انگریزی سند موجود نہیں ہے۔ ایک بحری سپاہی اگر تعمیل حکم کے طور پر کسی ایسے کشتی بان کو جو جہاز کی طرف بڑھتا چلا آتا ہو

---

[1] ملاحظہ ہو 9 Coke 68, 1 Hale 496, 1 Hawkins باب اٹھائیس (1 East. P.C, 331) اور Marko v. Frogly (1898) IQ.B.396,404 (ونیز (3 C, and K. 199) میں جن اسناد کا حوالہ دیا گیا ہے وہ قابل مطالعہ ہیں۔ Reg. v. Trainer (1864), 4 E and F.105, 111 میں ریلوے حادثے کے سلسلے میں میں فائرمین پر قتل انسان کا الزام تھا۔ جسٹس ولس جیسے جج نے یہ تحریر کیا ہے کہ "فوجداری مقدمے میں یہ قرار دینا چاہیے کہ ایک ادنیٰ عہدہ دار اپنے اعلیٰ عہدہ دار کے ایسے احکام کی تعمیل میں حق بجانب ہے جو ظاہر بظاہر ناواجب یا خلاف قانون نہ ہوں" (ملاحظہ ہو Reg. v. Hutchinson (1864) 9 Cox 555 اور اس نے اس جیسز کو اتنی وسعت دی ہے۔ انجن ڈرائیور کے احکام کی تعمیل کرتا فائرمین کی ذاتی ذمہ داری میں بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔

گولی مار دے تو اگر اس کو معلوم ہو کہ وہ حکم اس مصلحت سے دیا گیا ہے
کہ ہمیں کشتی بان جہاز پر آکر بغاوت نہ پیدا کرے تو غالباً اس بحری سپاہی
کو قتل عمد کا مجرم نہ قرار دیا جائے گا۔[1] چوں کہ ایسے احکام کو معقول
وجوہ کی بنا پر وہ جائز تصور کر سکتا ہے لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہو کہ
یہ حکم صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ جہاز میں کوئی اور شخص
نہ آئے اور حسب دلخواہ اطمینان حاصل رہے تو ظاہر ہے کہ
وہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ سرکاری قانونچہ فوج British Mannal
of Miltary Law میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ امر ہنوز کسی حد تک مشتبہ 82
ہے کہ بالادست افسر کے کسی ایسے معین حکم کے تحت جو
بظاہر ناروا بھی نہ ہو اگر کوئی فوجی سپاہی خلاف قانون عمل
کرے تو وہ اس حکم کی بنا پر کس حد تک ذمہ داری سے بری
سمجھا جائے گا لیکن ریاستہائے متحدہ کی عدالتوں نے
بارہا اس طرح کے عذر کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ اور
اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر سپاہی یا ملاح اپنی صفائی میں اس
امر کو پیش کریں کہ ان کے کمانڈر نے ان کو ایسا حکم دیا تھا تو یہ
قابل قبول نہیں ہے تاوقتیکہ وہ احکام نہ صرف مطابق قانون معلوم ہوتے ہیں
بلکہ واقعتاً بھی مطابق قانون ہوں۔[2] ملاحظہ ہو ریاستہائے متحدہ بنام جونس (۱۸۱۳ء) ۳
واشنگٹن ۲۱۸ اور ریاستہائے متحدہ بنام سرکار (۱۸۶۱ء) ۱ اوڈس
۴۰۰۔ امریکہ کا یہ اصول انتہاپسندی پر مبنی ہے اور فرانسیسی مقننین
نے اس کا ان الفاظ میں تمسخر کیا ہے (ha theorie des baionettes intelligentes)

---

[1] سرکار بنام ٹامس (۱۸۱۶ء) (Russel on Crimes) آٹھواں ایڈیشن صفحہ ۷۷) سرکار بنام اسمتھ
(۱۸۹۹ء) 17 Cape of Good Hope 561 (K.S.C. 60) اور تاریخ قانون فوجداری صفحہ ۲۰۵

[2] انگلستان۔ اسکاٹلینڈ۔ امریکہ اور جنوبی افریقہ کی عدالتوں کے مختلف نظریات
کے متعلق ملاحظہ مقدمات (K.S.C. 59-60)

سرکاری فرماں برداری کی بہ نسبت خانگی فرماں برداری کو اکثر اوقات زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کی بنا پر ان ملازمین یا بچوں کو جنھوں نے مالکوں یا والدین کی ترغیب پر جرائم کا ارتکاب کیا ہو کبھی مستثنیٰ نہیں کیا جاتا البتہ کسی زمانے میں صرف ازدواجی فرماں برداری کی صورت میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کی وجہ سے استثنیٰ عطا کیا جا سکتا ہے چنانچہ اگر زوجہ[1] اپنے شوہر کی واقعی موجودگی میں کسی عام جرم کبیر کا ارتکاب کرتی تو کامن لا کی رو سے یہ بادی النظری قیاس قایم ہوتا تھا کہ اس نے ایسے جبر کے تحت اس جرم کا ارتکاب کیا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مستحق براءت ہے خواہ اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہ ہو کہ شوہر نے واقعی طور پر تخویف سے کام لیا ہے۔ (تاہم اگر کسی جرم کا اس نے ایسے وقت ارتکاب کیا ہو جب اس کا شوہر واقعاً موجود نہ ہو تو اس کے سابقہ احکام و تہدیدات کسی شخص غیر کی ترغیبات سے زیادہ مفید براءت نہیں ہو سکتے[2]۔) جرائم قابل ترتیب فرد جرم میں جرم کا قیاس نہیں کیا جاتا لیکن بقول اکثر مصنفین[3] جملہ جرائم صغیرہ Misdemeanors میں بجز ان جرائم کے جن کا تعلق انتظام خانہ داری سے ہے (چونکہ ان امور میں زوجہ کے متعلق یہ قیاس ہوتا ہے کہ وہی اصل کارکن ہے) یہی قیاس قایم کیا جاتا تھا اور اکثر جرائم[4] کبیرہ (felonies) کی صورت میں مثل نقب زنی 83

[1] محض داشتہ نہیں Rex. v. Court (1912), 7 Cr. App. R. 127

[2] صفحہ ۸۴ (اصل کتاب ؟) مابعد۔

[3] ڈاکٹر بہ کینیڈ کی ۱۹۲۲ء کی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہی لکھا ہے ملاحظہ ہو (Reg. v. Smith (1916), 12 Cr. App. R. 127, Reg. v. Torpey (1871), 12 Cox 45)

[4] ۱۸۹۱ء میں جسٹس کیو نے نقب زنی میں اس کا اطلاق کیا۔ (Kelying 31 (K.S.C, 66)

سرقہ، جعل سازی بھی قیاس قایم کیا جاتا تھا لیکن ایسے انتہائی سنگین جرایم کبیرہ میں جیسے بغاوت اور قتل عمدیہ قیاس نہیں قایم کیا جاتا تھا۔ پھر بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں فرماں برداری کا یہ قیاس محض بادی النظری تھا چنانچہ اگر یہ ثابت کیا جاتا تھا کہ زوجہ نے اس جرم کے ارتکاب میں اس قدر نمایاں حصہ لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شوہر کے ارادے سے قطع نظر ارتکاب جرم میں خود اس کی نیت کو مستقلاً دخل تھا[1] تو اس قیاس کی تردید ہو سکتی تھی۔ یہ انوکھی مراعات جو زوجہ کو عطا کی گئی تھیں اور بچے کو حاصل نہیں تھیں بعض خاص اور عجیب قسم کے تاریخی وجوہ پر مبنی تھیں۔ خواندہ اشخاص کے اس حق سے[2] کہ ان کو سزائے موت نہ دی جائے Benefit of Clergy سنہ ۱۶۹۲ء تک عورتیں محروم تھیں لہٰذا جب کوئی مرد اور اس کی زوجہ شرکت میں کسی جرم کبیرہ کے ارتکاب کرنے پر ماخوذ ہوتے تو مرد اگر ذرا بھی پڑھ سکتا تھا تو وہ رہا کر دیا جاتا تھا لیکن عورت چاہے اکثر ان دونوں میں کم مجرم بھی ہوتی تب بھی سزائے موت کی مستوجب قرار دے دی جاتی تھی[3]۔ لہٰذا ازدواجی فرماں برداری کے اس مصنوعی قیاس کی ابتدا کی گئی اور اس طرح اس ناانصافی کا سد باب کیا گیا۔ کریمنل جسٹس ایکٹ سنہ ۱۹۲۵ء (قانون معدلت فوجداری) کے

---

[1] Reg. v, Cruse (1838), 2 Moody 53 (K.S.C. 66)

[2] صفحہ ۵۷۳ (اصل کتاب؟) مابعد۔

[3] چنانچہ چارلس ثانی اور جیمس ثانی کے زمانے میں (اگرچہ بالکل موجودہ زمانے کی طرح) چند ہی عورتوں پر مقدمہ چلایا گیا پھر بھی ان کی تعداد اس جملہ تعداد کی جن کو (Old Baily) سیشن سے سزائے موت کا حکم دیا گیا تقریباً ۱/۳ سے زائد اور بعض اوقات ان کی تعداد غالب بھی رہی۔

ذریعے سے اس بے اصول وجہ براءت کو یکم جون ۱۹۲۶ء سے منسوخ کردیا گیا۔ اس قانون میں ہے کہ (دفعہ ۴۷) یہ قیاس قانونی کہ شوہر کی موجودگی میں اگر زوجہ جرم کا ارتکاب کرے تو یہ تصور کیا جائے گا کہ وہ جرم شوہر کے جبر کی بنا پر کیا گیا ہے قانون ہذا کے ذریعے سے مسترد کیا جاتا ہے۔ لیکن زوجہ کے خلاف اگر کوئی الزام قایم ہو (علاوہ الزام بغاوت یا قتل عمد کے) اور یہ ثابت ہو جائے کہ جرم کا ارتکاب شوہر کی موجودگی میں اور اس کے جبر کی وجہ سے ہوا ہے تو یہ امر معقول وجہ براءت متصور ہوگا۔[۱]

گو کہ اس موقع پر یہ امر کسی حد تک غیر متعلق ہے لیکن تاہم اس کا بیان کردینا موجب سہولت ہوگا کہ چند ایسی صورتیں بھی ہیں 84
جن میں گو کہ فعل بجائے خود مجرمانہ ہوتا ہے لیکن اگر زوجہ سے سرزد ہو تو وہ مجرمانہ نہیں رہتا چوں کہ اس فعل کا تعلق زوجہ اور شوہر کے تعلقات سے ہو جاتا ہے چنانچہ اگر کوئی شخص جرم کا ارتکاب کرے اور اس کی زوجہ اس کا خیر مقدم کرے اور اس کو پناہ دے تو محض خیر مقدم کی بنا پر قانون اس کو معین بعد جرم (یا شریک بغاوت) تصور نہ کرے گا (صفحہ ۱۰۲ مابعد اصل کتاب؟) چونکہ شوہر کا خیر مقدم کرنا زوجہ کا فرض ہے۔ علاوہ ازیں ازدواجی اتحاد کی وجہ سے بعض امور کی حد تک زوجین شخص واحد تصور کیے جاتے ہیں لہٰذا کوئی مجرمانہ سمجھوتہ جس میں صرف زن و شوشریک ہوں ازروئے قانون سازش کے جرم کی حد تک

---

[۱] بغاوت کی بعض صورتوں میں ملاحظہ ہو صفحہ ۸۴ مابعد اصل کتاب؟) ہر شخص جبر تہدید کی صفائی پیش کرسکتا ہے اور زوجہ کے لیے ایسی صورتوں میں اس صفائی کے قابل قبول ہونے کا اور بھی زیادہ موقع ہے (ڈبلو۔ ٹی۔ ایس اسٹیلی براس نے (Journal of Compartive Law (1933) XIV, 61) میں اس دشواری کا ذکر کیا ہے۔

نہیں پہنچتا (صفحہ ۲۳۶ مابعد اصل کتاب ؟) چوں کہ سازش کے لیے دو سازش کرنے والوں کا وجود لازم ہے۔ اسی طرح شوہر کے خلاف اگر زوجہ مزیل حیثیت عرفی امر کی اشاعت کرے یا زوجہ کے خلاف شوہر یہی عمل کرے تو یہ جرم میں شمار نہ ہوگا۔ اور نہ عام حالات میں شوہر یا زوجہ آپس میں ایک دوسرے کا مال چرانے سے مجرم ہو سکتے ہیں (صفحہ ۲۱۱ مابعد اصل کتاب ؟) (۲) جبر تہدیدی کی صفائی بہت شاذ طور پر پیش کی جاتی ہے حتیٰ ایں کہ سر جیمس اسٹیفن کا بیان ہے کہ اپنے طویل عدالتی تجربے کے دوران میں انھوں نے کوئی ایسا مقدمہ نہیں دیکھا جس میں یہ صفائی پیش کی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں قانون آج تک ناقص بھی ہے اور مبہم بھی۔ یہ امر بہر حال واضح ہے کہ فوری ہلاکت یا ضرر شدید کی دھمکی کے اثر سے اگر بعض جرایم کا ارتکاب کیا جائے تو یہ امر ایسے جرایم کی حد تک موجب براءت ہوگا۔ یقین کے ساتھ یہ کہنا ناممکن ہے کہ کن جرایم میں یہ عذر مسموع ہوگا۔ یہ یقینی امر ہے کہ اس کی بنا پر قتل عمد سے براءت نہیں مل سکتی تاہم اس سے زیادہ سنگین جرم یعنی بغاوت سے (گو کہ صرف اس کی خفیف اشکال میں) اس کی بنا پر براءت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ملزم یہ ثابت کرے کہ ہلاکت یا کسی ایسی جسمانی مضرت کی دھمکی کی وجہ سے جو ہلاکت سے کچھ ہی کم درجے کی ہو وہ مجبور ہو گیا تھا کہ بغاوت میں ضمنی حیثیت کی مدد دے لیکن اس پر یہ ثابت کرنا لازم ہوگا کہ اس پوری مدت کے دوران میں جب کہ وہ مدد دے رہا تھا جبر برقرار رہا اور جس امر کے کرنے کے لیے وہ مجبور کر دیا گیا تھا اس سے زاید اس نے کوئی کام نہیں کیا اور سب سے پہلے جو موقع

۵ا سرکار بنام لارڈ میئر آف لندن (۱۸۹۶ء) ۱ کوئنس بنچ ڈویژن ۲۷۷۔

85 اس کے ہاتھ آیا اس ہی پر وہ دستکش ہو گیا۔[۵۱] مزید براں بقول سر جیمس اسٹیفن یہ صفائی اس وقت قابل قبول ہو سکتی ہے جب کہ ملزم کو ایک سے زاید اشخاص نے دھمکی دی ہو۔ لیکن اصولاً یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دو شخص باعتبار قوت یا اسلحہ ایک دوسرے سے اس قدر مختلف الحال ہو سکتے ہیں کہ جس حد کا جبر استثنیٰ کے لیے کافی تصور کیا جاتا ہے اتنا جبر ان میں سے ایک شخص دوسرے پر استعمال کر سکتا ہے خواہ اس مقام پر دھمکی دینے والا تنہا ہی ہو۔

کمتر درجے کے جبر کا خوف گو کہ جرم سے براءت کے لیے کافی نہیں ہے پھر بھی اس کی وجہ سے سزا میں کمی ہو سکتی ہے۔ جہاں کہیں دو مجرم ہوں گے ان میں سے ایک شخص دوسرے سے کسی حد تک ہمیشہ خوف زدہ رہے گا۔ ایسی حالت میں وہ بزدل اور زیر دست شخص اپنے بالادست ساتھی کی بہ نسبت کم سنگین سزا کا مستوجب ہوگا۔

(۳) **ضرورت**۔ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کی ذات یا جایداد کو مضرت پہنچائی ہو اور اس سے اس کی غرض یہ ہو کہ عامۃ الناس کو بہت زیادہ سخت مضرت سے بچایا جائے تو ان دیوانی مقدمات میں جو اس مضرت کے معاوضے کے لیے رجوع کیے جائیں مذکورہ بالا واقعہ قدیم زمانے سے ایک معقول صفائی تصور کیا جاتا ہے۔[۵۲] یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ آگ کو پھیلنے سے

---

۵۱ Rex. V. Megrowthers (1746) Foter 13 (K. S. C. 56)

۵۲ دیوانی جواب دہی میں ضرورت کا عذر کب پیش ہو سکتا ہے اس کے لیے ملاحظہ ہو قانون ٹارٹ مصنفہ پولک ۱۳ ایڈیشن صفحہ ۱۷۴۔ اور حفاظت خود اختیاری کے لیے ملاحظہ ہوں صفحات (اصل کتاب؟) ۱۷۰ تا ۱۸۱، اور ۱۷۸ تا ۱۸۰ ما بعد۔

روکنے کے لیے مکانوں کا گرا دینا[1] یا آگ بجھانے کے لیے مکان میں داخل ہو جانا ٹارٹ نہیں ہے لہٰذا یہ ایک لازمی بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر فوجداری کارروائی میں اس طرح کی ضرورت کو صفائی میں پیش کیا جائے تو زیادہ آسانی سے قابل قبول ہوگی، چوں کہ فوجداری کارروائیوں کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ نقصان کی تلافی کی جائے بلکہ جس بدعملی کا واقعی طور پر ارتکاب عمل میں آیا ہے اس کی سزا دینا مقصود ہوتا ہے۔ (جو ان مواقع پر تقریباً یا قطعاً معدوم معلوم ہوتی ہے) اور خود سزا کا بڑا مقصد (یعنی عبرت) فوت ہو جاتا ہے۔ ضرورت کی ان صورتوں میں وہ خرابی جس کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس خرابی سے کم درجے کی ہوتی ہے جس کو اگر جرم دفع نہ کر دیتا تو برداشت کرنا پڑتا۔ لہٰذا اگر 86
کوئی شخص کسی کی جان بچانے کی خاطر ایک خفیف جرم کا ارتکاب کرے مثلاً یہ کہ شب میں بلا قندیل کی بائیسکل پر آگ بجھانے کا انجن لینے جائے تو اس کا یہ عذر بظاہر معقول اور قانونی ہوگا۔ تاہم نظریات قانونی پر تبصرہ کرنے والے مصنفین کا رجحان اگرچہ یہی ہے کہ اس صفائی کو تسلیم کرنا چاہیے لیکن کوئی انگریزی نظیر ایسی موجود نہیں ہے جس میں کہ یہ صفائی واقعتاً پیش کی گئی ہو اور قبول ہوئی ہو۔ البتہ لارڈ مینسفیلڈ نے ایک ضمنی رائے کی حیثیت سے یہ لکھا ہے کہ بعض ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ اگر عامۃ الناس کے لیے کوئی خطرہ درپیش ہو تو ضرورت کے تحت ایک باغیانہ فعل بھی حق بجانب تصور کیا جائے گا[2]، مثلاً یہ کہ نوآبادیات کے کسی

---

۱ ملاحظہ ہوں ٹارٹ کے منتخب نظائر، مرتبہ کینی صفحات ۱۶۱ - ۱۷۰۔

۲ Rex. V. Stratton (1779) لارڈ کولرج نے Reg. V. Dudley میں اس مقولے کی صحت کو تسلیم کیا ہے ملاحظہ ہو صفحۂ اصل کتاب ۸۷۔

گورنر کو اس کی کونسل معزول کردے۔ ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ اگر سمندری سفر کے دوران میں رسد کم پڑ جائے اور جہاز کا کپتان مسافروں کو کھلانے کے لیے محولہ سامان پر تصرف کرلے تو اس کے اس فعل پر سرقے کا اطلاق نہ ہوگا۔ گرگسن بنام گلبرٹ (۱۷۸۳ء[۱]) میں سمندری بیمے کی پالیسی کی بنا پر ایک سو پچاس غلاموں کی قیمت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ یہ غلام دوران سفر میں جہاز پر سے اس وجہ سے پھینک دیے گئے تھے کہ پانی کے پیپے کم رہے جاتے تھے اور سو غلام پہلے ہی پیاس کی وجہ سے مر چکے تھے۔ عدالت اور شاید وکلا دونوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ انتہائی ضرورت کے موقع پر ایسے بھیانک افعال بھی جائز سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس مقدمے میں ریاست فوجداری ذمہ داری کا سوال نہ تھا اور اب سرکار بنام ڈڈلی اور اسٹیفنس (۱۸۸۴ء[۲]) کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوجداری قانون کے تحت ایسے قتل کے فعل کے لیے ضرورت کی بنا پر کوئی استثنیٰ منظور نہیں کیا جا سکتا۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی صفائی کسی ایسے معاملے میں منظور نہیں کی جا سکتی (۱) جس میں خرابی جو رفع کی گئی ہو وہ اس جرم کی خرابی سے جس کا اس دفیعے کے لیے ارتکاب کیا گیا ہو کم ہو (۲) جس میں وہ خرابی کسی ایسی صورت سے رفع ہو سکتی ہو جو اس جرم کے ارتکاب سے کم اہمیت رکھتا ہو (۳) جس میں اس خرابی کے رفع کرنے کے لیے جتنی مضرت کی ضرورت ہو اس سے زیادہ پہنچائی گئی ہو۔ لہٰذا سر جیمس اسٹیفن نے جو کلیہ

---

[۱] 3 Douglas 232

[۲] 14 Q. B. D. 273 (K. S. C. 62)

تجویز کیا ہے اس سے کوئی زیادہ معین کلیہ قایم کرنا شاید قرین احتیاط نہ ہوگا۔ سر جیمس کہتے ہیں کہ[۱] "ایسی صورتیں خیال میں آتی ہیں جن میں
87 خلاف ورزی قانون اس شدت کے ساتھ قرین مصلحت ہو کہ لوگ اس خلاف ورزی میں حق بجانب قرار دیے جائیں، لیکن قبل از وقت ان حالات کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔"

صرف ایک ہی انگریزی مقدمے میں یہ صفائی صاف طور پر پیش کی گئی تھی اور اسی میں وہ نامنظور کر دی گئی۔[۲] تین مرد اور ایک لڑکا ٹگنونٹی جہاز کی تباہی سے بچ کر ایک کھلی کشتی میں نکل بھاگے تھے آٹھ روز تک انھیں کوئی غذا نہ ملی اور بالآخران آدمیوں نے اس لڑکے کو مار ڈالا تاکہ اس کی لاش کھالیں۔ چار روز بعد ایک جہاز ان کو جاتا ملا اور وہ ان کو نکال لایا۔ انگلستان پہنچنے پر ان میں سے دو شخصوں کے خلاف لڑکے کو بالعمد قتل کرنے کی بنا پر مقدمہ چلایا گیا۔ لارڈ بیکن نے کہا تھا (مقولہ جات نمبر ۵) کہ اگر جہاز تباہ ہو گیا ہو اور اس جہاز کے دو شخص ایک تختے سے چمٹے ہوئے ہوں اور وہ تختہ صرف ایک کا وزن اٹھا سکتا ہو اور ان میں سے ایک شخص دوسرے کو ڈھکیل دے تو اس شخص پر کوئی فوجداری ذمہ داری عاید نہ ہوگی چونکہ اس کا یہ عمل اپنی جان بچانے کے لیے ضروری تھا۔[۳] لیکن عدالت کوئنس بنچ نے پورے زور کے ساتھ اس امر کا اظہار کیا ہے کہ قانون کا کوئی عام اصول

---

[۱] History of Criminal Law صفحہ ۱۰۹۔

[۲] Reg. V.Dudley and Stephens (1884), 14 Q. B. D. 273 (K.S.C. 62)

[۳] Pleas of the Crown مصنفہ ہیل صفحہ ۵۴۔ ۱۸۹۰ء میں فرانس میں ایک فیصلے کے متعلق بڑی قانونی بحثیں اٹھی تھیں۔ وجہ یہ تھی کہ اس فیصلے میں لارڈ بیکن کے نرم اصول کا اتباع کیا گیا تھا اور فرانسیسی جج عام طور سے ہیل کے نظریے پر عمل کرتے ہیں۔

ایسا نہیں ہے جس کی رو سے اپنی جان بچانے کے لیے کسی بے گناہ شخص کی جان لینے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ عدالت کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو لارڈ بیکن کے تختے والے کلیے کو بھی مسترد کر دے لیکن سر جیمس اسٹیفن کا خیال ہے کہ جو فیصلہ انھوں نے صادر کیا ہے اس سے اس کلیے کی تردید نہیں ہوتی۔ کیوں کہ بقول ان کے، "ملزم دوسرے شخص کو کوئی جسمانی ضرر نہیں پہنچاتا بلکہ اس کے لیے پھر بھی یہ موقع چھوڑتا ہے کہ کوئی دوسرا تختہ حاصل کرے"، لیکن ملگنونٹی کے مقدمے میں لڑکا واقعی طور پر قتل کر دیا گیا اور پھر ایسے لوگوں کے ہاتھوں جنھوں نے یہ عمل اس لیے کیا کہ وہ بھوک سے ہلاک نہ ہو جائیں اور بھوک سے ہلاک ہو جانے کے متعلق جوری کا فیصلہ یہ تھا کہ اگر وہ لوگ اس لڑکے کو ہلاک نہ کرتے تو ہلاکت کا صرف "گمان غالب تھا، لزوم نہ تھا"[1]۔

---

[1] اسٹیفن کی Digest of Criminal Law کے ساتویں ایڈیشن کی فصل ۳۲ ملاحظہ ہو۔ اسٹیفن کا بھی خیال یہی ہے کہ Reg. v. Dudley کے حالات دوسرے ایسے مقدمات سے بالکل مختلف تھے جن میں دو برائیوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک زچگی کرانے والا زچگی کے وقت یہ محسوس کرے کہ ماں کی جان بچانے کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ بچے کو ہلاک کر دیا جائے (یہ ایسا فعل ہے جس کی بنا پر کبھی فوجداری مقدمہ نہیں چلایا گیا) بعض دوسری صورتیں ہیں جن میں اور اس شکل میں اور بھی زیادہ فرق ہے۔ وہ صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں یہ سوال نہیں ہوتا کہ دو میں سے کون سے شخص کو زندہ رہنا چاہیے بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا کوئی بھی زندہ رہے گا جیسے مثلاً تین شخص اپنے کو ایک رسی میں باندھ لیں اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کریں۔ ان میں سے دو کے پاؤں پھسل جائیں اور وہ تیسرا اپنے بچانے کے لیے رسی کو کاٹ دے تاکہ ان کے ساتھ وہ بھی پھسل کر موت کے

88 بہر حال ضرورت کی صفائی کو صرف ان مواقع پر اہمیت
ہوسکتی ہے جن میں (مثل ان جرایم کے جن کی سزا موت ہے) سزا کی
کوئی کم از کم حد معین ہوتی ہے۔ دوسرے تمام جرایم میں انگلستان
کا ہر جج ملزم کی انتہائی حالت کا لحاظ کرے گا اور سزا کو کم کر کے برائے نام
جرمانے کا حکم دے دے گا۔[1]

تاہم جب کسی ممنوعہ فعل کے نہ کرنے کا نتیجہ ناگزیر طور پر فوری
ہلاکت ہو تو اگر سزا کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کا خوف دلا کر
جرایم کے ارتکاب سے باز رکھا جائے کہ قانونی ممانعت کا برقرار
رکھنا عبث معلوم ہوتا ہے چوں کہ اگر سزا کی تہدید کا یہ اثر نہیں
ہوسکتا کہ ارتکاب جرم سے باز رکھ سکے تو ایسی تہدید بے سود ہے۔[2]
شاید یہی سبب ہے کہ ریاست ہائے متحدہ میں ضرورت کی
صفائی کو قابل پذیرائی سمجھا جاتا ہے۔[3]

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ منھ میں نہ جا پڑے۔ نیز ملاحظہ ہو Plowden ۱۳ جیل میں آگ
لگ جائے اور ایک قیدی اپنی جان بچانے کے لیے اس میں سے بھاگ نکلے۔

۱؎ لیکن یورپ کے دوسرے ممالک میں (جہاں سزا کی کم از کم مقدار اکثر معین رہتی ہے)
صفائی میں اکثر شدید جسمانی مضرت کو دفع کرنے کا عذر پیش کیا جاتا ہے۔

۲؎ تصادم کی وجہ سے کورٹ مارشل ہوا (اخبار ٹائمس ۲۸ جولائی ۱۸۹۳ء) اس میں
یہ ثابت کیا گیا کہ بحری نظم و ضبط میں ضرورت کے موقع پر امیر البحر کے احکام کی
خلاف ورزی بھی قابل معافی ہے۔ مثلاً بڑی ضرورت یہ کہ جہاز کی حفاظت خطرے
میں نہ پڑے۔

۳؎ ملاحظہ ہو Common Wealth V. Brooks (1868) 99 mass 434 اور The state
V. Wray (1875) 72 N. C. 253 Rice Gejeorgia (1899) 34, S. E. R. 202
میں ایک شخص نے ایک قانون کی خلاف ورزی کی جس کے ذریعے سے گرجا کو
شراب لے جانا ممنوع قرار دیا گیا تھا۔ اس نے یہ جواب دہی کی کہ اس کی بیوی کو اس کی

وہ ابتدائی تین اشکال جن میں ضروری دماغی عنصر کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے مجرمانہ عمل پر سزا نہیں دی جاتی ان میں بلیکسٹن ایک چوتھی مفروضہ شکل کا اضافہ کرتے ہیں یعنی یہ کہ جب ارادہ اتنا کامل ہو کہ جرم کا ارتکاب ممکن نہ ہو۔ فوجداری ذمہ داری سے بادشاہ کے مکمل استثنیٰ کو وہ ایک قطعاً غیر ضروری حیلۂ قانونی کے ذریعے سے اس کے ارادے کے فرضی کمال سے منسوب کرتے ہیں 89
اور ارادے کا یہ کمال ان کے نزدیک ایسا ہے کہ اس کے لیے مجرمانہ نیت ناممکن ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک ظاہر امر ہے کہ حقیقۃً ہمارا قانون یہ تصور نہیں کرتا کہ بادشاہ میں ارتکاب جرم کی صلاحیت نہیں ہے یعنی یہ کہ گو وہ اس کو کسی حالت میں سزا نہ دے گا لیکن ایک برے شیر کو جس نے بادشاہ کو جرم کے ارتکاب پر آمادہ کیا ہو معین جرم کی حیثیت سے بلا تامل سزا دی جائے گی۔ بادشاہ خود یقیناً ذمہ داری سے مستثنیٰ ہے اور اس کی حقیقۃً وجہ یہ ہے کہ ہمارے دستور میں کوئی ایسی عدالت موجود نہیں ہے جو بادشاہ پر اختیار سماعت رکھتی ہو لہٰذا اس امر کا محض قانون اضافی (ضابطے) سے تعلق ہے ہمارے قانون اصلی کے کسی مفروضے کا نتیجہ نہیں ہے۔

اس امر کو بہرحال کسی شعبۂ قانون کے تحت بھی قرار دیا جائے لیکن فی نفسہ یہ استثنیٰ بہت عاقلانہ ہے۔ ہر قوم نے اس استثنیٰ کے ذریعے سے اپنے اعلیٰ حاکم کا تحفظ ضروری تصور کیا ہے۔ (یہ صحیح ہے کہ ریاست ہائے متحدہ میں اگر صدر جمہوریہ کسی جرم کا مرتکب ہو تو وہ اس کا پورے طور پر ذمہ دار اور جواب دہ سمجھا گیا ہے[۱]۔ لیکن

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ ضرورت ہے کہ ہر وقت شراب اس کے قریب رہے لیکن یہ صفائی نامنظور کی گئی چونکہ اس کی بیوی کا گرجا جانا ضروری نہ تھا۔

[۱] ملاحظہ ہو دستور ریاست ہائے متحدہ امریکہ آرٹیکل II دفعہ ۴۔

جن مخصوص حالات میں ان ریاستوں نے اپنا دستور بنایا ہے وہ اس غیر معمولی ذمہ داری پر کافی روشنی ڈالتے ہیں۔ چارلس اول کے مقدمے کے موقع پر مجلس وضع قوانین کی کونسل تک نے ہنری ہفتم کے زمانے کی اس قانونی رائے کو صحیح تسلیم کیا تھا کہ "اگر بادشاہ غصے کی حالت میں کسی شخص کو مار ڈالے تو یہ ایسا جرم کبیرہ ہو گا جس کی وجہ سے بادشاہ کی جان لے لی جائے۔"

یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ بین الاقوامی عملدرآمد کی رو سے اسی طرح کا استثنیٰ غیر ملک کے ہر بادشاہ، سفرا اور ان کے متعلقین کے لیے ان کے دوران قیام میں روا رکھا گیا ہے۔ خلاف قانون طور پر موٹر چلانے کی بابت جو چند تازہ مقدمات ہوئے ان میں اس استثنیٰ کے عملی اثرات ظاہر ہوئے۔

۱ـ 4 State Trails 1034 اور ملاحظہ ہو Constitutional Law مصنفہ ویڈ اور فلپس دوسرا ایڈیشن صفحہ ۶۷۔

۲ـ بجز اس کے کہ وہ معزول کر دیے جائیں یا جلاوطن کر دیے جائیں یا انگلستان میں بھاگ کر آ جائیں ایسی حالت میں یہ استثنیٰ باقی نہیں رہے گا Reg V. Mary Queen of Scots 1856

۳ـ وہ بحیثیت گواہ بھی طلب نہیں کیے جا سکتے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں ڈنمارک کی سفارت کا ایک سکرٹری دریائے ٹیمس میں غرق ہو گیا تھا۔ سفارت نے اس امر کا مطالبہ کیا کہ اس کی لاش کا معائنہ اور تحقیقات نہیں کی جا سکتی۔ سفارت کا یہ مطالبہ تسلیم کیا گیا۔ دیکھیے (International Law) قانون بین الاقوام) چوتھا ایڈیشن صفحہ ۶۳۲۔ مصنفہ اوپن ہیم (Oppenheim)

ملاحظہ ہو Engelke V. Musmann (1928) A. C. 433 جس سے معلوم ہوگا کہ اگر ہمارے دفتر خارجہ سے کسی شخص کو اس امر کی بابت صداقت نامہ دیا جائے کہ وہ قانون سے مستثنیٰ ہے تو یہ استثنیٰ کے لیے قطعی کافی ہو گا۔

نیم خود مختار اعلیٰ فرماں روا جیسے ریاست ہائے ہند کے وہ فرماں روا جو زیر حمایت برطانیہ ہیں ان کے لیے دیکھیے Statham, V. Statham, (1912) P. 92

مزید براں سلطنت کے طرز عمل[۱] Act of State کی بابت اس ۵۹
سلطنت کی عدالتیں جس کا وہ عمل ہو تحقیقات عمل میں نہیں لا سکتیں[۲]

[۱] ملاحظہ ہو (Constitutional Law) ایڈیشن دوم صفحات ۸۷-۹۱ مصنفہ وِیڈ اور فلپس۔

[۲] History of Criminal Law صفحہ ۶۱۔

باب ۵

نامکمل جرائم

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب محض مجرمانہ نیت ہی ہوتی ہے تو قطعاً جرم کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن فعل مجرمانہ کا وجود ہونا گو کہ اس طرح ضروری ہو جاتا ہے پھر بھی اگر وہ پورا فعل مجرمانہ جس کا قصد کیا گیا تھا پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا ہو تب بھی جرم کا ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کے گولی مارے لیکن نشانہ خطا کر جائے تو ظاہر ہے کہ قتل عمد تو نہ ہوگا تاہم یہ فعل داخل جرم ضرور ہوگا۔ کیوں کہ قانون ان جرائم میں جو قابل ترتیب فرد جرم ہیں ایسے افعال کی سزا دیتا ہے جو اس جرم کی تیاری کی بہت ابتدائی منزل ہوتے ہیں۔

لیکن جس طرح خالی نیت مجرمانہ کے وجود کی بنا پر سزا نہیں دی جاتی اسی طرح فعل مجرمانہ اپنی بالکل ہی اولین منازل پر مستوجب سزا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ (بغاوت کی

ایک مخصوص شکل سے قطع نظر کرتے ہوئے) جب نیت مجرمانہ کے بعد کسی فعل کا صرف اس حد پر ارتکاب ہوا ہو کہ اس سے بجز اس کے کہ نیت مجرمانہ ظاہر ہو جاتی ہو اور کوئی اثر نہ ہوتا ہو تو کسی قسم کی فوجداری ذمہ داری پیدا نہیں ہوتی۔ ذمہ داری اس وقت تک شروع نہ ہوگی جب تک کہ ملزم نے کوئی ایسا عمل نہ کیا ہو کہ اس سے اس کی مجرمانہ نیت ہی ظاہر نہ ہوتی ہو بلکہ کسی حد تک اس جرم کی تکمیل بھی ہوتی ہو۔ بالکل ابتدائی یا ناتکمل جرائم کی تین قسمیں ترغیبات۔ سازشیں۔ اقدامات بہت آگے بڑھ کر مستوجب سزا ہوتی ہیں۔

(۱) ترغیب میں کسی دوسرے شخص سے ارتکاب جرم[1] کی خواہش کی جاتی ہے خواہ جس جرم کی اس شخص کو ترغیب دی گئی تھی[2] اس کا وہ ارتکاب نہ بھی کرے تب بھی یہ جرائم صغیرہ[3]
میں داخل ہے اور اس فعل کے ارتکاب کی صورت میں 92
ترغیب دینے والا اور زیادہ مجرم متصور ہوتا ہے چوں کہ اگر وہ جرم کبیرہ ہو تو وہ "شریک جرم قبل واقعہ" قرار دیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ جرم جرم صغیرہ ہو تو اصل مجرم کے مساوی ذمہ داری

---

[1] Rex. V. Higgins (1801), 2 East 5 (K.S.C. 83) لیکن وہ جرم جس کے ارتکاب کی خواہش کی گئی ہو (بجز چند قانون موضوعہ کے جرائم۔ کے) قابل ترتیب فرد جرم ہونا چاہیے جرم کا مشورہ دینا اور اس کی جانب مائل کرنا بہر حال ایک خفیف جرم ہے بشرطیکہ جس جرم کے ارتکاب کا مشورہ دیا گیا ہو اس کا ارتکاب بھی عمل میں آگیا ہو۔

[2] Reg V. Gregory (1866), IC.C.R 77 یا جب کہ اس کا ارتکاب نہ کر سکتا ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ ترغیب دینے والا یہ سمجھتا ہو کہ وہ شخص اس کا ارتکاب کر سکتا ہے۔
(Reg. V. Brown (1899). 63..J.P,790)

[3] جن کی سزا جرمانہ اور قید ہے۔

اس پر بھی عاید ہوتی ہے۔

(۲) سازش[1]۔ دو یا زیادہ شخصوں کا کسی جرم کے ارتکاب کے لیے محض باہم رضامند ہو جانا معہودہ جرم سے اس قدر قریب تصور کیا جاتا ہے کہ قانون ان لوگوں کو فی الفور مجرم قرار دیدیتا ہے۔ صرف اس امر کی سازش کہ کسی شخص کو جرم کے ارتکاب کی محض ترغیب دی جائے داخل جرم ہوگی۔

(۳) اقدامات۔ نامکمل جرم کی سب سے زیادہ عام قسم ہیں۔ یہ کسی ایسے جسمانی عمل پر مشتمل ہوتے ہیں جو کسی ایسے جرم کی تکمیل میں مدد اور کافی متصل حد تک پہنچاتے ہیں جو قابل ترتیب فرد جرم ہو لیکن کوئی ایسا اصولی معیار نہیں بتلایا جا سکتا جس سے اس امر کی تشخیص ہو سکے کہ آیا ایک فعل اس حد تک متصل ہے کہ وہ "اقدام" شمار کیا جا سکتا ہے یہ ظاہر ہے کہ جس جرم کا ارادہ ہو خود اس کے واقعی طور پر شروع ہونے سے پہلے اس کے لیے محض تیاری کرنا مجرمانہ اقدام میں داخل نہیں ہو سکتا[2]۔ چنانچہ اگر کوئی شخص قتل عمد کا ارادہ کرے اور ایک طمنچہ خریدے اور اس مقام تک کا ریل کا ٹکٹ لے جہاں اس شخص کے ملنے کی امید ہو جس کو وہ مارنا چاہتا ہے تو یہ جملہ امور محض تیاری میں داخل ہیں اور اس واقعی تیاری سے ان کو اتنا بعد ہے کہ یہ "اقدام" نہیں سمجھے جا سکتے۔

---

[1] صفحہ ۱۰۱ (اصل کتاب ؟)۔

[2] سرکار بنام رابنسن (سنہ ۱۹۱۵ء) ۲ کنگس بینچ ۳۴۲۔ سرکار بنام ڈس (سنہ ۱۹۳۰ء) لیکن اکثر اوقات ان سے سازش کے جرم کی شہادت مل جاتی ہے قانون مصنوعہ کے ذریعے سے اس فعل کو داخل جرم کرنے کی بابت جو محض جرم کی تیاری پر مشتمل ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲۵ آئندہ (اصل کتاب ؟)۔

لیکن اگر اس شخص کے مل جانے پر یہ تمنچے کا رخ اس کی طرف کرے اور لبلبی پر اپنی انگلی رکھے تو یہ ایسے افعال ہوں گے جو
93 قتل عمد کا (اور اسی طرح زخمی کرنے کی غرض سے گولی مارنے کا) جزو ہوں گے اور ان دونوں جرایم میں سے کسی ایک کے اقدام کی حد تک پہنچیں گے۔ اور اگر محض رفتہ رفتہ زہر دے کر ہلاک کرنے کا ارادہ ہو تو پہلی خوراک کا پلانا ہی (جو کمزور اور غیر مہلک ہو) کافی طور پر اقدام سمجھا جائے گا۔[1]

علیٰ ہٰذا القیاس دیا سلائی کی ڈبیہ خریدنا ایسا فعل نہیں ہے جو آگ لگانے کے جرم سے اتنا کافی متصل ہو کہ اس جرم کا اقدام سمجھا جا سکے چوں کہ یہ ایک ایسا فعل ہے کہ اس کا بذات خود اس جرم سے یا کسی دوسرے جرم سے لازمی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اس کے برخلاف سوکھی گھاس کے ذخیرے کے پاس اس ذخیرے کو آگ لگانے کی غرض سے واقعی طور پر ایک سلائی بھی گھسنا آگ لگانے کے جرم کا اقدام سمجھا جائے گا۔[2] اور اگر دیا سلائی بجھ جائے یا ملزم کے ہاتھ سے چھین لی جائے یا یہ سمجھ کر اس کو کسی نے دیکھ لیا وہ اس کو خود پھینک دے تو قبل اس کے کہ گھاس میں ذرا بھی آگ لگے اقدام بدستور قایم رہے گا۔ اس فرق کی دوسری مثال ان صورتوں سے مل سکتی ہے جن کا تعلق باغیانہ یا توہین آمیز کتابوں کی اشاعت سے ہوتا ہے۔ اس طرح کی کتاب کو محفوظ رکھنا خواہ اشاعت ہی کی نیت سے ہو اشاعت کا اقدام نہیں ہے اور نہ کتاب کے حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا 'اقدام' میں داخل ہے[3] لیکن اشاعت کی نیت سے اس کو

---

[1] سرکار بنام وہائٹ سنہ ۱۹۱۰ع (4 Cr. App. R. 257)

[2] سرکار بنام ٹیلر (سنہ ۱۸۵۹ع) ملاحظہ ہو کامن لا، مصنفہ ہومس باب دوم۔

[3] Dearsly صفحہ ۵۵۱۔

واقعی طور پر حاصل کر لینا اقدام متصور ہوگا۔[1]
ایک فاضل مصنف کا خیال ہے[2] کہ اقدام اس وقت ہوتا ہے جب ملزم کوئی ایسا فعل کرے جس کے ذریعے سے وہ اس خاص جرم کے ارتکاب کی طرف قدم اٹھائے اور اس فعل کے انجام دینے کی بجز اس خاص جرم کے ارتکاب کے کوئی دوسری غرض نہ ہو سکتی ہو لیکن کسی جرم کی طرف کوئی موثر اور قریبی قدم اٹھانے کا معیار گو کہ کم یقینی ہے لیکن زیادہ مستند ہے۔ جو معیار اوپر تجویز کیا گیا ہے وہ صرف سرکار بنام رابن سن
(سنہ ۱۹۱۵ء) ۲ کنگس بنچ ۳۴۲ میں اختیار کیا گیا جس میں ملزم کے مابعد 94
طرز عمل کو نظر انداز کر دیا گیا جیسے مثلاً ملزم کے کسی مبہم فعل کے حسن و قبح کی بابت اس کے اقبال جرم کو کافی شہادت تصور کر لیا گیا ہے حالاں کہ مابعد طرز عمل کو نظر انداز کرنا خلاف اصول معلوم ہوتا ہے[3]۔

کچھ زمانے تک یہ خیال رہا کہ جب تک کہ وہ فعل جس کا اقدام کیا جائے ممکن العمل نہ ہو کسی شخص کو اقدام کا مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ چنانچہ اگر کوئی چور کسی شخص کی جیب میں ہاتھ ڈالتا اور وہ اتفاق سے خالی ہوتی تو خیال کیا جاتا تھا کہ یہ عمل سرقے کے ارتکاب کا اقدام نہیں ہے[4]۔ اس اصول کے خلاف بہر حال صاف طور پر نظائر قایم ہو چکے ہیں[5]۔ تاہم عمل ایسا ہونا چاہیے

---

۱ کریمنل اپیل رپورٹس کے صفحہ ۱۱۱ سے صفحہ ۱۲۴ کا تقابل کیجیے۔
۲ کیمبرج لا جرنل نمبر ۲ میں جے ڈبلو سی ٹرنر کا مضمون "ارتکاب جرم کے اقدامات" ملاحظہ کیجیے۔
۳ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴۴ آئندہ۔ (اصل کتاب انگریزی)
۴ سرکار بنام کالنس (سنہ ۱۸۶۴ء) لیکن بایں ہمہ حملہ بہ نیت ارتکاب جرم کبیر کے تحت اس کی سزا دی جا سکتی تھی صفحہ ۸۴ (آئندہ)۔
۵ سرکار بنام براؤن (سنہ ۱۸۹۰ء) ۲۴ کوئنس بنچ ڈویژن ۳۵۷، سرکار بنام رنگ (سنہ ۱۸۹۲ء)۔

جو اس جرم سے قریب تر طریقے پر وابستہ ہو۔ چنانچہ پنچے سے جس کی
زیادہ مار نہیں ہوتی کسی ایسے شخص پر حملہ کرنا جو فاصلے پر ہو گو کہ ایسے
اقدام میں داخل ہو گا جو قابل ترتیب فرد جرم ہے لیکن کسی انسان
کے شبہ میں کسی کھمبے پر گولی چلانا اقدام میں داخل نہ ہو گا۔" یہ
ناممکن ہونے کا سوال نہیں ہے بلکہ حقیقۃً وہ شخص قطعاً وہ کام
کر ہی نہیں رہا تھا۔[۱]

یہ ممکن ہے کہ جس جرم کا اقدام کیا جائے وہ خود بھی نامکمل
قسم کا ہو۔ چنانچہ اقدام ترغیب جرم یا اقدام سازش پر سزا
دی جا سکتی ہے[۲] لیکن چوں کہ اقدام میں فی نفسہٖ یہ بات داخل ہے کہ
وہ نامکمل ہی ہو، لہٰذا اگر ملزم یہ ثابت کر سکے کہ جس جرم کا اس نے
ارادہ کیا تھا اس کی تکمیل کر لی ہے تو اقدام کے الزام کے
مقابل میں یہ صفائی قابل قبول ہو گی چوں کہ ایسی حالت میں اقدام
ایک بڑے جرم میں ضم ہو جائے گا[۳] اور اس کو سزا دلانے کے لیے
بار دیگر رجوع عدالت ہونا پڑے گا۔ اگر بہر طور کوئی شخص اس کے
برخلاف کسی جرم میں ماخوذ ہوا اور بعد میں ثابت ہو کہ اس نے 95
صرف اس جرم کا اقدام کیا تھا تو قانون موضوعہ[۴] کی رو سے اب

---

[۱] سرکار بنام آس بارن (سنہ ۱۹۱۰ء) اور اس سے سرکار بنام براؤن (سنہ ۱۸۹۹ء) کا مقابلہ کیجیے
ہارورڈ لا ریویو صفحہ ۸۲ بھی ملاحظہ کیجیے ج ۔ ڈبلو سی ٹرنر نے سرکار بنام آس برن پر اعتراض
کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بعض حالات میں یعنی جن میں نیت کا اس سے پہلے پتا چل جائے
اگر کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ اس کا دشمن سو رہا ہے تکیے پر وار کرے تو اس کا یہ اقدام مجرمانہ ہو گا خواہ
اس کا دشمن اس سے میلوں کے فاصلے پر ہو لیکن مسٹر ٹرنر کے معیار کی تنقید میں مذکورۂ بالا متن کی عبارت ملاحظہ کیجیے۔

[۲] یا سازش کی ترغیب دینے کا اقدام۔

[۳] سرکار بنام ہگنس (سنہ ۱۸۰۱ء) اور سرکار بنام میری ڈیتھ (سنہ ۱۸۳۸ء)۔ اسی طرح ترغیب مکمل جرم
میں ضم ہو جائے گی لیکن سازش ضم نہ ہو گی دیکھیے صفحہ ۳۳۶ تا بعد۔

[۴] ۱۴ و ۱۵ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۱ دفعہ ۹۔

یہ قرار دیا گیا ہے کہ اس کو اصل استغاثے ہی پر محض اقدام کا مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور اس طرح نئے استغاثے اور نئے مقدمے کی زحمت رفع ہو گئی ہے۔[1]

کامن لا کی رو سے وہ جرم جو قابل ترتیب فرد جرم ہو خواہ جرم کبیر ہو یا جرم صغیر اس کا اقدام جرم صغیر ہی تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن قانون موضوعہ کے ذریعے سے بعض خاص اقدامات بذات خود جرم کبیر قرار دیے گئے ہیں۔ چنانچہ قتل عمد کا ہر اقدام جرم کبیر ہے۔ اور اس کی سزا یہ ہے کہ ملزم پر تاحیات عوارض تعزیری عاید کر دیے جائیں۔[2]

[1] سرکار بنام ہنسلر (۱۸۷۰ئ) (II Cox. 570)۔

[2] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۱۰۰ دفعہ ۱۵۔ اس کے اندر خود کشی کے اقدامات شامل نہیں ہیں۔ دیکھیے صفحہ ۱۲۹ آیندہ۔

باب ٦ 96

ایک جرم کے ممکنہ شرکا

انگلستان کے مقننین نے جرایم کو اکثر تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: ٹریژن (بغاوت) فیلونیز (جرایم کبیرہ) مس ڈیمنرس (جرایم صغیرہ)۔ ان تین قسموں میں کسی قسم کے بھی سب سے زیادہ سنگین اور سب سے کم سنگین جرایم کے ارتکاب میں حصہ لینے کے مختلف معروف طریقوں میں بلحاظ مواد یا نیز نوعیت کوئی قانونی امتیاز قایم نہیں کیا گیا۔ کیوں کہ بغاوت کے جرم میں خفیف ترین حصہ لینا بھی اتنا شدید عمل تصور کیا جاتا ہے کہ اس میں اور اُس کی مزید سخت تر شکلوں میں امتیاز قایم کرنا غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف جرایم صغیرہ میں کوئی عمل اتنا سنگین نہیں سمجھا جاتا کہ اس میں اور اس جرم میں کم حصہ لینے کی شکلوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہو[1]۔ لہذا اگر جرم ان

[1] گولڈ اینڈ کو لمیٹڈ بنام ہائن (۱۹۲۱ء) کنگس بنچ ۹-۵۔

دو انتہائی شکلوں کے اندر داخل ہو تو قانون ان تمام اشخاص کو جو اُس سے کسی طرح تعلق رکھتے ہوں بلا امتیاز جرم اصل مرتکب کی حیثیت سے سزا دیتا ہے۔ یہ تعلق خواہ اس وجہ سے ہو کہ اُس نے واقعی طور پر اس کا ارتکاب کیا ہو یا جس وقت اس کا ارتکاب کیا جا رہا ہو اُس میں مدد پہنچانے کی غرض سے قریب لگا رہا ہو یا اُس نے اس کے ارتکاب کرنے کی محض ترغیب دی ہو۔

لیکن جرایم کی درمیانی قسم یعنی جرایم کبیرہ (Felonies) نہ اتنے سنگین ہوتے ہیں نہ اتنے خفیف کہ ان میں حصہ لینے کے مختلف طریقوں سے جو مدارج پیدا ہوتے ہیں اُن کی طرف باقاعدہ طور پر توجہ کرنا بیکار رہو۔ جرایم کبیرہ کی حد تک ان امتیازات کے قایم کرنے کا طریقہ[له]

97 اب بھی جاری ہے گو کہ عملاً اُس کی اہمیت اب تقریباً بالکل مفقود ہو گئی ہے۔ بہر طور اُس کے صحیح طور پر ذہن نشین کر لینے سے طالب علم کو اب بھی یہ فایدہ ضرور ہو گا کہ وہ نہ صرف جرایم کبیرہ میں بلکہ بغاوت اور جرایم صغیرہ میں بھی ان صورتوں کو سمجھ سکے گا جن کے مطابق اگر جرم میں حصہ لیا جائے تو قانون اُس کو نظر انداز کر دیتا ہے یعنی بالفاظ دیگر وہ حدود سمجھ میں آ جائیں گے، جہاں ماخوذی ختم ہوتی ہے اور براءت شروع ہوتی ہے۔ جرایم کبیرہ میں حصہ لینے کے چار طریقے خیال کیے جاتے ہیں: (۱) پہلے درجے کا اصل مرتکب (۲) دوسرے درجے کا اصل مرتکب (۳) معین قبل ارتکاب (۴) معین بعد ارتکاب۔

پہلے درجے کے اصل مرتکب سے ہماری مراد اصل مجرم سے ہوتی ہے یعنی وہ شخص جس کے مجرمانہ دماغ میں اس مجرمانہ فعل کا

له ملاحظہ ہو تاریخ قانون فوجداری، باب دوم صفحات ۲۲۱ تا ۲۴۱ مصنفہ اسٹیفن اور ڈائجسٹ آف کریمنل لا دوسرا ایڈیشن فصول ۵۰ تا ۶۱ اور پولاک اینڈ میٹ لینڈ صفحات ۵۰۷ تا ۵۰۹۔

قریب ترین قابل الزام دماغی سبب موجود تھا۔ ظاہر ہے کہ جرم جس شخص کے دماغ کی پیداوار ہوتا ہے تقریباً ہمیشہ وہی شخص بذات خود اس مجرمانہ فعل کو انجام دیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ کوئی بے خطا ہستی بطور آلۂ کار اس جرم کبیر کو انجام دے اور اس پر کوئی فوجداری ذمہ داری اس وجہ سے پیدا نہ ہوتی ہو کہ اُس نے جو کچھ کیا اس میں اس کا کوئی قابل الزام ارادہ شامل نہ تھا۔ ایسی صورت میں جو شخص اُس آلۂ کار سے اس عمل کے کرنے کی تحریک کرے گا وہی اصل مجرم ہوگا چوں کہ جرم کے عمل میں آنے سے قبل سب سے آخری نیت مجرمانہ اسی شخص کی تھی اور یہ نیت مجرمانہ گو کہ اس جرم کے ارتکاب کا فوری سبب نہ تھی لیکن بالواسطہ سبب ضرور تھی۔ چنانچہ اگر کوئی طبیب زہریلا عرق مہیا کرے اور نرس سے کہہ دے کہ یہ اُس کے مریض کو پلانے کی دوا ہے اور نرس وہ زہریلا عرق مریض کو پلادے اور اُس کے اثر سے مریض مرجائے تو قاتل طبیب "پہلے درجے کا اصل مرتکب ہوگا"[۱] ہے نہ کہ بے قصور نرس۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک شش سالہ بچے کو اپنے لیے کوئی چیز چرا کر لانے کے لیے کسی دُکان میں بھیج دے تو خود وہ شخص اس چوری میں پہلے درجے کا اصل مرتکب ہوگا۔[۲] علیٰ ہذا القیاس اگر تم اپنے آقا کے محاسب کو کسی رقمی معاملے کے متعلق کوئی جھوٹا حساب حوالے کردو اور وہ اس کو باور کرلے اور اس کا اندراج کردے تو تم خود مالک کے مقابل میں "جھوٹا حساب بنانے کے" جرم میں ماخوذ ہو گے۔[۳]

---

[۱] Kelyng 52 (K.S.C. 79), Rex V. Saunders and Archer. (1578) Foster 371 (K.S.C. 81)

[۲] Reg. v. Manley (1844), 1. Cox 104 (K.S.C. 78)

[۳] Reg. v. Butt (1884), 15 Cox 584

98 جانور بھی "بے قصور آلہ کار" کے طور پر کام میں لائے جا سکتے ہیں چونکہ جس طرح
کوئی شخص اگر لوگوں پر کتے کو لپکا دے تو خود اس پر یہ الزام عاید ہوگا کہ اُس نے ان لوگوں پر
حملہ کیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے سدھے ہوئے شکاری کتے کو قصاب
کی دُکان سے گوشت چرا کر لانے کے لیے بھیج دے تو وہ خود گوشت
کے سرقے کا (بحیثیت پہلے درجے کے اصل مرتکب کے) مجرم
قرار دیا جا سکتا ہے خواہ جس وقت کتے نے گوشت لیا تھا وہ نظر
سے غائب ہو۔ اول درجے کے اصل مرتکب، ظاہر ہے کہ ایک سے زائد
بھی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ شکار کے جانور چرانے والے جتھے کے سب
شرکا جنگل کے اس محافظ پر جو اچانک اُن پر وارد ہو گیا ہو ایک ساتھ
گولی چلا سکتے ہیں یا ماں اور باپ دونوں اپنے چھوٹے بچے کو بھوکوں
مار ڈالنے میں باہم متفق ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک سے زاید اشخاص اول درجے
کے اصل مرتکب ہو سکتے ہیں خواہ ان میں سے ایک شخص اپنے حصے
کے جرم کا ایک شہر میں مرتکب ہو اور اُس کا ساتھی بالکل دوسرے کسی
شہر میں اپنے حصے کے جرم کو انجام دے۔

(۲) دوسرے درجے کا اصل مرتکب وہ ہوتا ہے جو عین
بوقت ارتکاب جرم اس شخص کی مدد اور اعانت کرتا ہے جو اس جرم کبیر
کو واقعی طور پر عملاً انجام دیتا ہے۔ مثلاً ایک موٹر کا مالک جو اپنے شوفر
کے پہلو میں بیٹھا ہو جس نے موٹر کو حد سے زاید تیز چلا کر کسی کو ہلاک کر دیا ہو،
یا گھوڑے کی سواری کے کسی ایسے تفریحی سفر کا مسافر جس میں کوئی آدمی
مارا جائے، یا اپنی زوجہ کی حیات میں دوسری شادی کرنے والے
کی دوسری "بیوی" بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ یہ شخص شادی شدہ ہے
(قدیم قانون میں مرد اصل مرتکب قطعاً نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ وہ اعانت کی

لے Rex. v. Baldessare (1930), 22 Cr. App. R. 70, 144. L.T. 185

تیسری قسم یعنی معین بوقت ارتکاب میں داخل تھا) ہو سکتا ہے کہ یہ ذیلی "اصل مرتکب" بذات خود مقام ارتکاب جرم پر موجود نہ ہو۔ ایسے لوگوں کی مثال میں جو خاص مقام ارتکاب پر اس جرم کبیر میں اعانت کریں[1]، اس انعامی محاربے کے 'معین' پیش کیے جا سکتے ہیں جس میں موت واقع ہو جائے یا نیز محض وہ تماشائی جو اس طرح کے محاربے میں عملی طور پر ہمت بڑھائیں۔ خواہ یہ عمل محض نعرہ ہائے آفریں کے ذریعے ہی سے ہو۔ لیکن انعامی محاربے کے موقع پر کسی تماش بین کی محض موجودگی کو ایسی ہمت افزائی نہیں سمجھا جاتا کہ وہ بجائے خود امداد یا اعانت[2] میں شمار 99
ہو سکے، اور اس لیے وہ شخص لازمی طور پر بحیثیت شریک جرم مستوجب سزا نہیں قرار پاتا۔ اس کے برخلاف یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ایک جرم میں حقیقتہً امداد و اعانت کرے لیکن جس مقام پر وہ جرم سرزد ہو وہ وہاں موجود نہ ہو۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ جب "الف" مکان کے اندر ہو اور نقب لگا رہا ہو "ب" اور "ج" اس مکان کے باہر کھڑے انتظار کر رہے ہوں اور چوری کا اسباب لے جانے میں مدد دینے کے لیے یا پولیس کی آمد کی اطلاع دے کر اس کی حفاظت کرنے کے لیے تیار ہوں[3]۔ انعامی

[1] Reg. v. Swindall and, Osborne, (1846), 2.C. and (K. 230 K.S.C. 74) اور تقابل کے لیے ملاحظہ کیجیے Rex. V. Mastin (1834), 6. C. and P. 396 (K.S.C. 77)
جو سرجن ایسے لوگوں کی جان بچانے کے لیے محاربے کے موقع پر حاضر رہے جن کے لیے محاربے میں حصہ لینے کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہو وہ مجرم تصور کیا جائے گا۔ ۸ کوئنس بنچ ڈویژن صفحہ ۵۳۶۔

[2] Reg. v. Coney (1882), 8 Q.B.D. 534. cf. Rex v. Gray (1917) 12 Cr. App. R. Page. 246,

[3] Foster 350. cf. Reg. V. Griffith (1553) Plowden 97 (K.S.C 73); Rex. V. Betts and Ridley (1930), 144 L.T. 526 22 Cr. App. R. 148.

مجاز بے میں بھی عموماً پہرے پر محافظ موجود ہوتے ہیں۔ اور میو کے ایک مقدمے میں ایک شخص نے ایک دکاندار کو دعوت میں مدعو کیا، دعوت میں اور لوگ بھی مدعو کیے گئے تھے، میزبان نے یہ کوشش رکھی کہ وہ دکاندار پوری دلچسپی کے ساتھ مصروف رہے اس دوران میں اس کے کچھ ساتھی دکاندار کی دکان میں گھس گئے۔ قرار دیا گیا کہ وہ نقب زنی کے وقت بھی اس میں اتنی موثر مدد پہنچا رہا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ "دوسرے درجے کا اصل مرتکب" بن جاتا ہے[۱]۔

ایک ممد اور معاون شخص ان تمام جرائم کا ذمہ دار ہوتا ہے جن کا مشترکہ مقصد کی انجام دہی میں اصل مرتکب سے ارتکاب کیا ہو[۲]۔ چنانچہ اگر دو شخصوں کا باہم مشورہ سرقہ بالجبر کرنے اور اس میں تشدد کے استعمال کرنے کا ہو اور ان میں سے ایک شخص دوسرے شخص کی موجودگی میں جب کہ وہ اس جرم کبیر میں "دوسرے درجے کے اصل مرتکب" کی حیثیت سے امداد اور اعانت کر رہا ہو قتل کا ارتکاب کرے تو ایسی صورت میں دونوں قتل عمد کے مجرم ہوں گے۔ اگرچہ وہ دوسرا شخص معین طور سے اس حد تک تشدد کرنے پر راضی نہ بھی ہو جس کا واقعتاً استعمال کیا گیا۔ سرکار بنام ٹیسن اور رڈلے (۱۹۳۰ء)[۳]۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جو عمل کیا گیا ہو وہ قطعی طور پر یا جہاں تک اس کے نتیجے کا تعلق ہو مشترکہ ارادے کے خلاف نہ ہو بلکہ اسی سے متعلق ہو (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ اصل کتاب انگریزی)۔

---

۱ Breese V. The State (1861), 12 ohis 146.

۲ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی طے شدہ غرض مشترک موجود ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کوئی ایسا کام کرے جس کے متعلق وہ سمجھتا ہو کہ اس سے مطلوبہ جرم میں مدد ملے گی۔ خواہ اصل مرتکب اس مدد پر مطلع نہ بھی ہو تب بھی مدد دینے والا اعانت جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ ملاحظہ ہو 18 Cr. App. R. 166-

۳ 144 L.T. 526, 22 Cr. App. R. 148 (K.S.C. 554)-

(۳) معین قبل ارتکاب وہ شخص ہوتا ہے جو اس[1] جرم کبیر (Felony) کے ارتکاب کی طرف ایک یا زیادہ اصل مرتکبین کو مایل کرتا ہے یا اُن کو اُس کے ارتکاب کا مشورہ دیتا ہے[2] اس تعریف کا منشا یہ ہے کہ اس کی جانب سے کافی موثر نوعیت کی ترغیب ہونا چاہیے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے متعلق یہ ثابت ہو کہ کسی ایسے انعامی مجاریے میں شرط کی رقم اُس کے پاس محفوظ کی گئی تھی جس میں ہلاکت واقع ہو گئی تو وہ شخص بحیثیت معین جرم قابل سزا نہ ہوگا۔ معین جرم نے جس طریقے سے اس جرم کا ارتکاب کرنے کی ترغیب دی ہو اگر اس کے خلاف کسی دوسرے طریقے سے اس جرم کا ارتکاب کیا جائے تب بھی معین جرم پر ذمہ داری قایم رہے گی۔ چنانچہ اگر **الف** معاوضہ دے کر ب کو اس امر کے لیے تیار کرے کہ وہ س کو زہر دے دے لیکن ب زہر دینے کے بجائے س کو گولی سے مار دے تب بھی **الف** س کے قتل کی بنا پر بحیثیت معین قبل ارتکاب ماخوذ ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف اگر بجائے اس جرم کے جس کا مشورہ دیا گیا ہو ایک بالکل مختلف جرم کا ارتکاب کیا جائے تو مشورہ دینے والا بحیثیت معین جرم ذمہ دار نہ ہوگا۔ بہر طور ان موقعوں پر ایک استثنیٰ کرنا پڑتا ہے اور وہ یہ کہ اگر جس جرم کا مشورہ دیا گیا ہو وہ اس نوعیت کا ہو کہ اس سے بجائے خود یہ دوسرا جرم 100

---

[1] "بالذات بالارادہ" (یعنی بغیر قبل کے سوچے سمجھے) جو قتل انسان واقع ہو اس میں کوئی شخص "معین قبل ارتکاب" نہیں ہو سکتا۔ دیکھیے صفحہ ۱۳۰ کتاب ہذا (انگریزی)۔

[2] اگر یہ بھی معلوم ہو کہ عام طور پر نقب زنی بوقت شب کے ارتکاب کی نیت ہے اور ایسی صورت میں ایسے ذرایع مہیا کیے جائیں جو اس جرم کے ارتکاب میں ممد و معاون ہوں تب بھی کافی نہیں ہے بلکہ کوئی خاص جرم یعنی ایک مخصوص نقب زنی میں اعانت کی نیت ہونا چاہیے: Rex v. Lomes (1913), 9 Cr. App. R. 220 cf. L and C. 161.

(جس کا واقعتاً ارتکاب ہوا ہو) پیدا ہو جانا قرین قیاس ہو تو معین جرم پر ذمہ داری باقی رہے گی۔ پس اگر الف نے ب کو س کے قتل پر معاوضہ دے کر آمادہ کیا ہو اور ب بجائے س کے اس کے جڑواں بھائی ش کو قتل کر دے تو الف، ش کے قتل پر بحیثیت معین سزا یاب ہوگا۔ تاہم سانڈر کے مقدمے[1] میں (۱۵۷۸ء) جس میں ایک شخص نے دوسرے کو اس امر کی ترغیب دی تھی کہ ایک عورت کو زہر آلود سیب دے دے لیکن اس عورت نے وہ سیب نیک نیتی کے ساتھ اپنے بچے کے حوالے کر دیا۔ بچہ اس کے کھانے سے مر گیا۔ قرار دیا گیا کہ کوئی ایسا احتمال موجود نہ تھا جس کی بنا پر اصل ترغیب دینے والے کو بچے کے قتل میں معین سمجھا جا سکے۔

طالب علم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ فوجداری قانون میں لفظ "اصل" کا مفہوم اس مفہوم سے بالکل متضاد ہے جو اس لفظ کا کاروباری قانون میں ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اول الذکر قانون میں اعانت کرنے والا ایک کام کی تحریک کرتا ہے اور "اصل" اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن قانون معاہدہ اور ٹارٹ میں "اصل" صرف ایک کام کا
101 اختیار دیتا ہے اور "کارندہ" اس کو انجام دیتا ہے[2]۔ لہذا جب ایک ہی معاملہ ٹارٹ بھی ہو اور جرم بھی تو اس لفظ کو دو مختلف مفاہیم میں استعمال کیا جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے اشتباہ پیدا ہو۔ مثلاً اگر مالک سرائے کی ہدایت کے بموجب اس کی خادمہ مہمان کے قلمدان سے جواہرات چرا لے تو خادمہ جرم کی اصل مرتکب ہے اور اس کا آقا "معین قبل ارتکاب" ہے لیکن ٹارٹ میں اس کی حیثیت کارندے کی ہے اور اس کے آقا کی حیثیت اصل کی ہے۔

---

[1] Plowden 475; Foster 371 (K.S.C. 81) اس مقدمے کے تبصرے کے لیے دیکھیے ہارورڈ لا ریویو بابت ۳۴ء صفحہ ۶۸۹۔

[2] جنوبی افریقہ کے وکلا فوجداری قانون میں بھی اس لفظ کو اس طرح استعمال کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں دیکھ چکے ہیں جرم بغاوت یا جرم صغیر (Misdemeanor) دونوں میں دوسری اور تیسری شکلیں نہ صرف فعل مجرمانہ متصور ہوں گی بلکہ اُن میں اور "اول درجے کے اصل مرتکب" کے فعل میں کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ لہذا تمام اصطلاحی مقاصد کی حد تک اس امر کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ آیا مرتکب جرم صغیر "اصل مرتکب بوقت ارتکاب" ہے یا قبل ارتکاب۔

(۴) لیکن "معین بعد ارتکاب" شرکت جرم کی چوتھی اور بعید تر حد میں ہے۔ جرایم صغیرہ[۵۱] کے معاملے میں اس کی بنا پر کوئی فوجداری ذمہ داری قطعاً عاید نہیں ہوتی۔ اس قسم کا معین جرم وہ شخص ہوتا ہے جو باوجود اس علم کے کہ جرم کبیرہ (Felony) کا ارتکاب ہوا ہے کسی مرتکب جرم کبیر کو (و نیز اُس شخص کو کہ جس کی حیثیت اُس میں محض معین کی ہو) اس طرح پناہ دے یا چھڑا لے کہ وہ انصاف کی گرفت سے نکل سکے۔ مثلاً یہ کہ کسی مفرور قاتل کو اپنے مکان میں چھپا لے یا اُس کے لیے ایسے ذرایع مہیا کردے جن سے وہ بچ کر نکل بھاگے[۵۲]۔ یا کسی قاتل کو محبس میں سے نکل بھاگنے میں مدد پہنچائے۔ اس جرم کا مجرم قرار پانے کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ ملزم نے عملی طور پر مدد پہنچائی ہو[۵۳]۔ چنانچہ باوجود علم و اطلاع جرم کبیر کے مرتکب کو گرفتار نہ کرنا اور اُس کو نکل جانے دینا (خواہ یہ عمل کتنا ہی بالقصد ہو) اس ہمدردی کرنے والے کو خود جرم کبیر کی اعانت کا خطاوار قرار 102

---

۵۱ یا خفیف جرایم جن کی بطور سرسری سماعت عمل میں آتی ہے۔

۵۲ یا ایسی شہادت کو ضایع کرنا جو ملزم کے لیے موجب خطر ہو:
-(Rex. v. Levy (1912), 7 Cr. App' R. 61.)

۵۳ Rex. v, Chapple (1840) 9 C and P. 355 (K.S.C. 82) لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ مدد ذاتی طور پر اُس کو پہنچائی گئی ہو جیسا کہ سرکار بنام لیوی میں ظاہر کیا گیا ہے۔

دینے کے لیے کافی نہیں[1]۔ لیکن اس سے وہ اخفائے جرم کبیرہ[2] کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ یہ جرم جرائم صغیرہ میں شمار ہوتا ہے۔ بغاوت کے جرم کے مقابل میں اگر ایسا ہی اغماض برتا جائے تو اخفائے بغاوت کا جرم عاید ہوگا۔ کیوں کہ جرائم کبیرہ اور بغاوت کے ایسے سنگین جرائم کے متعلق جس شخص کو بھی علم حاصل ہو جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجسٹریٹ کو اُن کی اطلاع دے (لیکن جرائم صغیرہ کے معاملے میں ایسا کوئی فریضہ نہیں ہے) ۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ چوں کہ زوجہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی مدد کرے اور اُس کی راز داری کرے لہذا اگر شوہر نے کسی جرم کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے بعد اس کی زوجہ اس (شوہر) کو چھپا لے اور اس طرح انصاف رسانی میں حایل ہو تو اُس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا[3]۔ لیکن شوہر کے لیے کوئی ایسا استثنیٰ نہیں ہے۔ اگر اُس کی زوجہ نے جرم کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو اور یہ اُس کی مدد کرے تو یہ معین جرم قرار دیا جائے گا۔

جرائم کبیرہ کے معاملے میں بھی "شرکائے جرم" کی چار قسموں میں سے پہلی تین قسموں کے درمیان جو فرق ہے اُس کو عملاً کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ (شرکائے جرم (Accomplices) کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں قانون ہر اُس شخص کو داخل سمجھتا ہے جو کسی حد پر بھی جرم میں شریک ہو حالاں کہ عام طور پر اُس کا استعمال صرف اُن لوگوں کے لیے ہوتا ہے جو جرم میں محض خفیف سا حصہ لیتے ہیں) ۔ اسی طرح قدیم کامن لا کا وہ مضر کلیہ کہ جب تک اصل مرتکب سزا یاب نہ ہو جائے معین جرم سزا یاب نہیں ہو سکتا (خواہ اصل مرتکب قطعاً ناانصافی کے ساتھ ہی بری کر دیا جاتا، یا قبل گرفتاری مر ہی جاتا) عرصہ ہوا قانون موضوعہ

[1] ہسٹری آف پلیز آف دی کراؤن، مرتبہ ہیل صفحات ۶۱۸ - ۶۱۹ -

[2] صفحہ ۶۲۰ -

[3] صفحہ ۴۷ -

کے ذریعے سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اب ہر معین جرم کو خواہ وہ "معین قبل ارتکاب" ہو یا "بعد ارتکاب" سزا دی جا سکتی ہے خواہ اصل مجرم ہنوز سزایاب نہ ہوا ہو یا انصاف کی زد سے نکل گیا ہو[1]۔ مزید براں جو شخص دوسرے کے ذریعے سے عمل کرتا ہے اُس کی وہی حیثیت ہے کہ گویا وہ خود عمل کرتا ہے (Qui Facit per alium Facit per se,) کے اصول کا وسیع اطلاق کر کے یہ قانون بھی وضع کیا گیا کہ معین قبل ارتکاب خود بحیثیت اصل مرتکب کے ماخوذ اور سزایاب ہو سکتا ہے[2] یعنی کہ وہ شخص جو ایک قاتل کو قتل کا ارتکاب کرنے کے لیے بھیجے مقتول کے مقابل میں وہی حیثیت رکھتا ہے کہ گویا اُس نے خود اُس کو گولی سے ہلاک کیا ہے۔ لیکن اُس کا عکس صحیح نہیں ہے اگر کسی اصل مرتکب جرم کے خلاف بحیثیت معین جرم فرد جرم مرتب کی جائے تو وہ سزایاب نہیں ہو سکتا۔ 103

موجودہ زمانے میں اعانت کے مختلف مدارج میں جو اہم فرق باقی رہ گیا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ "معین بعد ارتکاب جرم" کو نسبتہً بہت کم سزا دی جاتی ہے اور بجائے اس کے کہ "معین قبل ارتکاب" کو اصل مرتکب کے برابر انتہائی سخت سزا کا مستوجب قرار دیا جائے، اُس کو دو سال سے زاید قید با مشقت یا بلا مشقت کی سزا نہیں دی جاتی (البتہ قتل عمد کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں معین بعد ارتکاب جرم کے لیے انتہائی سزا حبس دوام مقرر ہے)۔

اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ایک شخص ایک ہی مجرمانہ فعل میں چند طریقوں سے شریک ہو سکتا ہے اور وہ

---

[1] ۲۴ اور ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۹۴ دفعات ۱ و ۳۔

[2] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۹۴ دفعہ ۲ ملاحظہ ہو:-

Reg.v. James (1890). 24 (Q.B.D. 439 (K.S.C. 81)

ایک لحاظ سے بحیثیت معین قبل از ارتکاب جرم مجرم قرار دیا جاسکتا ہے اور دوسرے لحاظ سے "معین بعد ارتکاب" کی حیثیت سے[۱] چنانچہ اس مشہور جرم میں جو ہنوز ایک راز ہے یعنی سر ایڈ مانڈ بری گاڈفری کا ۱۶۷۸ء کا قتل، اگکنس (پیپیز ڈائری نویس کے سکریٹری) کو "معین قبل ارتکاب جرم" اور "اصل مرتکب" دونوں حیثیتوں سے ماخوذ کیا گیا تھا۔[۲]

---

[۱] 8 C. and P. 43 لیکن اگر یہ شہادت پیش ہو کہ ملزم محض معین بعد ارتکاب ہے تو اس سے اُس پر معین قبل ارتکاب یا اصل مرتکب ہونے کا الزام ثابت نہ ہوگا: Rex. v. Fitz Patrick (1926), 19 Cr. App. R. 91.

[۲] 6 St. Tr. 1491 -

باب ۷ 104

جرایم کی تقسیم

مضرت عامہ، سرکاری دعاوی یا — زیادہ معروف لیکن مبہم الفاظ میں — جرایم کو اُن کی اصطلاحی اہمیت کے مدارج کے لحاظ سے حسب ذیل قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :-

I جرایم قابل ترتیب فرد قرار داد جرم یعنی وہ جرایم جن میں جوری کی مدد سے فیصلہ کیا جا سکے۔

(۱) بغاوت۔

(۲) (دیگر[1]) جرایم کبیرہ (Felonies)۔

(۳) جرایم صغیرہ (Misdemeanors)۔

II خفیف جرایم۔ یعنی وہ جرایم جن کی جسٹس آف دی پیس بغیر جوری کی مدد کے سرسری طور پر سماعت

[1] چوں کہ جرایم کبیرہ میں (صفحہ ۱۰۵) حقیقۃً بغاوت داخل ہے۔

کر سکتے ہیں۔[1]

لفظ "جرم" کا ان سب پر اطلاق ہو سکتا ہے چنانچہ مثلاً جو ڈیکچر ایکٹس[2]
میں "فوجداری بنا یا معاملے" کے الفاظ ہیں یہ سب داخل ہیں۔ لیکن
بعض اوقات اس کا زیادہ محدود مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ
سر جینٹ اسٹیفن نے جب بلیکسٹن کی شرح کو دوبارہ مرتب کیا ہے تو
اُنھوں نے "جرم" کو انھی فوجداری خلاف ورزیوں تک محدود رکھا ہے
جو قابل ترتیب فرد قرارداد جرم ہیں۔ خود بلیکسٹن نے تو اس سے بھی آگے
بڑھ کر جرم کو محض ان قابل ترتیب فرد جرم خلاف ورزیوں تک محدود
کر دیا تھا جو جرایم صغیرہ (Misdemeanors) سے زیادہ سنگین ہیں۔[3]

یہ دو قسمیں بھی قابل ترتیب فرد جرم اور نا قابل ترتیب فرد جرم ابتدا
میں ایک دوسرے میں قطعاً مخلوط نہ تھیں۔ لیکن اب وہ کسی حد تک
ایک دوسرے میں شامل ہو گئی ہیں۔ چوں کہ قانون سرسری اختیار سماعت
105 (Summary Juresdition Act, 1879) اور معدلت فوجداری[4]
(Criminal Justice Act. 1925) سے بعض حالات میں متعدد
جرایم قابل ترتیب فرد جرم کی سرسری طور پر سماعت ہو سکتی ہے۔ اور ایسے

---

[1] بعض اوقات اُن کو سرکاری طور پر بھی سرسری جرایم کہا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نام قطعاً مہمل ہے۔
وسیع اور بہتر مفہوم میں جب "جرایم صغیرہ" استعمال کیا جائے گا تو اُن کو بھی خفیف جرایم صغیرہ کہا جا سکتا ہے اور
اس کے معنی ہر ایسے جرم کے ہوں گے جو جرم کبیرہ سے کم درجے کا ہو (۱۹۲۸ء) ۲ کنگس بنچ ۴۵۹) اور
بلیکسٹن کے نزدیک اس کا ایک تیسرا مفہوم بھی ہے جو جرم کا ہم معنی ہے اور اس طرح اس میں جرایم کبیرہ بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

[2] ۳۶ اور ۳۷ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۶۶ دفعہ ۴۷ اور باب ۱۵ و ۱۶ سنہ جلوس جارج پنجم باب ۴۹ دفعہ ۱۳۱۔

[3] شرح بلیکسٹن جلد ۴ باب اول۔

[4] ۱۵ و ۱۶ سنہ جلوس جارج پنجم باب ۸۶ دفعہ ۲۴۔ بچوں کے متعلق بھی ملاحظہ کیجیے ۲۳
جارج پنجم باب ۱۲۔ ان سات مقدمات میں سے جن کے لیے فرد جرم مرتب ہوئی ہے
چھ مقدمات کی اس طرح سماعت عمل میں آتی ہے۔

تمام تخفیف جرائم جو اس حد تک سنگین ہوں کہ ان کے لیے زاید از سہ ماہ کی مدت کی سزا دی جاسکتی ہو ان کی جوری کی مدد سے سماعت ہوسکتی ہے[۵۱]۔

جرائم قابل ترتیب فرد جرم اور نا قابل ترتیب فرد جرم میں جو فرق ہے اُس کی بحث کو ہم فی الحال ملتوی کرتے ہیں۔ ضابطے کے ابواب میں اس پر بحث کی جائے گی۔ لیکن خود جرائم قابل ترتیب فرد جرم کی جس عنوان سے مزید تقسیم عمل میں آئی ہے وہ ایسے خاص تاریخی حالات پر مبنی ہے[۵۲] اور اس سے ایسے اہم نتائج رونما ہوتے ہیں کہ اس پر یہاں بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جرائم قابل ترتیب فرد جرم میں سے کامن لا نے بعض ایسے جرائم کو علیحدہ کر لیا تھا جو اتنے نمایاں طور پر سنگین تھے کہ جو شخص ان میں سے کسی کا مجرم قرار دیا جاتا اس کی جایداد (سزا کے صریحی جزو کے طور پر نہیں بلکہ اس کے لازمی نتیجے کے طور پر) ضبط ہو جاتی تھی۔ اس میں خواہ اراضی ہوتی یا سامان یا دونوں۔ اس طرح کے جرائم، جرائم کبیرہ (Felonies) کہلاتے تھے۔ دوسرے جرائم جو اتنے شدید نہ ہوتے تھے وہ (کجروی) (Transgression)، یا (مداخلت ہائے بیجا) (Trespasses) کہلاتے تھے اور ایک مدت تک اُن کو اُن کے موجودہ نام (Misdemeanors)، (جرائم صغیرہ) سے تعبیر نہیں کیا جاتا تھا۔ لہٰذا (Felony) (جرم کبیرہ) ایک ایسا جرم ہے جس کی بنا پر یا تو کامن لا کی رو سے ضبطی عمل میں آتی ہو یا قانون موضوعہ نے اس کو ضبطی والے جرائم کی حیثیت کا قرار دیا ہو۔ (اس تعریف میں ظاہر ہے کہ بغاوت کے جرائم بھی داخل ہیں۔ اسی بنا پر قانون جرائم بغاوت[۵۳]، (Statute of Treasons) میں "بغاوت یا دوسرے جرائم کبیرہ" کے الفاظ ہیں،

---

[۵۱] ۴۲ و ۴۳ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۴۹ دفعہ ۱۷۔

[۵۲] دیکھیے پولک اور میٹ لینڈ صفحات ۴۸۴-۲۸۶-۴۶۳ و ۴۶۸-۵۰۹۔

[۵۳] ۲۵ ایڈورڈ سوم مقابلہ کیجیے (Collected Papers) مرتبہ میٹ لینڈ ۳۱۶۔

لیکن بغاوت اور دوسرے جرایم کبیرہ (Felony) میں ضابطے کے اتنے زیادہ اور اتنے اہم فرق موجود ہیں کہ بغاوت پر عام طور سے جداگانہ تبصرے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس لیے جرم کبیر (Felony) کا لفظ بنظر اختصار عموماً ان کو چھوڑ کر استعمال کیا جاتا ہے)۔ کہا جاتا ہے[۱] کہ خود لفظ (Felony)
106 ہی کے اندر ضبطی کی پاداش کا اشارہ موجود ہے لفظ "Fee" جاگیرداری حق اور "Lon" یعنی قیمت کا مرکب سمجھا جاتا ہے اور اس طرح 'Felony' کے معنی ایسے جرم کے ہوئے جس کے معاوضے میں جایداد دینا پڑے۔ لیکن پروفیسر اسکیٹ کے لغت کی رو سے یہ لفظ کلٹک اصل کا ہے اور اس کے معنی 'بدی' کے ہیں (یا جیسا کہ ڈاکٹر مرے نے اپنی لغت میں لکھا ہے یہ لاطینی لفظ Fel "زہر" سے مشتق ہے) اور بہر طور ہمارے انگریزی لفظ 'Fell' سے جب وہ صفت (وصف) کے طور پر استعمال کیا جائے قریب معلوم ہوتا ہے جس طرح شکسپیر نے استعمال کیا ہے "Fell) and cruel hounds) خونخوار اور ظالم کتے"[۲]۔

جرایم کبیرہ (Felonies) کی معروف مثالیں قتل عمد، قتل انسان، نقب زنی بوقت شب، نقب زنی، سرقہ، زوجہ یا شوہر کی حیات میں ان میں سے کسی کا ازدواج مکرر، زنا بالجبر ہیں۔ اور جرایم صغیرہ (Misdemeanors) کی سب سے نمایاں مثالیں نسبتہً کم سنگین جرایم مثل دروغ حلفی، سازش، فریب، دغا، ازالۂ حیثیت عرفی، بلوہ، حملہ ہیں۔ جرایم کبیرہ اور جرایم صغیرہ کے درمیان اب اتنے فرق نہیں رہے ہیں جتنے پہلے کسی زمانے میں تھے۔

[۱] شرح بلیکسٹن جلد ۴ صفحہ ۹۵- ۱۰۶۶ء سے قبل فرانسیسی زبان میں اس کا وجود معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے معنی ایک مخصوص جرم یعنی کاشتکار کا اپنے زمیندار سے ترک وفاداری کرنا تھے اور اس جرم کی پاداش میں ظاہر ہے کہ کاشتکار کے قبضے سے زمین نکل جاتی تھی۔

[۲] پولک اور میٹ لینڈ ۴۶۵۔

بہر طور ان وجوہ اختلاف میں جو اب مفقود ہو چکے ہیں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) ابتداءً جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ہر جرم کبیر لازماً موجب ضبطی ہوتا تھا اور جرم صغیر کوئی بھی موجب ضبطی نہ ہوتا تھا اور چند ہی جرائم صغیرہ میں ضبطی کا حکم دیا جا سکتا تھا وہ بھی اس وقت جب حکم سزا کے جزو کے طور پر صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کر دیا جاتا لیکن قانون ضبطی (Forfeiture Act 1870) کے ذریعے سے بغاوت اور دیگر جرائم کبیرہ سب کی ضبطیاں مسدود کر دی گئیں (۳۳ و ۳۴ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۲۳ دفعہ ۱)۔

(۲) ابتدا میں تمام جرائم کبیرہ کی سزا (بجز خفیف سرقے کے) موت تھی لیکن کسی جرم صغیر کی سزا موت نہ تھی[۱]۔ چنانچہ سزائے موت کا خیال جرم کبیر کے ساتھ اس حد تک وابستہ ہو گیا تھا کہ اگر کوئی قانون موضوعہ کسی جرم کو جرم کبیر قرار دیتا تو محض سکوت کی وجہ سے معنوی طور پر اس کو مستلزم سزائے موت قرار دے دیا جاتا تھا اور جس قانون موضوعہ کے ذریعے سے کوئی جرم، جرم صغیر قرار دیا جاتا تو اس کے انتہائی وسیع اور عام الفاظ کی بھی یہ تعبیر نہ کی جاتی تھی کہ اس کو سزائے موت کا مستلزم قرار دیا جائے۔ اس کے لیے انتہائی واضح اور صریح الفاظ کی ضرورت ہوتی تھی۔ 107

[۱] الحاد (گو کبھی جرائم کبیرہ میں داخل نہیں رہا) کی سزا ضرور موت تھی لیکن یہ ایک مذہبی جرم تھا اور ملکی عدالتوں میں اس کی سماعت نہ ہوتی تھی۔

[۲] چنانچہ اسٹیٹیوٹ آف این (Statute of Anne) (۷ سنہ جلوس این کلاز ۱۲) جس میں روسی سفیر کی گرفتاری کے واقعے کے نتیجے کے طور پر ان لوگوں کے لیے جو سفیر کے استثنائی حقوق میں خلل اندازی کریں " ایسی تکلیفات، جرمانے اور جسمانی سزائیں جو عدالت مناسب تصور کرے" مقرر کی گئی تھیں۔ لیکن اس قانون کے تحت

(۳) ابتداءً مرتکب جرم کبیرہ (Felon) اپنے مقدمے کی سماعت کے موقع پر اپنی صفائی کے لیے کسی گواہ کو طلب نہ کرا سکتا تھا[1] اور نہ اپنی حفاظت کے لیے کسی مشیر قانونی کی خدمات (بجز برائے استدلال امور قانونی) حاصل کر سکتا تھا۔ اور جرم صغیر کے مرتکب کو دیوانی مقدمے کے مدعا علیہ کی طرح دونوں حقوق حاصل تھے۔ یہ تقییدات ۱۷۰۲ء اور ۱۸۳۶ء میں اٹھا لیے گئے۔[2]

لیکن جرایم کبیرہ اور جرایم صغیرہ کے اکثر اختلافات اس زمانے کے قانون میں بھی ہنوز موجود ہیں۔ ان میں سے اکثر اختلافات پر ہم اس وقت تبصرہ کریں گے جب ہم ضمانت لینے کے عام موضوع پر پہنچیں گے۔ سپرد عدالت ہونے کے طریقے، سماعت مقدمہ کے ضابطے اور یہ کہ ملزم کے سزایاب ہونے کے بعد اس پر کیا کیا قیود اور معذوریاں عاید ہو جاتی ہیں۔ ان سب کے متعلق اسی موقع پر بحث و تحقیق کرنا[3] زیادہ مناسب ہوگا لیکن بعض اختلافات ایسے ہیں جن کو ابھی بیان کر دینے میں سہولت ہوگی۔

(۱) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں[4] صرف جرایم کبیرہ (Felonies) ہی میں شرکائے جرم کو اصطلاحاً چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان کی چوتھی قسم کو بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس جرم کی پاداش میں سزائے موت دی جا سکی۔ حالاں کہ اس قانون کے بنانے والوں کا غالباً یہ خیال ہوگا کہ زار معظم جن کی استمالت کی وہ لوگ کوشش میں لگے ہوئے تھے، اس امر سے ناواقف ہوں گے کہ اس قانون کے الفاظ کی انتہی روک تھام کے ساتھ تعبیر کی جائے گی۔ شرح بلیکسٹن ۲۵۵۔

[1] 1 St. Fr. 685, 1281, 1304

[2] y. B. 30 and 31 Edlw. 1, App. II P. 529

[3] ابواب ۳۰ و ۳۱ کتاب ہذا۔

[4] صفحہ ۹۲ کتاب ہذا۔

مجرم قرار دیا گیا ہے

(۲) بغاوت یا دیگر جرائم کبیرہ کی سزا یابی پر جو ضبطیاں عمل میں آتی تھیں ان کا گو ۱۸۷۰ء کے قانون[1] نے خاتمہ کر دیا پھر بھی مجرم کی جایداد کو 108
بغیر کسی ذمہ داری اور مواخذے کے آزاد نہیں چھوڑا گیا بلکہ انصافاً کچھ ایسے بار اُس پر عاید کر دیئے گئے جو خود جرم کے پیدا کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ قانون ضبطی کی دفعہ ۴ کے تحت جس عدالت نے کسی شخص کو جرم کبیر کے ارتکاب کی بنا پر (بغاوت کی بنا پر نہیں) سزا کا حکم دیا ہو یہ حکم دے سکتی ہے کہ جرم سے جو جایدادی نقصان پہنچا ہے (جیسے کسی جعلی ہنڈی پر رقم وصول کر لی گئی ہو) سو پونڈ کی حد تک مجرم اس کا ہرجہ ادا کرے۔ لیکن اس قانون کی بنا پر ہرجہ حاصل کرنے کے لیے ضرر رسیدہ کو عدالت دیوانی میں دعویٰ دایر کرنے کی زحمت اور مصارف برداشت کرنا پڑتے تھے۔ فرانسیسی ضابطے میں ایک مدت سے فوجداری کارروائیوں میں ایسے فریق کو بھی رجوع ہونے کی اجازت ہے جس کو اس کارروائی کے تحت دیوانی چارۂ کار حاصل کرنا ہو، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک دعوے کے ذریعے سے دو مقاصد حاصل ہو جائیں اور زیادہ مصارف اور زحمت سے دو چار ہونا نہ پڑے۔ لیکن انگلستان میں اس اصول سے اتنی اجنبیت ہے کہ جرائم صغیرہ پر اُس کو اب تک وسعت نہیں دی گئی ہے[2]

[1] ۳۳ و ۳۴ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۲۳۔

[2] لیکن ایسی خفیف صورتوں میں جن میں کسی جرم کا (خواہ جرم کبیر ہو یا جرم صغیرہ یا نیز ناقابل ترتیب فرد جرم خفیف جرم ہو) ایسے حالات میں ارتکاب عمل میں آیا ہو جن سے اس جرم کی سنگینی میں کمی ہو جاتی ہو (وہ کمی خواہ خود اس فعل کے بالکل خفیف حیثیت کا ہونے کی وجہ سے ہو یا ملزم کی نوعمری، نیک چلنی، دماغی کیفیت وغیرہ کی وجہ سے ہو) اور گو کہ جرم ثابت ہو گیا ہو لیکن عدالت اس امر کو نامناسب تصور کرے کہ مجرم کو کوئی واقعی سزا دے تو وہ اُس کے بجائے یہ حکم دے سکتی ہے کہ مجرم وہ ضرر کا ایسا ہرجہ یا نقصان کا ایسا

(۳) جرایم کبیرہ چوں کہ ہمیشہ سنگین جرایم ہوتے تھے لہذا قانون
کی نظر میں اس بات کی بڑی اہمیت رہی ہے کہ مجرم عدالت کے سامنے
پیش کیا جائے۔ چنانچہ جب کسی جرم کبیر کا ارتکاب ہو اور کسی شخص کو معقول
وجوہ کی بنا پر یہ شبہہ ہو کہ فلاں شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا ہے تو
اُس کو یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ اس مجرم کو فوراً گرفتار کرلے۔ اور
109 جو شخص واقعی طور پر کسی جرم کبیر کا ارتکاب ہوتے دیکھے تو اُس کو صرف
اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے کہ پوری کوشش کے ساتھ مجرم کو گرفتار
کرے اور اس مقصد کے حصول کے لیے جتنے جبر کی ضرورت ہو
استعمال کرے۔ لیکن جرایم صغیرہ کے معاملے میں "کامن لا" نے کبھی یہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ معاوضہ ادا کرے" جو عدالت کے نزدیک مناسب معلوم ہو۔ اگر عدالت کو سرسری اختیار سماعت حاصل ہو تو وہ ۲۵ پونڈ سے زاید ہرجہ یا معاوضہ ادا کرنے کا حکم نہ دے سکے گی لیکن اگر وہ عدالت؛ عدالت سشن یا کوارٹر سشن ہو تو ایسی رقم کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہے (ایسی عدالتوں کے اختیارات اس سو پونڈ کی رقم تک ختم نہیں ہوتے جو قانون ضبطی (Forfeiture Act) کے ذریعے سے مقرر ہے) دیکھیے ۱۶ و ۱۷ سنہ جلوس جارج پنجم کلاز ۱۴ دفعہ ۱۔

فارفیچر ایکٹ کے ذریعے سے ایسی عدالت کو جو کسی ملزم کے حق میں جرم کبیر یا بغاوت کی بنا پر حکم سزا صادر کرے۔ یہ حق بھی دیا گیا تھا کہ وہ مقدمے کا خرچہ ملزم کے ذمے عاید کرے لیکن قانون بابت خرچۂ مقدمات فوجداری ۱۹۰۸ء (Costs in Criminal Cases Act 1908) کی دفعہ ۶ کے تحت یہ اختیار رہا ایسے جرم کی سزا یابی پر دے دیا گیا ہے جو قابل ترتیب فرد قرارداد جرم ہو۔ اور ناقابل ترتیب فرد جرم جرایم کی بابت یہ حق ۱۱ و ۱۲ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۴۳ دفعہ ۱۸ کے تحت پہلے ہی سے حاصل تھا۔

۱۹۰۹ء میں ایک مرتکب جرم صغیر کی سزا یابی پر اس طرح کا حکم ایک ایسے مقدمے کے خرچے کی بابت دیا گیا تھا جس میں خرچہ مع اُس کے ٹیکس کے دو ہزار پونڈ سے زاید ہوتا تھا۔

اجازت نہیں دی اور جدید قانون موضوعہ[1] نے بھی بعض خاص صورتوں کے لیے
اب یہ اجازت دی ہے کہ جرم کے عینی شاہد بھی مجسٹریٹ کا حکم گرفتاری
حاصل کیے بغیر مجرم کو گرفتار کر سکتے ہیں چنانچہ ایک شخص جو ایک پیسہ
چرائے اُس کو وہیں گرفتار کیا جا سکتا ہے چوں کہ جس جرم کا اس نے ارتکاب
کیا ہے وہ جرم کبیرہ ہے۔ لیکن وہ شخص جو دغا کے ذریعے سے مویشیوں کا
ایک پورا گلہ لے لے وہ جرم صغیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس لیے کامن لا
کی رو سے اگلے وقتوں کے کسان کو اس سے تعرض کرنے کا حق نہ تھا۔
اسی اُصول پر جب جسٹس آف دی پیس کسی جرم کبیرہ کے مرتکب پر مقدمہ
قائم کرتے تھے تو اُن کو ہمیشہ یہ اختیار رہتا تھا کہ اگر وہ ضروری خیال کریں
تو دوران مقدمہ میں ملزم کے محبس میں رکھنے پر زور دیں۔ لیکن اس کے
خلاف جب کسی شخص پر جرم صغیرہ کی بنا پر مقدمہ قائم ہوتا تو درصورتے کہ
اس کے لیے کافی ضمانت مہیا ہو جاتی وہ کامن لا کے تحت اصرار
کر سکتا تھا کہ اُس کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔ عدالت کو جو اختیار تمیزی
جرائم کبیرہ کے بارے میں حاصل تھا وہ بطور جدید قانون سازی کے
ذریعے سے اولاً چند جرائم صغیرہ میں اور اس کے بعد تمام جرائم صغیرہ کے
بارے میں عطا کر دیا گیا ہے[2]۔ جرائم کبیرہ کے مرتکبین کو سزا دلانے میں
قانون کو جو اہتمام اور کد ہے اُس کی وجہ سے ایک اور قاعدہ بنایا گیا ہے
اور وہ یہ کہ اگر کسی شخص کو جرم کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے مضرت
پہنچی ہو تو وہ مجرم کے خلاف اُس وقت تک عدالت دیوانی میں اپنے
نقصان کے معاوضے کی بابت نالش رجوع نہیں کر سکتا جب تک کہ
فوجداری مقدمہ ختم نہ ہو جائے یا (موت یا معافی جرم کی وجہ سے) فوجداری
کارروائی ناممکن نہ ہو جائے۔ اس کے برخلاف جرائم صغیرہ میں فوجداری

[1] باب ۳ کتاب ہذا۔
[2] ۸ ایڈورڈ ہفتم کا ۱۵ صفحہ ۳۰۵ کتاب ہذا۔

اور دیوانی دونوں کارروائیوں میں سے کوئی بھی پہلے کی جا سکتی ہے یا جہاں تک اُصول کا تعلق ہے دونوں بیک وقت[1] رجوع کی جا سکتی ہیں، گو کہ عملاً یہ طریقہ خلاف احتیاط ہے[2]۔ یہ یاد رہے کہ جرائم کبیرہ کے معاملے میں بھی یہ امر
110 بالکل آسان نہیں ہے کہ مدعیٰ علیہ دعویٰ خارج کرانے کے لیے یہ جوابدہی کرے کہ جس جرم کی بنا پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے اس کی ہنوز عدالت فوجداری میں سماعت نہیں ہوئی ہے۔ عدالتیں ہرگز اس امر کو روا نہیں رکھتیں کہ مدعیٰ علیہ اپنے جواب میں ”اپنے جرم سے فایدہ اُٹھانے کی جسارت کرے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ بھی ایک جواب ہے (اسمتھ بنام سیلون ۱۴ ۱۹ء ۳ کنگس بنچ ۹۸[3]) مدعیٰ علیہ اطلاع نامے کے ذریعے سے مقدمے کی کارروائی کو روک سکتا ہے یا عدالت ہی از خود مقدمے کی سماعت سے انکار کر سکتی ہے۔ بہر کیف یہ اعتراض ان دعاوی کی حد تک کبھی درست نہیں سمجھا گیا جو اگرچہ جرم کبیر سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ان میں مدعیٰ علیہ خود مرتکب جرم کبیر نہ ہو یا جن میں مدعی خود فریق متضرر نہ ہوئے[4]۔

(۴) جرائم کبیرہ کی بنا پر سزایاب ہونے سے جو قانونی ناقابلیتیں پیدا ہو جاتی ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جرائم کتنے سنگین ہیں۔ سزایاب مجرم[5] ہر سرکاری خدمت سے برطرف ہو جاتا ہے اور اُس کا

لہ Jones v. Clay (1798), I B. and P. 191. Experate Edger (1913), 29. F. L. R. 278

ٹہ Rex v. Mahon (I826).4 A. and E. 575

سہ ۹ و ۱۰ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۹۳ کے ذریعے سے قتل انسان کے جرم کبیر کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

کہ Appleby v. Franklin (1885). 17 Q. B. D. 93

ھہ بجز اس کے بارہ ماہ یا اس سے کم مدت کی سزا ہوئی ہو اور وہ سزا بلا مشقت ہو، یا (۲۳ سنہ جلوس جارج پنجم کلاز ۱۲ دفعہ ۵۳) سترہ سال سے کم عمر میں سزا ہوئی ہو۔

وظیفہ بند کر دیا جاتا ہے[1]۔ نیز یہ کہ نہ وہ مجلس وضع قوانین کا رکن ہو سکتا ہے نہ اُس کے لیے رائے دے سکتا ہے اور تا وقتے کہ اُس کو معافی عطا نہ ہو جائے یا وہ اپنی سزا کو پورا نہ کر لے[2] نہ اُس کو کوئی فوجی، ملکی، یا مذہبی خدمت مل سکتی ہے۔ کسی جرم صغیر کی بنا پر سزا یاب ہونے سے یہ ناقابلیتیں پیدا نہیں ہوتیں لیکن تاریخ انتخابات سے گزشتہ پانچ سال کی مدت کے اندر یا انتخابات کے بعد اگر کوئی شخص کسی جرم کی بنا پر سزا یاب ہو (اور مجرم کو بعوض سزائے قید جرمانہ ادا کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو) تو یہ ایسی ناقابلیت ہو گی جس کی وجہ سے اس شخص کو لوکل گورنمنٹ میں کوئی عہدہ نہ مل سکے گا[3] اور اگر کوئی رکن مجلس وضع قوانین کسی جرم صغیر کا ارتکاب کرے تو وہ مجلس وضع قوانین سے خارج کیا جا سکے گا[4]۔

جرایم کبیرہ (Felonies) اور جرایم صغیرہ (Misdemeanors) میں اتنے اختلافات کے موجود ہونے سے اور ان میں سے بعض اختلافات کی ہنوز اتنی اہمیت ہونے کی وجہ سے طالب علم کو قدرتی طور پر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اول الذکر جرایم کے اندر کوئی خاص سنگینی ہے لیکن پہلی مرتبہ غور کرنے سے اُس کی سمجھ میں یہ بات آنا آسان نہیں ہے کہ ان جرایم کو کس اصول پر علیحدہ کیا گیا اور پہلی یا دوسری قسم میں داخل کیا گیا۔ اس اختلاف کا باعث عدالت سماعت کنندۂ مقدمہ کی حیثیت اور درجہ تو ہو نہیں سکتا (جس طرح فرانس میں اسی اعتبار سے 111

[1] لیکن عملاً عہدہ داران وظیفہ ہر مقدمے کے حالات پر خود نظر کرتے ہیں اور اگر جج نے کوئی امر مجرم کے موافق لکھا ہو تو اس کا لحاظ کرتے ہیں۔

[2] ۳۳ و ۳۴ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۲۳ دفعہ ۲۔

[3] لوکل گورنمنٹ ایکٹ ۳۳ ۱۹ء (۲۳ و ۲۴ سنہ جلوس جارج پنجم کلاز ۵۱) دفعہ ۵۹۔

[4] (Constitutunal Law) دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۲۰ مصنفہ ویڈ اور فلپس۔

جرم کو تین اقسام Crimes، delits اور Contraventions میں تقسیم کر دیا گیا ہے)۔ چوں کہ سرقہ جو جرایم کبیرہ میں محسوب ہوتا ہے اس کے ملزم کے مقدمے کی سماعت پولیس مجسٹریٹ کر سکتا ہے اور جرم صغیر کے ملزم کا مقدمہ دارالامرا سماعت کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں جو خرابی اور مضرت اس جرم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اُس کی کمی یا زیادتی کو بھی اس معاملے میں معیار نہیں قرار دیا گیا۔ چنانچہ دروغ حلفی جس کی وجہ سے ایک بے قصور آدمی کی جان جا سکتی ہے جرم صغیر ہے اور بغیر لائسنس گھوڑوں کا مذبح قایم کر لینا جرم کبیر ہے[1]۔ ثالثاً یہ تقسیم شدت سزا پر بھی مبنی نہیں ہے۔ چوں کہ سرقہ جو جرم کبیر ہے اور دغا جو جرم صغیر ہے دونوں کی سزا مساوی ہے۔ سازش قتل عمد (جرم صغیر) کی بنا پر دس سال کے لیے عوارض تعزیری عاید کیے جاتے ہیں[2] اور کچی دھاتوں کے سرقے (جرم صغیر) کی سزا دو سال کی قید ہے (قانون سرقہ ۱۹۱۲ء دفعہ ۱۱)۔ خالص تاریخی اسباب کی روشنی میں اس بے قاعدہ ترتیب کی توجیہ پیش کی جا سکتی ہے۔ اس کی ابتدا غالباً اُس عہد میں ہوئی جب کہ چند خاص جرایم کے متعلق یہ محسوس کیا گیا کہ وہ سنگین ہیں اور اُن کا اکثر اوقات ارتکاب عمل میں آتا ہے تو ان جرایم کو اس طرح چھوڑ دینا کہ ضرر رسیدہ شخص معمولی مقدمے کی طرح اُن کی بابت دادخواہی کرے خطرے سے خالی نہ سمجھا گیا چنانچہ عامۃ الناس کی حفاظت کی غرض سے منجانب سرکار ایک تحقیقاتی جوری کے توسط سے (جو اس مقصد کے تحت ترتیب دی گئی) ایک میقاتی تفتیش عمل میں آنے لگی کہ

---

[1] ۲۶ سنہ جلوس جارج سوم کلاز ۷۱۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ مسروقہ گھوڑوں کو آسانی کے ساتھ ٹھکانے نہ لگایا جا سکے۔

[2] جس زمانے میں زنا بالجبر صرف جرم صغیر تھا اس زمانے میں اس کی بنا پر مجرم کی آنکھیں اور انثیین نکال لیے جاتے تھے۔ (Hawkins B. K. I. ch. IV. S. 7)۔

آیا کہیں اس قسم کے شدید جرم کا ارتکاب ہوا ہے۔ اس طرح سے وہ چیز معرض وجود[1] میں آئی جس کو ہم "(Grand juries)[2] (جوری ہائے بزرگ) کہتے ہیں۔ ان کے کام کو آسان بنانے کے لیے جن جرایم کے ارتکاب کے متعلق اُن کو اطلاع دینا ہوتی تھی اُن کی معین قانونی تعریفات مرتب کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ ان جرایم سے لفظ "فیلونیز" (Felonies) غالباً بہت جلد مخصوص ہوگیا[3] اور ان سے متعلقہ ضابطے نے رفتہ رفتہ عجیب خصوصیات اختیار کر لیے۔ کم سنگین یا وہ جرایم جن کا عام طور پر ارتکاب ہوتا تھا اُن کی تعریفات ایک زمانے تک پورے طور پر معین نہیں ہوئیں (جیسے کہ بعض اب تک اسی حالت میں ہیں مثلاً سازش) اور ان کے لیے اس اہتمام اور تجسس کے ساتھ کبھی عدالتی کارروائی نہیں کی گئی بلکہ مثل سابق اُن کی بابت چارہ جوئی کی صورت یہی رہی کہ ضرر رسیدہ خانگی اشخاص عدالت میں استغاثہ کر کے دادخواہی کریں (اگرچہ بعد میں یہ دعویٰ عموماً برائے نام سرکار کی جانب سے ہونے لگا۔ یہی موخرالذکر جرایم (بجز ان کے جنھیں قانون موضوعہ نے جرایم کبیرہ قرار دے دیا ہے) اس زمانے میں (Misdemeanors) (جرایم صغیرہ) کہلاتے ہیں چھ سو سال قبل بریکٹن نے کہا تھا کہ ان کی چارہ جوئی دیوانی مقدمات کی طرح ہوتی ہے اور اب بھی بقول سر جیمس اسٹیفن جرم صغیر کی کارروائی ٹارٹ کے مقدمے کے مماثل ہے بجز اس کے کہ ان میں بادشاہ مدعی ہوتا ہے اور اس کا مقصد ہرجہ نہیں ہوتا بلکہ سزا ہوتا ہے۔ چنانچہ جرم صغیر کی سماعت کے موقع پر ارکین جوری ان الفاظ میں حلف کرتے ہیں کہ 112

---

[1] دیکھیے صفحہ ۵۷ کتاب ہذا

[2] Eyre of Kent. 1313 (Selden Society. 1. 52. 57.

[3] اس کے قدیم تر اور وسیع تر مفہوم (یعنی جرم قابل مرافعہ) کے لیے دیکھیے۔ 2 P. and M. 466 -

"سچائی کے ساتھ اس امر تنقیح طلب کی تحقیق (کروں گا) جو ہمارے فرماں روا
حضور ملک معظم اور مدعیٰ علیہ کے درمیان پیدا ہوگیا ہے" لیکن جرائم کبیرہ
کے معاملے میں اس طرح حلف کیا جاتا ہے: "ہمارے فرماں روا
حضور ملک معظم اور حاضر عدالت ملزم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ
کروں گا" لہٰذا یہ امر آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ قدیم قانون نے
جرائم صغیرہ کے تصور کو اپنی جہتوں سے بجائے جرائم کبیرہ کے محض
دیوانی خلاف ورزیوں کے تصور کا مماثل قبول قرار دیا ہے اور
جس کی نمایاں مثال یہ ہے کہ اگر الزام جرم کبیر کا ہوتا تو دار الامرا میں
اُس کی سماعت کرنے کے لیے ایک امیر (Peer) کا موجود رہنا
ضروری تھا، لیکن جرم صغیر کی صورت میں عوام کی جیوری اس کی
سماعت کرسکتی تھی۔ رفتہ رفتہ دیوانی ضابطوں کی مماثلتوں کی وجہ سے 113
جرائم کبیرہ میں بھی تحقیق و تفتیش میں معین ہونے والے ضابطے کی جگہ
وہ ضابطہ لے رہا ہے جو مقدمہ بازی کو طول دینے والا ہے[1]۔ قدیم
تحقیقی نظریے کا اثر بہرطور اب بھی ان تمام عدالتی کارروائیوں میں
باقی ہے جو جرائم کے متعلق کی جاتی ہیں۔ چنانچہ قتل انسان کے معاملات
میں سرکار کی جانب سے ہر اس شخص کو جو موقع واردات پر موجود تھا
عموماً شہادت میں طلب کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ دیانتدار
معلوم ہوتا ہو خواہ سرکار کا وہ کھلم کھلا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔
زہر خورانی کے مقدمے میں وہ جملہ کیمیائی ماہرین جنھوں نے
سرکار کی طرف سے کیمیائی تجزیہ کیا ہو، جن کے نزدیک وہ شے
زہر ہو اور جن کے نزدیک زہر نہ ہو دونوں طلب کیے جائیں گے۔

[1] لیکن مفتشین اموات اتفاقی بعنوان تحقیقات تفتیش کرتے ہیں چنانچہ جو شہادت
اُن کو دستیاب ہوتی ہے اُسے قلمبند کر لیتے ہیں خواہ وہ شہادت موافق ہو یا خلاف ہو۔
دیکھیے صفحہ ۴۰۵ کتاب ہذا۔

انگریزی قانون کا یہ نظریہ ہے کہ وکلائے سرکار کی حیثیت مدعیانہ نہیں ہے کہ وہ ملزم کے مقابل میں برسر پیکار رہوں بلکہ وہ شاہ کی مقرر کردہ ایک جماعت ہے جو بے لاگ طریقے پر حقیقت امر کی تحقیق اور تفتیش پر مامور ہے[1]۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ سنہ ۱۸۷۰ء میں جرائم کبیرہ کی بابت جو ضبطیاں عمل میں آتی تھیں ان کے بند ہونے سے بہت پہلے ہی سے اُن کی مالی اہمیت جاتی رہی تھی۔ سنہ ۱۸۴۸ء سے سنہ ۱۸۷۰ء تک کی سالانہ محصلہ رقوم ۲۵۳ پونڈ سے تیرہ سو ستر[2] پونڈ کے درمیان رہی ہیں۔ جرائم کبیرہ کے اکثر مرتکبین مفلس ہوتے تھے اور جو خوش حال ہوتے تھے وہ گرفتاری اور سزایابی کے درمیان میں اپنی جایداد منتقل کر دیتے تھے، لہذا اس تبدیلی کا ہر طرح موقع آ گیا تھا۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک مکمل قانون تعزیرات میں بھی جرائم کی سنگینی کی زیادتی اور کمی کے لحاظ سے ان کو دو بڑی قسموں میں منقسم رکھا جائے اور ضابطے اور سزا کے خاص امور جرائم کی زیادہ سنگین قسم سے وابستہ ہیں لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں انگریزی قانون پر بڑا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ اُس نے خاص جرائم کو پہلی یا دوسری قسم میں غیر منطقی
طریقے پر داخل کیا ہے اور ثانیاً یہ کہ اُس نے ہر ایک قسم کے لیے کچھ 114

[1] اسی طرح ہر فوجداری مقدمے میں جج کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ اس کی ضرورت سمجھے تو کسی ایسے گواہ کو طلب کرے جس کے متعلق کسی ایک فریق کی بھی یہ خواہش نہ ہو کہ اُس کو شہادت میں طلب کیا جائے (گو کہ دیوانی مقدمات کی متنازعہ نوعیت کی وجہ سے جج اس میں دخل دینے سے ممنوع ہے)۔ اور وکیل سرکار کی حیثیت عدل گستری کے ایک کارکن کی ہے دیکھیے صفحہ ۵۶۸ کتاب ہذا۔

[2] جرم کبیرہ کے مقدمات میں وہ عجیب اعلان جس کے ذریعے سے ملزم کے ذمے اگر کچھ دیگر الزامات ہوں تو ان کی بابت اطلاع دینے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس تحقیقاتی ضابطے کی یادگار ہے۔

تقیدات عاید کردیے ہیں۔ چنانچہ نصف صدی قبل قانون تعزیرات کا جو مسودہ پیش کیا گیا تھا اس میں جرایم کبیرہ اور جرایم صغیرہ کے فرق کو یک قلم ختم کردیا گیا تھا۔ اور گوکہ ۱۸۸۰ء کے مسودے میں اس امتیاز کو برقرار رکھا گیا تھا پھر بھی قریب قریب اس کی تمام اہمیت ختم کردی گئی تھی۔ اس میں یہ تجویز کیا گیا تھا کہ بعض تقیدات جو جرایم کبیرہ سے متعلق ہیں وہ صرف ایسے جرایم سے متعلق ہیں جن کی سزا موت یا عوارض تعزیری ہو، بعض دوسرے شرایط تمام جرایم پر عاید کردیے جائیں اور بعض شرایط قطعاً اٹھا لیے جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے فوجداری قانون کے تمام حصوں میں کوئی حصہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جو جرایم صغیرہ اور جرایم کبیرہ کی تقسیم والے حصے سے زیادہ نظر ثانی کا محتاج ہو۔

خاص جرایم کی تعریفات

باب ۹

قتل

ہم اس کے وجوہ پہلے ہی ظاہر کر چکے ہیں کہ انگلستان کے مختلف 116
جرایم کی تشریحات کرتے وقت ہم نے جرایم کبیرہ (Felonies) اور
جرایم صغیرہ (Misdemeanors) کی اصطلاحی تقسیم کے لحاظ سے ان کی
ترتیب کیوں قایم نہیں کی ہے۔ تمام مصنفین نے جرایم کو بہت مختلف
اور زیادہ معقول اصول پر تقسیم کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ مثلاً
یہ کہ وہ کس کس قسم کے مفاد اور حقوق میں خلل انداز ہوتے ہیں چنانچہ
بلیکسٹن نے مندرجۂ ذیل حقوق کی خلاف ورزی کے لحاظ سے جرایم
کی تقسیم کی ہے: (۱) مذہب (۲) قانون بین الاقوام (۳) مقتدر اعلیٰ کے
عاملانہ اختیارات (۴) سماجی حقوق (۵) خانگی اشخاص کے حقوق،
یہ حقوق خواہ (الف) اُن اشخاص کی ذات سے متعلق ہوں یا (ب)
اُن کے مسکونات سے یا (ج) اُن کی معمولی جایداد سے۔ سنہ ۱۸۸۰ء کے

مجوزہ قانون تعزیرات میں اس سے بہت ملتی جلتی تقسیم اس طرح کی گئی: (۱) وہ جرایم جو نظم عامہ کے خلاف ہوں (مثلاً بغاوت) (۲) جو عدل گستری پر اثرانداز ہوں (مثلاً دروغ حلفی) (۳) وہ جرایم جو مذہب، اخلاق، یا عامۃ الناس کی راحت و سہولت کی مخالفت میں ہوں (۴) وہ جرایم جو افراد کی ذات یا شہرت کی مخالفت میں سرزد ہوں (مثلاً قتل اور ازالہ حیثیت عرفی) اور (۵) وہ جرایم جن سے افراد کے حق جایداد میں مداخلت ہوتی ہو (مثلاً سرقہ) لیکن سب سے واضح ترتیب وہ ہے جو بلیکسٹن کے جدید مرتب سر جنٹ اسٹیفن نے قایم کی ہے۔ انھوں نے جرایم کو صرف تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: (۱) وہ جرایم جو افراد کی ذات پر اثرانداز ہوں (۲) وہ جرایم جو افراد کی جایداد پر اثرانداز ہوں (۳) وہ جرایم جو حقوق عامہ کی خلاف ورزی میں سرزد ہوں۔

116 اس آخری ترتیب کی رو سے ہماری فہرست ان جرایم سے شروع ہونا چاہیے جو انسان کی ذات کی حفاظت پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ انسان سے مراد قدیم قانونی اصطلاح کی بموجب، موضوع حقوق و فرایض[۱] نہیں ہے بلکہ موجودہ معنی کے اعتبار سے اس سے مقصود ایک انسان کا زندہ جسم[۲] ہے ان تمام جرایم میں ظاہر ہے کہ قتل انسان[۳] سب سے زیادہ اہم ہے اور اس جرم کا مطالعہ فوجداری قانون کے ہر طالب علم کے لیے خاص طریقے سے بہت زیادہ مفید ہوتا ہے۔ چوں کہ اس میں (ایک جان کے ضایع ہونے کی وجہ سے) دوسرے جرایم کی بہ نسبت

[۱] جورس پروڈنس مصنفہ ہالینڈ باب۶ ملاحظہ کیجیے۔

[۲] غالباً سر میتھو ہیل کے ذریعے سے یہ مفہوم قانون انگلستان تک پہنچا ہے۔ ان کا ایک عجیب سا جملہ ہے" وہ مفاد جو ایک شخص کو اپنی ذات کی حفاظت میں ہوتا ہے"

[۳] دیکھیے تاریخ قانون فوجداری باب۳ مرتبہ اسٹیفن۔ ڈائجسٹ ساتواں ایڈیشن ابواب ۲۳ و ۲۴۔

زیادہ دقّت نظر اور اہتمام کے ساتھ تمام حالات کی تفتیش و تحقیق عمل میں آتی ہے بالخصوص مرتکب فعل کی دماغی کیفیت کے متعلق ۔ چنانچہ قتل انسان کے معاملے میں نہایت تفصیل کے ساتھ مجرمانہ نیت کا تجزیہ کیا گیا ہے حالاں کہ بہت سے دوسرے جرائم میں ابھی تک قطعی طور پر یہ طے نہیں ہوا ہے کہ اُن کی مسلمہ تعریفات کی رو سے معین طور پر کونسی دماغی کیفیت کی ضرورت ہے۔

بہر طور قتل انسان جرم نہیں ہے۔ قتل انسان کی وہ صورتیں جو داخل جرم نہیں ہیں کسی زمانے میں اُن کی بھی دو حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی (اگرچہ اب اس امتیاز کی اہمیت جاتی رہی ہے)۔ قدیم مقننین جایز اور قابل معافی قتل میں فرق کرتے تھے پہلی قسم میں وہ صورتیں داخل تھیں جن میں اس فعل کو قانون کی تائید یا اجازت حاصل تھی (ہلاک کرنے والا حقیقۃً سلطنت کی جانب سے اس فعل کو انجام دیتا تھا)۔ دوسری قسم میں اس فعل کے متعلق یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں کچھ نہ کچھ شائبہ الزام خواہ وہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو، ضرور موجود ہے۔

(الف) جو قتل قطعی طور پر جایز تھے ان کی بنا پر کوئی قانونی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔

(۱) سرکاری عدل گستری کا نفاذ۔ وہ جلاد جو عدالت مجاز کے حکم کا نفاذ کرے[۱] اُس کے ذمے کوئی فوجداری ذمہ داری نہیں پیدا ہوتی لہذا جس حاکم ضلع نے لاٹیمر اور رڈلے شہدا کو زندہ جلا دیا تھا اس کے لیے میری ملکہ الزبتھ کے زمانے میں بھی قتل عمد کے جرم میں ماخوذ ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ بلیکسٹن کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مجرمانہ نیت کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ بری الذمہ تھا (چوں کہ سرکاری فرض منصبی کی 114

[۱] بشرطیکہ وہ معین کردہ صورت سے انجام دے جیسے مثلاً تاریخ یا طریقۂ ہلاکت میں کوئی فرق نہ ہو۔

انجام دہی پر وہ مجبور تھا اور باوجود اس کے کہ ذاتی طور پر وہ اس عمل کو ناپسند کرتا تھا، اُس نے وہ کام انجام دیا)۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس نے کسی مجرمانہ فعل کا ارتکاب ہی نہ کیا تھا۔ عدالت کے حکم کا نفاذ اُس کے لیے جرم نہ تھا بلکہ حقیقۃً اس حکم کے نفاذ سے انکار جرم ہوتا (گو اخلاقی حیثیت سے یہ شجاعت کا فعل ہوتا)۔ دیکھیے صفحہ (۳۱۹ اصل کتاب انگریزی)۔[۱]

(۲) سرکاری عدل گستری میں امداد۔ چنانچہ اگر کسی جرم کبیر کے مرتکب کی گرفتاری کے لیے یا کسی بلوے کے فرو کرنے کے لیے یا کسی شدت آمیز نوعیت کے جرم کو روکنے کے لیے ہلاکت واقع ہو تو یہ جرم میں شمار نہ ہو گا[۲] لیکن اس کے برخلاف جیسا کہ ۱۸۰۴ء میں ہیمراسمتھ کے بھوت کو (یا اُس شخص کو جو بھوت سمجھ لیا گیا تھا) رات کی گشت کے موقع پر گولی ماردی گئی تھی تو مارنے والا قتل عمد کا مجرم قرار دیا گیا چوں کہ اس ذریعے سے یعنی گولی مار کر جس جرم کا انسداد کیا گیا وہ نقاب پوشی اور روپ بھرنے کا جرم تھا جو محض ایک جرم صغیر یعنی امر باعث تکلیف تھا۔

(۳) کسی مجرم کے مقابل میں اپنی ذات کی حفاظت۔ ہر شخص حملہ آور کے مقابل میں اپنی[۳] اور اپنے بالکل قریبی متعلقین[۴] کی حفاظت کے لیے

---

[۱] ملاحظہ ہوں صفحات ۳۳۲ و ۵۲۸ کتاب ہذا۔ اور سلکٹ کیسیز آن کریمنل لا صفحہ ۱۴۳ کسی ایسے طیارے پر فایر کرنے کی صورت میں جو ناجائز طور پہ پرواز کر رہا ہو، آقیصر کس صورت میں فوجداری مواخذے سے بری ہے ملاحظہ ہو ۲ و ۳ جارج پنجم کلاز ۲۲۔

[۲] اگر کسی ایسے جرم کے ارتکاب کو روکنے میں ہلاکت واقع ہو جو تشدد آمیز نہ ہو، خواہ جرم کبیر ہی کیوں نہ ہو، تو وہ جایز نہ ہو گی 1. C. and p. 319

[۳] مقدمہ ناول (۱۲۲۱) (Mait land's select pleas 94 (K.S.C. 139)

۱۸۱۱ء میں ایک ہفتاد سالہ بوڑھے شخص مسٹر برسل کو اس بنا پر نائٹ بنا دیا گیا تھا کہ اُنھوں نے کندہ کاری کے ایک چاقو سے چار نقب زنوں کو ہلاک کیا تھا۔

[۴] Reg. V. Rose (1884), 15 cox 540 (K.S.C. 140)

ضروری و مناسب حد تک جبر کے استعمال کرنے کا مجاز ہے (اور ایسے حملے کی صورت میں جس کا شمار جرم کبیرہ میں ہوتا[1] ہو اور غالباً اس سے
کم حیثیت کے حملے میں بھی[2] ہر شخص کے تحفظ کے لیے جو واقعتاً اس کی 118
مدد کا محتاج ہو جبر کا استعمال کیا جا سکتا ہے[3]) چنانچہ اگر کسی شخص کو معقول وجوہ کی بنا پر خطرے کا اندیشہ ہو اور وہ اس کو دفع کرنے کے لیے مناسب ذرائع اختیار کرے اور ان ذرائع کے استعمال کرنے سے حملہ آور شخص ہلاک بھی ہو جائے تو بھی اس کا یہ عمل قانوناً درست سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ ذرائع مناسب اور متوازن ہوں[4]۔ اگر کوئی بچہ میرے پن چبھو رہا ہو تو مجھے اس کے چھرا نہ بھونک دینا چاہیے۔ لہذا اگر کسی شخص پر حملہ کیا جائے تو اس کو حملہ آور کے خلاف گولی بارود کے ہتھیار استعمال کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ حملہ اتنا شدید نہ ہو کہ وہ اپنی جان کو واقعی طور پر خطرے میں محسوس کرتا ہو۔ ایک شخص نے ایک دوسرے شخص مسمی بہ مسٹر کوپ کے سر پر ایک بوتل تانی اور اس کے بعد فوراً تلوار کھینچنے کے لیے بڑھا۔ یہ دیکھ کر کوپ نے وہ بوتل اس پر زور سے پھینکی۔ چیف جسٹس ہولٹ نے قرار دیا کہ کوپ کا عمل جائز تھا[5]، کیوں کہ جس شخص کی عداوت دوسرے شخص کے

---

[1] 2. B. and p. 260

[2] دیکھیے صفحہ ۱۷۹ کتاب ہذا۔

[3] Foster 274; Russel on Crimes (8 th ed). pp. 773, 775;
135 U. S. A. 80 "any bystander" (کوئی شخص جو بازو میں کھڑا ہو)

[4] صفحات ۱۷۸-۱۸۰ کتاب ہذا بھی دیکھیے۔

[5] Reg. V. Mawgridge (1706), Kelyng 120 اگر وہ ابتدا سے
بے خطا ہو تو اس امر میں اختلاف آرا ہے کہ آیا جو شخص شدید ضرر جسمانی کے فوری
خطرے سے اپنی حفاظت کر رہا ہو اس پر (فوری جھڑپ کی طرح صفحہ ۱۲۲) یہ لازم ہے کہ

مقابل میں ظاہر ہوگئی ہو وہ اس قابل نہیں ہے کہ جب ایک خطرناک ہتھیار اُس کے ہاتھ میں ہو اُس پر اطمینان کیا جاسکے؛ علاوہ ازیں بعض اوقات حفاظت خود اختیاری جایز طور پر حملے کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اگر تم پر ریوالور تانا جائے تو ممکنہ طریقہ تحفظ یہی ہو سکتا ہے کہ تم چھتری کھینچ مارو۔ لیکن گو کہ مزید حملوں کو روکنے کے لیے ایک ضرب لگانا حفاظت خود اختیاری کے تحت جایز تصور کیا جائے گا لیکن اپنی طرف سے حملہ کرنے کے لیے اُس کی تکرار نہ ہونا چاہیے۔ جانبین سے باقاعدہ رد و بدل ہونا حفاظت خود اختیاری نہیں ہے۔

لیکن جب کوئی شخص کسی انسان پر حملہ تو نہ کرتا ہو بلکہ کسی منقولہ یا غیر منقولہ جایداد میں ناجایز طور پر دست اندازی کر رہا ہو تو قابض جایداد (گو کہ اپنے قبضے کے تحفظ کے لیے اعتدال کے ساتھ جبر استعمال
119 کرنے کا حق رکھتا ہے) عام طور سے اس حد پر جبر استعمال کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ مداخلت کنندہ کو ہلاک کردے[1] کیوں کہ اس طرح کا جواز

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ اگر ممکن ہو تو قبل اس کے کہ وہ کسی کو ہلاک کرے وہ لڑائی سے کنارہ کرلے خصوصیت سے جب اُس پر خود اُسی کے گھر میں حملہ کیا گیا ہو انگلستان میں جدید عدالتی آرا یہ معلوم ہوتی ہیں کہ Cf 18 Cr. App. R. 160 اُس کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لڑائی میں اپنے قدم جمائے رکھے۔ اس حق کے متعلق ملاحظہ ہو Foster, and East's P.C. 271) ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ نے دو مرتبہ اس حق کو تسلیم کیا ہے 158 U.S. 550, 256 U.S. 385

[1] لیکن ہیل کا یہ خیال ہے کہ چوں کہ "آدمی کا مکان اُس کا قلعہ ہے" لہٰذا اس سے اُس کا قبضہ لینے کی تشدد آمیز کوشش کا مقابلہ اُتنے ہی زیادہ جبر کے استعمال کے ساتھ کیا جاسکتا ہے جتنا اپنی ذات کے تحفظ کے لیے استعمال کرنا جایز ہے۔ ۱۹۲۴ء میں سرکار بنام ہسے (۱۸ کریمنل اپیل رولنگس ۱۶۰) میں کورٹ آف کریمنل اپیل نے

اُس وقت تک پیدا نہ ہوگا جب تک کہ مداخلت کنندہ کی دست اندازی یا اُس کی طرف سے مقاومت جرم کبیر کی حد کو نہ پہنچ جائے اور اُس کے ساتھ ساتھ وہ جرم کبیر تشدد آمیز نہ ہو مثلاً سرقہ بالجبر، آتش زنی، یا نقب زنی بوقت شب اور ان انتہائی تشدد آمیز جرایم کبیرہ کا مقابلہ بھی (بجز ایسی صورت کے جس میں فی الواقع اس کی ضرورت ہو) انتہائی شدت کے ساتھ نہ ہونا چاہیئے۔ لہذا گولی بارود کے ہتھیاروں کا اُس وقت تک استعمال نہ ہونا چاہیئے جب تک کہ مداخلت کنندہ پر قابو پانے اور اُس کو گرفتار کرنے کا کوئی اَور طریقہ سمجھ میں آتا ہو چنانچہ ایسے شخص کو ہلاک کر دینا جو کسی جرم صغیر کے ارتکاب میں مشغول ہو یا ایسے جرم کبیر کا ارتکاب کر رہا ہو جس میں تشدد کا دخل نہ ہو کسی طرح قانوناً جایز تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص ان حالات میں اُس کو ہلاک کرے گا وہ قتل انسان مستلزم سزا کا مجرم ہوگا

(۴) بعض متقدمین کے خیال کے بموجب یہ سمجھا جاتا تھا کہ بعض حالات میں اپنی جان کے تحفظ کے لیے ایک شخص دوسرے بے گناہ شخص کی جان لینے کا بھی مجاز ہے۔ چنانچہ لارڈ بیکن[۱] نے اس قدیم مسئلے کو جو سیسرو نے قدیم یونانی معلم اخلاق ہیکیٹو سے نقل کیا تھا پھر تازہ کیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اگر جہاز کے تباہ ہو جانے کے بعد دو شخص سمندر میں پیر رہے ہوں اور اس حالت میں انھیں ایک تختہ مل جائے جو اتنا بڑا نہ ہو کہ ان دونوں کا وزن برداشت کر سکے اور ان میں سے ایک دوسرے کو ڈھکیل دے اور وہ بالآخر

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ اس رائے کی توثیق کی تھی۔ اس مقدمے میں ایک کرایہ دار نے مالک اراضی کے گولی کے زخم پہنچائے تھے چوں کہ مالک قبل از وقت ناجایز طور پر کرایہ دار کو اراضی سے بے دخل کرنا چاہتا تھا۔

[۱] Bacen's Maxims Cicero De officiis III 23; Puffendorf 2, 6, 4.

ڈوب جائے تو وہ شخص جو زندہ بچ جائے گا کسی جرم کا مرتکب نہ سمجھا جائے گا لیکن جیسا کہ ہم سرکار بنام ڈڈلی اینڈ اسٹیفنس (۱۸۸۴ء)[1] میں دیکھ چکے ہیں کنگس بنچ ڈویژن کے پانچ کارکردہ ججوں نے بیکن کے اصول پر شبہہ ظاہر کیا اور تباہ شدہ جہاز کے بعض ان ملاحوں کے عمل کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کیا جنھوں نے ایسی حالت میں کہ مشکل سے کوئی امید خلاصی کی باقی تھی ایک لڑکے کو مار ڈالا تھا کہ اُس کو اپنا لقمہ بنائیں۔

120 جدید عصر کے پُرامن نظام کے تحت حقیقتہً جائز ہلاکتوں کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے۔ انگلستان میں ہر سال تقریباً تین سو واقعات ایسے قتل کے ہوجاتے ہیں جن کی نوعیت جرم کبیر کی ہوتی ہے لیکن بیس سے کم کی بنا پر سزائے موت کے احکام دیئے جاتے ہیں اور نصف درجن سے کم دوسرے قتل ایسے ہوتے ہیں جو جواز کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(ب) قتل کی ان صورتوں کے علاوہ جو کلیتہً جائز تھیں بعض ایسی صورتیں[2] بھی تھیں جو محض قابل معافی تصور کی جاتی تھیں یعنی یہ کہ وہ صورتیں ایسی نہ تھیں جن میں وہ جرم، جرم کبیر قرار پائے اور مرتکب کو سزائے موت دی جائے پھر بھی کسی حد تک ضرور قابل الزام تھیں لہٰذا ان کی بنا پر مجرم کی جایداد منقولہ ضبط کرلی جاتی تھی (گو کہ آخر میں سلطنت عموماً "ڈیوڈنڈ" (Deodand) یعنی بجز آلۂ قتل کے یہ سب سامان واپس کردیتی تھی[3]) یہ امر قدیم انگلوسیکسن عہد کی یادگار رہے۔ اس

---

[1] (14 Q.B.D. 273 (K.S.C. 62)؛ صفحہ ۸۸ کتاب ہذا۔

[2] Bracton, f. 121. 1 Hale P.C. 419—424; Stephen; History of Criminal Law, III 77; Pollock and Maitland, History of English Law, II, 471.

[3] پولک اینڈ میٹ لینڈ II ۴۷۱۔

زمانے میں قانون قتل انسان کی تمام صورتوں کو خواہ وہ مجرمانہ ہوں یا
بے خطا ایک ایسا امر تصور کرتا تھا جس کا دیت کی رقم سے کفارہ
ہو جاتا تھا۔ چنانچہ سنہ ۱۱۱۸ء میں بھی قوانین ہنری اول کے مولف نے
لکھا ہے کہ وسکس کا اب بھی یہ قاعدہ ہے کہ قتل کی ہر صورت میں
خواہ وہ بالارادہ ہو یا اتفاقی مقتول کے خاندان کو رقم دیت لازمی طور پر
دی جاتی ہے۔ مذہبی اثرات کے تحت جب زیادہ غور و فکر کے ساتھ
قوانین وضع کیے گئے اور یہ خیال پیدا ہوا کہ قتل کی زیادہ قبیح اور
سنگین صورتوں میں سزائے موت دینا لازم ہے پھر بھی اس امر کے
پورے طور پر طے ہونے کے لیے کچھ اور وقت کی ضرورت ہوئی کہ
کونسی شکلیں اس کے خلاف ایسی ہیں جن میں مرتکب قتل اس حد تک
بے قصور ہوتا ہے کہ اس کو مالی جرمانے کا بھی مستوجب نہ ہونا چاہیئے۔
چنانچہ تیرھویں صدی عیسوی میں اگر کوئی شخص محض سوئے اتفاق سے
کسی شخص کو ہلاک کر دیتا تھا تو اس کو بھی شاہی معافی کی ضرورت ہوتی تھی 121
گو کہ یہ معافی اس کو لازمی طور پر مل جاتی تھی[1] اور بالآخر یہ طے ہو گیا کہ
اگر معافی بھی عطا ہو جائے تب بھی نہ صرف ڈیوڈنڈ بلکہ اس کا تمام
بقیہ اسباب بھی (جو بہرحال اس زمانے میں بہت شاذ طور پر زیادہ
قیمت کا ہوتا تھا) ضبط کر لیا جائے گا اگر ڈیوڈنڈ اس کی ملک بھی نہ ہوتا
تب بھی ضبط کر لیا جاتا تھا تاکہ خدا کی نذر ہو کر وہ مقدس کاموں میں
استعمال ہو اور اس طرح اس شخص پر سے خون کا دھبہ دفع ہو جائے۔
چنانچہ جب کوئی انسان موت کا باعث ہوتا تب ہی ڈیوڈنڈ
نہ لیا جاتا تھا یعنی مثلاً جب کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہو اور اتفاقی طور پر
کسی ایسے شخص کی موت کا باعث ہو جائے جو شاہراہ پر سو رہا ہو
بلکہ ایسی حالت میں بھی ڈیوڈنڈ لے لیا جاتا تھا جب کہ محض قدرتی طور پر

[1] پولک اینڈ میٹ لینڈ II ۴۷۸۔

اتفاقاً موت واقع ہو جائے۔ مثلاً کوئی شخص کشتی سے گر کر ڈوب جائے۔ قاعدہ یہ تھا کہ جس چیز نے بھی اس فعل کی طرف حرکت کی ہو وہ ڈیوڈنڈ ہے اور قابل ضبطی ہے؛

لیکن عملاً ڈیوڈنڈ کی ضبطی ان چیزوں تک محدود نہ تھی جنھوں نے حرکت کی ہے۔ ایک بڑے کڑھاؤ میں دودھ بھرا ہوا تھا، ایک کمسن لڑکا اس میں گر پڑا اور ڈوب گیا۔ اس پر کڑھاؤ ضبط کر لیا گیا[۱]۔ ڈیوڈنڈ کو عموماً بادشاہ فروخت کر دیتا تھا، جو قیمت یا زرمعاوضہ اس کی بابت حاصل ہوتا تھا وہ اس شخص کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے مقدس کاموں میں صرف کر دیا جاتا تھا جو ظاہر ہے کہ بغیر توبہ، استغفار ہلاک ہو جاتا تھا۔ ریفارمیشن کے بعد یہ رقم عموماً غربا کو یا متوفی کے اعزہ کو دے دی جاتی تھی۔ چنانچہ ۱۸۱۶ء میں جب یار ماوتھ کے مفتش اموات اتفاقی (کارونر) کی جوری نے یہ قرار دیا کہ لکڑی کا وہ ڈھیر جو بچے پر آ کر گرا تھا بطور ڈیوڈنڈ ضبط کر لیا جائے تو اس ڈھیر کا معاوضہ تیس شلنگ منظور کیا گیا اور وہ بچے کے باپ کو دے دیا گیا۔ سنہ ۱۸۴۶ء تک ڈیوڈنڈ، وصول کرنے کا قاعدہ منسوخ نہیں ہوا[۲]۔ لیکن قابل معافی ہلاکتوں کی بنا پر جو عام ضبطی عمل میں آتی تھی وہ سنہ ۱۸۲۸ء میں بند کر دی گئی۔ لہٰذا اُس وقت سے قانونی نتائج کی حد تک ان ہلاکتوں میں جو قابل معافی شمار ہوتی تھیں اور ان میں

122 جو کلیتہً جایز تھیں کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ محض مفصلۂ ذیل دو صورتیں قابل معافی ہلاکتوں کی تھیں:

(۱) جب کسی اچانک آویزش (فوری لڑائی) کے موقع پر

---

[۱] (Select Coroner's Rolls, P. 50.

[۲] ۹ اور ۱۰ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۶۲۔ یہ قاعدہ اس لیے بہ تعجیل منسوخ کیا گیا کہ یہ خوف تھا کہ اس طرح جملہ ریلوے گاڑیاں ضبط ہو جائیں گی۔

فریقین میں سے ایک فریق لڑنے سے گریز کرتا لیکن دوسرا اپنے حملے کو جاری رکھتا اور اس کے بعد جب پہلے شخص کے لیے تحفظ کی کوئی ظاہری صورت باقی نہ رہتی[1] اور وہ اپنے مقابل کو جان سے مار ڈالتا تو ایسی صورت میں حفاظت خود اختیاری کی ضرورت کی وجہ سے وہ قتل جرم کبیر شمار نہ کیا جاتا تھا لیکن چوں کہ اولاً اس نزاع میں حصہ لینے کا اس کے ذمے الزام ہوتا تھا اس لیے یہ معاملہ قتل کی ان صورتوں سے مختلف تصور کیا جاتا تھا جو کلیۃً جایز تھیں اور جن میں وہ شخص جس پر حملہ کیا جاتا ابتداءً بالکل خاموش رہتا اور بالآخر اپنی ذات کے تحفظ کے لیے حملہ آور شخص کو قتل کر دیتا۔ اس کے خلاف اگر اس اچانک آویزش کو دونوں فریق آخر تک یعنی مہلک ضرب لگنے تک قایم رکھتے تو ایسے قتل میں معافی کی کوئی گنجایش نہ ہوسکتی تھی بلکہ یہ قتل جرم کبیر[2] — قتل انسان یا ممکن ہے کہ قتل عمد شمار کیا جاتا۔

جب ایک شخص دوسرے کو محض سوئے اتفاق کی بنا پر ہلاک کر دیتا تھا یعنی جب کوئی جایز فعل کیا جاتا اور اس سے نقصان رسانی مقصود نہ ہوتی اور اس کے کرنے کا طریقہ ایسا ہوتا کہ کسی مجرمانہ غفلت کا اس میں شمول نہ ہوتا[3] تو اس کا عمل قابل معافی قرار دیا جاتا تھا چنانچہ ایک شخص دل لگی کے طور پر ایک لڑکے کے ساتھ تیزی سے

---

[1] چوں کہ اگر ممکن ہو تو اس کو اس لڑائی سے دست کش ہو جانا چاہیے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۸ کتاب ہذا۔

[2] صفحہ ۱۳۴ کتاب ہذا

[3] Reg. v. Jones (1874) 12 Cox 628 (K.S.C. 28) کا K.S.C. 27 اور Reg. v. Tinney (1874), 12 Cox 625 ((K.S.C. 120) سے مقابلہ کیجیے۔

چکر لگا رہا تھا، لڑکے نے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور یہ شخص ایک عورت
سے ٹکرا گیا جس سے وہ عورت ہلاک ہو گئی۔ یہ معاملہ محض اتفاقی[۵۱]
قرار دیا گیا۔ اسی طرح ایک چار سالہ لڑکے سے دریافت کیا گیا کہ آیا
وہ جن شراب کا ایک قطرہ پیئے گا، اس پر اس لڑکے نے ملزم
کے ہاتھ سے گلاس چھین لیا اور اس میں جتنی شراب تھی تقریباً سب
چڑھا گیا اور اس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ قرار دیا گیا کہ جن کی اتنی
غیر معمولی مقدار کا پی لینا خود بچے کا فعل تھا لہذا ملزم نے کسی جرم کبیرہ کا
123 ارتکاب نہیں کیا[۵۲]۔ اس قسم کے اتفاقی واقعات کی وہ صورتیں بہت اہم
ہوتی ہیں جب والدین یا استاد اپنے بچے یا شاگرد یا کارآموز کی جائز
اور مناسب تنبیہہ مناسب آلۂ تنبیہہ کے ذریعے سے کر رہے ہوں
اور ایسی حالت میں اتفاقی طور پر موت واقع ہو جائے[۵۳]

والدین اور استاد کا بچے کو سزا دینے کا حق قانون اطفال و اشخاص نو عمر ۱۹۳۳ء
کے ذریعے سے تسلیم کیا گیا[۵۴]۔ قدیم کامن لا کی رو سے بالغ ملازمین کے
مقابل میں بھی یہ حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح ہر شوہر کو سابقاً یہ حق
حاصل تھا کہ جسمانی سزا کے ذریعے سے اپنی زوجہ کی تنبیہہ کرے۔
لیکن بقول بلیکسٹن چارلس دوم کی نسبتۃً شائستہ عہد میں شوہر کے اس
حق کو تسلیم کرنے میں تامل کیا جانے لگا، اگرچہ کسی قدر مزاحی رنگ میں
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پست طبقے کے لوگ جن کو کامن لا ہمیشہ بہت پسند تھا

(Childern and young person's Act. 1933

۵۱ Reg v. Bruce (1847), 2 Cox 262 (K.S.C. 136)

۵۲ Rex. v. Mortin (1827) 3 C and p. 211 (K.S.C. 137)

۵۳ Rex. v. Woods (1921), 85 J.P. 272; Cleary v. Booth (1893) (Q.B.D. 465) ملاحظہ ہو صفحہ ۸۷ کتاب ہذا۔ ایک بڑے بھائی کو یہ حق نہیں ہے کہ چھوٹے بھائی کو محض اس وجہ سے کہ وہ گستاخ ہے سزا دے سکے۔

۵۴ ۲۳ سنہ جلوس جارج پنجم کلانز ۱۲ دفعہ ۱ -

اپنے قدیم استحقاق کا اب تک ادعا رکھتے ہیں اور اس کو استعمال کرتے ہیں؛
بچے کو سزا دینے کا حق ظاہر ہے کہ صرف اس صورت میں
ہوتا ہے جب کہ بچے کا سن اتنا ہو کہ اس میں اس تنبیہ کو سمجھنے کی صلاحیت
پیدا ہو گئی ہو، نہ کہ مثلاً ایسی صورت میں جب کہ بچے کا سن صرف ڈھائی سال
کا ہو[1]۔ اور ہر حالت میں سزا کی جائز نوعیت اور مقدار بچے کے سن و سال،
صنف اور ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بدلتی رہے گی،
لیکن جب صاف اور جائز طور پر سزا کا محل پیدا ہو جائے اور اس کا
طریقہ و نیز مقدار بھی نامناسب نہ ہو تو اس واقعے سے کہ اس کی وجہ سے
بچہ ہلاک ہو گیا والدین یا اُستاد (جس نے بھی وہ سزا دی ہو) قتل
(جرم کبیر) کے مجرم نہ قرار پائیں گے۔ چنانچہ اگر بچے کی جسمانی ساخت
میں کوئی ایسی مخفی خصوصیت ہو جس کا والدین یا اُستاد کو علم نہ ہو[2] سزا دینے 124
سے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ ایسی خرابیوں کی صورت میں کہ
جیسے مثلاً قلب پر چربی آجائے یا کھوپڑی حد درجہ کمزور اور نازک ہو،
ایک خفیف سی ضرب مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ یا کسی لڑکے میں
جریانِ دم کی ایسی کیفیت ہو کہ وہ بید کی ایسی سزا سے مر جائے جو
معمولی طالب علموں کو بے خطر طور پر دی جا سکتی ہو۔ اسی طرح زد و کوب
سے کلیتہً قطع نظر، ایک شخص کی مخصوص جسمانی ساخت اس امر کا باعث
ہو سکتی ہے کہ محض اتفاقی طور پر اُس کی موت واقع ہو جائے۔ مثلاً یہ
تجربہ ہو چکا ہے کہ ایک ایسا بوڑھا آدمی جس کے شریان بڑھاپے کی وجہ سے
کمزور ہو گئے ہوں اگر اُس کو ایک ہلکا سا دھکا جو آپس کے میل جول
میں اکثر لگ جاتا ہے پہنچ جائے تو اُس کی ہلاکت کا باعث ہو جاتا ہے۔

---

[1] Reg. v. Griffin (1869). 11 Cox 402

[2] گردن کے غدود بڑھ جاتے ہیں تو بمشکل کبھی زندگی بھر اس کا پتا چلتا ہے۔ لیکن ایک نہایت معمولی سے سبب کے پیدا ہو جانے سے ایسا شخص ہلاک ہو جاتا ہے۔

اتفاقی واقعات کی ایک اور قسم بھی ہے جن کی عملی اہمیت اور بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم سے اُس وقت سابقہ ہوتا ہے جب کسی جایز کھیل کود کے دوران میں اتفاقی طور پر موت واقع ہو جائے جیسے مثلاً گیند نیچا آتے آتے یک لخت اُچھل جائے اور کرکیٹ کے کھلاڑی کے سر میں لگے اور وہ ہلاک ہو جائے۔ گو کہ مسلح دنگل عہد وسطیٰ میں بھی ممنوع تھے اور وہ نبرد آزما جو اپنے مدمقابل کو قتل کر دیتا تھا عموماً قتل انسان مستلزم سزا کا مجرم ہوتا تھا۔ لیکن اگر بادشاہ کے حکم سے کوئی خاص دنگل کیا جاتا تھا تو صورت حال بدل جاتی تھی۔ اگر ایسے مقابلوں میں جو بادشاہ کے حکم سے جایز قرار پاجاتے تھے فریقین میں سے کسی کی موت واقع ہو جاتی تو اُس کا شمار اتفاقات میں ہوتا تھا۔ موجودہ زمانے میں ایسی تمام ورزشیں جن میں ننگی تلوار کا استعمال ہو، خواہ اُن کے متعلق کیسی ہی اجازت خصوصی حاصل ہو جائے قانوناً ناجایز ہیں۔ لیکن معمولی پٹا اور اسی طرح گھونسہ بازی[1]، کشتی، فٹبال[2] وغیرہ اگر احتیاط کے ساتھ کھیلے جائیں تو ان کا جایز کھیلوں میں شمار رہے۔ جو شخص ان کھیلوں میں حصہ لیتا ہے وہ گویا کہ اپنی ذات کو ایک (محدود) حد تک جسمانی ضرر پہنچانے کی معنوی رضا مندی دے دیتا ہے۔ لیکن کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اپنی ذات کو بہت زیادہ جسمانی ضرر پہنچانے کی اجازت دے دے۔ مثلاً اُس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ایسا ضرر پہنچانے کی اجازت دے کہ
125 جس کی وجہ سے وہ معذور ہو جائے[3] لہذا اگر وہ ناجایز اور خطرناک شرائط کے تحت کسی کھیل کے کھیلنے کی رضامندی دے دے اور اس کھیل کے دوران میں مر جائے تو مارنے والا اس رضامندی کی بنا پر

---

[1] Reg v. Coney (1882), 8 Q.B.D. 534.

[2] (Reg. v. Bradshaw (1878) 14 Cox, 83 (K.S.C. 131)

[3] ملاحظہ ہو صفحات ۱۶۸ و ۱۸۳ کتاب ہذا۔

قانوناً بری الذمہ نہ قرار پائے گا[۱]۔ (نہ اُس شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرنے کی رضامندی دے جس سے امن عامہ میں خلل واقع ہو یہی دونوں اسباب ہیں جن کی بنا پر باوجودیکہ فریقین جوکھم میں پڑنے کے لیے رضامند ہو گئے ہوں انعامی محاربہ[۲] ناجائز قرار دیا گیا ہے) علاوہ ازیں یہ کہ ایک عام کلیہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کو اس طرح مارنا کہ اُس کو جسمانی ضرر پہنچے (جس کے اندر وہ مضرت بھی شامل ہے جس سے تندرستی یا راحت میں خلل واقع ہو) خلاف قانون ہے بجز اس کے کہ وہ صورت استثنائی صورتوں میں سے کسی کے تحت آتی ہو، مثلاً کھیل، جائز تنبیہہ وغیرہ۔ لہٰذا رضامندی کا عذر غلط اور غیر متعلق ہے[۳]۔

لہٰذا محاربے میں چونکہ ضرر پہنچانے کی خواہش ہوتی ہے اس لیے نہ صرف وہی ناجائز ہے بلکہ اگر قوت و مہارت کے مقابلے کے مظاہرے کے لیے اسی طرح کے خطرناک طریقے اختیار کیے جائیں تو وہ بھی خلاف قانون ہو جائیں گے[۴]۔ گھونسہ بازی کے دستانے پہن لینے سے گھونسہ بازی کا خطرہ لازمی طور پر اتنا کم نہیں ہوجاتا کہ اس سے وہ قانونی حدود میں داخل ہو جائے، چوں کہ یہ ممکن ہے کہ دستانے اتنے ہلکے ہوں کہ ان سے اُن کا مقصد پورا

۱۔ تماشا بینوں کے جرم کے متعلق دیکھیے صفحہ ۸۰ کتاب ہذا۔

۲۔ صرف اس وجہ سے کہ گھونسہ باز کسی شریک کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں اُن کے مقابلے کو انعامی محاربہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ اس لفظ کے اندر خطرناک ہتھیار کے ساتھ زد و کوب کرنے کا تصور بھی شامل ہے مثلاً ایک ماہر گھونسہ باز کا گھونسہ۔ اور مزید براں عموماً اس میں عام اعلان کا خیال بھی شامل ہوتا ہے چنانچہ اس میں ہنگامہ (صفحہ ۵۰۸) اور مجمع خلاف قانون (صفحہ ۳۲۸) بھی ہوتا ہے۔

۳۔ Rex. v. Donovan (1934), 2 K.B. 498 (K.S.C. 558)

۴۔ جیسے مثلاً گردوں پر وار کرنا جس کی نیشنل اسپورٹنگ کلب نے اب ممانعت کر دی ہے۔

نہ ہوتا ہو۔[1] یہ سوال بھی موضوع بحث رہ چکا ہے کہ آیا دس سکنڈ والے قاعدے
کی وجہ سے گھونسہ بازی کا خطرہ خلاف قانون حد تک نہیں پہنچ جاتا؟
اس قاعدے کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص جو حد سے زیادہ تھک گیا ہو
اس کو لڑائی سے علیحدہ کر لیا جائے۔ ایسے شخص کا پھر مقابلے میں نہ آنا
شکست کے مماثل سمجھا جاتا ہے لیکن اس سے گھونسہ بازی کے
ہر فریق کو یہ لالچ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے مدمقابل کو خطرناک حد تک
126 تھکا مارے اور اس طرح فتح حاصل کر لے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں ہوم سکریٹری
نے بیان دیا تھا کہ گھونسہ بازی میں ہر سال پانچ ہلاکتوں کا اوسط ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ حد درجہ جایز کھیل میں بھی اگر غصے کا دخل ہو جائے گا تو
اس کا جواز غائب ہو جائے گا اور فوجداری ذمہ داری عاید ہو جائے گی۔[2]

---

[1] یا لڑائی نامناسب مدت تک طول کھینچے C.C.C. Sess. Pop. LXIV, 73.

[2] (Reg. v. Canniff (1840), 9 C. and P. 359 یہ واقعہ کہ ملزم پورے طور پر اس کھیل کے عام اور معروف قواعد کی پابندی کے ساتھ کھیل رہا تھا، اس امر کے ثابت کرنے میں مدد دے گا کہ اس کا وہ عمل غصے کی بنا پر نہ تھا و نیز یہ کہ جس طریقے سے وہ کھیل رہا تھا وہ ظاہر بظاہر اتنا خطرناک نہ تھا کہ اس کو ناجایز سمجھا جا سکے۔ لہذا ان دونوں اغراض کی حد تک اگر ملزم کی جانب سے ان قواعد کی بابت شہادت پیش کی جائے تو قابل ادخال ہے۔ لیکن اس کے خلاف اگر ملزم ان قواعد کے خلاف کھیل رہا ہو اور ملزم کے مقابلے میں ان کو شہادت میں پیش کیا جائے تو یہ قابل ادخال شہادت نہ ہوں گے۔ چوں کہ ان قواعد کا توڑنا نہ جرم ہے نہ لازمی طور پر خطرناک ہے اور نہ کینے پر مبنی ہے۔ اس مسئلے کے متعلق سرکار بنام براڈشا (۱۸۷۸ء) (صفحہ ۱۲۴ کتاب ہذا) کو سرکار بنام مور ۱۸۹۸ء (14 T.L.R. 229.) کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ موخر الذکر مقدمے میں ملزم نے ایک شخص پر خلاف قاعدہ طور پر پیچھے سے حملہ کیا تھا اور اس طرح اس کو ہلاک کر دیا تھا۔

باب ۹

قتل (جرم کبیر) 127

اگر ایسے حالات میں قتل کا ارتکاب ہو جن کی بناپر نہ وہ جایز ہو نہ قابل معافی بلکہ جرم ہو تو اُس کا شمار جرایم صغیرہ میں نہیں ہوتا اور نہ اس سے پہلے کبھی ہوا بلکہ ہمیشہ سے وہ جرایم کبیرہ میں داخل ہے۔ یہ جرم کبیر بہر حال ذیل کی پانچ شکلوں میں سے کوئی ایک شکل اختیار کر سکتا ہے۔

(۱) خودکشی جو ایسے حالات میں کی جائے کہ اس کا جرم میں شمار ہو۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی ایسا شخص خودکشی کا مجرم نہیں سمجھا جاسکتا (اور عملی طور پر حقیقةً کبھی سمجھا بھی نہیں گیا) جب تک کہ وہ ایسے "سمجھے بوجھے کینے" کے ساتھ خود اپنی موت کا باعث نہ ہوا ہو کہ اگر اسی نوعیت کے "کینے" کے تحت وہ کسی دوسرے کو قتل کر دیتا تو قتل عمد کا مجرم قرار پاتا جیسے مثلاً مہلک اسلحہ کے ساتھ محاربہ کرنے والا شخص خود اپنے ہی پستول کے پھٹ جانے سے

ہلاک ہو گیا تھا۔[1]

کامن لا میں خودکشی کرنے والے کی لاش کی توہین کرنے کا طریقہ رکھا گیا تھا تاکہ اس خوف سے لوگ اس جرم کے ارتکاب سے پرہیز کریں.......... لاش کی توہین کا خوف فطری تصورات کی بنا پر اکثر موثر ثابت ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ مجرم کا اسباب بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔ اس کا اثر گو کہ کلیتہً مجرم کے پسماندگان پر پڑتا تھا لیکن پھر بھی یہ ایک ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے اکثر اوقات اُس کے جذبۂ محبت کو بشدت تحریک ہوتی تھی۔ لہٰذا جو شخص خودکشی کرتا تھا اُس کو کسی زمانے میں شاہراہ عام پر دفن کیا جاتا تھا اور اس کے جسم میں ایک میخ ٹھونک دی جاتی تھی اور اُس کا اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا۔ ۱۸۲۳ء میں خودکشی کرنے والوں کے دفن کی یہ صورت

128 بدل دی گئی اور اس کے بجائے نو اور بارہ بجے شب کے درمیان بلا نماز میت اُن کی تدفین ہونے لگی اور اس طرح دفن کا وہ بھیانک رخ زایل ہو گیا۔ ۱۸۷۰ء میں عام طور پر جرم کبیر کی بنا پر جو ضبطی کا قاعدہ تھا وہ منسوخ ہوا اور اس ذیل میں خودکشی کرنے والے کا اسباب بھی ضبط ہونا بند ہو گیا[2] اور ۱۸۸۲ء میں قانون موضوعہ ۴۵ اور ۴۶ سنہ جلوس وکٹوریہ باب ۱۹ کے ذریعے سے تمام سزائیں بند کر دی گئیں، البتہ

۱؎ لیکن جیروس Coroners, 7 Thed; P. 186 اُس کو کافی سمجھتے ہیں اور اُن کا یہ خیال زیادہ مدلل ہے کہ خودکشی کرنے والا اور کسی ایسے ناجایز فعل کا مرتکب ہوا ہو کہ اس کا نتیجہ خود اُس کی موت ہو" جیسا کہ قتل انسان میں ہوتا ہے اور کارونرس ایکٹ (۵۰ و ۵۱ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۷۱، دفعہ ۲) میں جوری کی رائے کے لیے جو شکل معین کی گئی ہے اس میں صرف بعنوان جرم کبیر ہلاک کرنا ہے نہ کہ کلیتہً متقدم کی بنا پر۔

۲؎ ۳۳ اور ۳۴ وکٹوریہ کلاز ۲۳۔

خالص مذہبی نوعیت کی سزا باقی رہی یعنی یہ کہ ایسے شخص کی میت عام انگریزی طریقے کی نماز اور دوسرے رسوم سے لازمی طور پر محروم رہے۔ خودکشی کرنے والے کے لیے کامن لا کی مقرر کردہ عقوبتوں کے قانوناً بند ہونے سے پہلے ہی عام طور پر وہ ناپسند کی جاتی تھیں۔ اس ناپسندیدگی کی بنا پر بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ واقعی طور پر یہ عقوبتیں عاید کی جائیں۔ اور یہی ناپسندیدگی بالآخر اُن کے خاتمے کا بھی باعث ہوئی۔ چوں کہ مفتشین اموات اتفاقی کی جوریاں اس امر کی متمنی رہتی تھیں کہ کوئی خفیف سی وجہ ایسی مل جائے جس سے یہ قرار دیا جا سکے کہ خودکشی کا واقعہ جنون کے دورے کی بنا پر ہوا ہے اور بدیں سبب اس کا جرم کبیر میں شمار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اگر شہادت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی ایسی فکر اور پریشانی کی وجہ موجود تھی جو متوفی کے لیے اس طرح کے اقدام کا باعث ہو سکتی تھی تو یہ قرار دے دیا جاتا تھا کہ فکر و پریشانی نے اُس کے دماغ کو مختل کر دیا تھا۔ اور اگر کوئی ایسی وجہ نہ ملتی تھی تو بجائے خود یہ امر کہ اُس نے بلا کسی سبب کے ایسا عمل کیا ہے اُس کے اختلال دماغ کا ثبوت سمجھ لیا جاتا تھا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ بقول بلیکسٹن اس "مقدس دروغ حلفی" کی بنیاد اس قدر مضبوط ہو گئی کہ ان عقوبتوں کے بند ہو جانے کے بعد اس کا سلسلہ باقی ہے حالاں کہ انھی کے سبب سے اس کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ خودکشی کے جن مقدمات میں مفتشین اموات تفتیش کرتے ہیں ہزار میں عموماً چالیس سے کم ایسے ہوتے ہیں جن کو واقعاً خودکشی قرار دیا جاتا ہے[1]۔

[1] اس کے برخلاف سترھویں صدی میں نوے فی صدی مقدمات میں خودکشی کی رائے دی جاتی تھی۔ فرانس میں صرف سولہ فی صدی مقدمات میں ملزم کے مجنون ہونے کی رائے دی جاتی ہے اس کے مقابل میں انگلستان میں چھیانوے فی صدی مقدمات میں خودکشی کے ملزم کے مجنون ہونے کی رائے دی جاتی ہے۔ لندن کے ایک

جوریاں خودکشی کے معاملات میں بالکل بلا وجہ جنون کا حکم لگا دیتی ہیں
اور اُن کو یہ لحاظ نہیں رہتا کہ اس طرح کے فیصلے سے کسی قابل لحاظ تعزیر کا
تواب تحفظ ہوتا نہیں لیکن اس کے برخلاف یہ ممکن ہے کہ متوفی کے
129 خاندان پر بلا وجہ ایک دھبہ آجائے اور اس سے اُن کا معاشرتی
یا ازدواجی یا کاروباری مفاد شدت سے متاثر ہو جائے۔ سنہ ۱۹۳۶ء
میں مفتشین اموات کے متعلق محکمے کی ایک کمیٹی نے یہ سفارش
پیش[1] کی کہ جوری سے یہ رائے نہ لی جایا کرے کہ آیا فلاں شخص نے
خودکشی کی اور یہ کہ جوری کی رائے کے اندر متوفی کی کیفیت دماغی
کے متعلق کوئی اشارہ نہ ہونا چاہیے۔ جوری کی رائے صرف اس قدر
ہونا چاہیے کہ متوفی خود اپنے عمل سے ہلاک ہوا ہے۔

قدیم سزاؤں کے منسوخ ہو جانے کے باوجود ایک صحیح العقل شخص
کی خودکشی قانون کی نظر میں جرم ہے۔ چنانچہ خودکشی کا ہر اقدام
قابل ترتیب فرد جرم، جرم صغیر ہے[2]۔ خودکشی کے جرم ہونے کا دوسرا نتیجہ
یہ ہے کہ اگر دو شخص آپس میں یہ طے کریں کہ وہ مل کر خودکشی کریں گے[3]
اور ان میں سے ایک شخص جان دے دے تو دوسرا قتل عمد کا مجرم ہوگا۔
اگر وہ اس موقع پر موجود ہو تو بحیثیت اصل مجرم کے، اور اگر موجود نہ ہو تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ مفتش اموات نے حساب لگایا کہ صرف تیس فی صدی
خودکشیاں حقیقۃً جنون کی بنا پر سرزد ہوئی تھیں۔ (اخبار ٹائمس مورخہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۰۸ء)

[1] اس سفارش کا یہ منشا نہیں ہے کہ قانون میں خودکشی کو قتل عمد ذات
نہ تصور کیا جائے بلکہ یہ سفارش محض مفتش اموات کے فرائض سے
متعلق ہے۔

[2] Reg V. Burgess (1862) L. and c. 258

[3] Commonwealth v. Bowen (1816), 13 Mass 356 (K S.C. 91)

حیثیت معین قبل ارتکاب جرم[1]، مجرم سمجھا جائے گا۔ عام طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو خودکشی کی ترغیب دے اور یہ دوسرا شخص خودکشی کر بیٹھے تو ترغیب دینے والا شخص قتل عمد کا مجرم ہوگا۔ اسی بناپر اگر کوئی شخص خودکشی کا اقدام کرتے وقت، اتفاقاً کسی ایسے شخص کو جو قریب ہو ہلاک کر دے تو وہ کم از کم قتل انسان کا اور اکثر حالات میں قتل عمد کا مجرم ہوگا[2]۔

اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی اور خودکشی کرنے والوں کی تعداد کے تناسب میں جنگ عظیم سے پچاس سال پہلے سے برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن جنگ کے دوران میں اس میں کمی ہوگئی تھی۔ بہرحال جنگ کے پہلے کے زمانے سے اب پھر بید رھواں حصہ اضافہ ہوگیا ہے[3]۔

اب ہم ان حالات پر نظر کرتے ہیں جن میں مقتول خود قاتل نہیں ہوتا بلکہ دوسرا شخص ہوتا ہے۔

(۲) قتل انسان۔ اس جرم کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز طور پر ہلاک کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جن حالات میں ہلاکت واقع ہو وہ اتنے شدید نہ ہوں کہ وہ فعل قتل عمد قرار پاجائے۔ ہیل اور بلیکسٹن نے اس کے متعلق کہا ہے کہ اس کا ارتکاب کسی صریحی یا معنوی کینے کی بنا پر 180

---

[1] تاہم ان "موت کے عہد و پیمان" کی صورتوں میں اب حکم سزا ہمیشہ تبدیل کر دیا جاتا ہے

[2] Commonwealth v. Mink (1877), 9 Lathrop 422 (K.S.C. 110)

Rex. V. Hopwood (1913), 8 Cr App. R. 143.

[3] فرانس میں برطانیۂ عظمیٰ سے کہیں زیادہ ہے۔ فرانس اور برطانیۂ عظمیٰ دونوں میں خودکشی کی انتہائی تعداد کا زمانہ سرما ہے نہ کہ گرما۔ اور دونوں ممالک میں عورتوں کے مقابل میں مردوں کی خودکشی کے واقعات تین گنے کے قریب ہوتے ہیں۔

نہ ہونا چاہیے؛ لفظی اشتباہات سے بچنے کے لیے اگر ہم اس کے بجائے یوں کہیں تو بہتر ہے کہ "یہ کینہ اس زیادہ[۱] مجرمانہ حد کے پہنچنے کی حد تک نہ پہنچا ہو جو قتل عمد میں ہوتا ہے"

قتل انسان کو بعض اوقات دو صورتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے یعنی ارادی اور غیر ارادی۔

(الف) بالارادہ قتل انسان اُس وقت کہا جائے گا جب کوئی شخص کسی دوسرے کو بالارادہ ناجائز طور پر ایسا ضرر پہنچائے جس سے ہلاکت کا احتمال ہو، لیکن اشتعال طبع کی وجہ سے یہ جرم قتل عمد کے بجائے قتل انسان سمجھا جائے[۲]۔

ہم اس سے قبل یہ دیکھ چکے ہیں کہ اگر جائز طور پر ضرب لگانے سے اتفاقاً موت واقع ہو جائے (مثلاً کسی طالب علم کی تنبیہ کے لیے) تو قطعاً جرم نہیں ہوتا۔ اگر کسی ایسے عمل کی وجہ سے ہلاکت واقع ہو جس سے ضرر پہنچنے کا احتمال ہو تو یہ قتل انسان شمار ہوگا بجز اس کے کہ اس عمل سے ضرر شدید پہنچنے کا احتمال ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ موت واقع ہو جائے گی اور درصورتے کہ اس میں اشتعال طبع شامل نہ ہوتا، اس پر قتل عمد کا اطلاق ہوتا۔ اگر کسی ایسے عمل سے ہلاکت واقع ہو جس سے ضرر پہنچنے کا احتمال ہو تو باوجود اس کے کہ ملزم کی یہ خواہش نہ ہو کہ ضرر جسمانی پہنچائے بلکہ اس سے محض وہ عمل سرزد ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ قتل انسان[۳] ہوگا۔ قتل انسان میں ملزم کے دماغ میں احتمال ہلاکت کی

---

[۱] صفحہ ۶۲ کتاب ہذا۔

[۲] خود پروفیسر کینی نے "بالارادہ" قتل انسان کی جو تعریف کی ہے اس کے لیے کتاب ہذا کا چودھواں ایڈیشن صفحہ ۱۱۶ دیکھیے اور اس کی تنقید کے لیے کیمبرج لا جرنل حصہ پنجم صفحہ ۶۷ اور حصہ ششم صفحہ ۵۲ پر ہے۔ ڈبلو۔ سی۔ ٹرنر کا مضمون دیکھیے۔

[۳] Rex V. Sullivan (1836) 7 C and p. (641(K.S.C. 116)

'پیش بینی' کی ضرورت نہیں ہے بلکہ محض احتمال ضرر جسمانی کی 'پیش بینی' کافی ہے[1]۔

جب ایسی ضرب کی وجہ سے موت واقع ہو جو حقیقت نہ ہو بلکہ ایسی ہو کہ اس سے ضرر جسمانی پہنچنے کا احتمال ہو تو حالات کے اعتبار سے یہ جرم یا تو قتل انسان ہوگا یا قتل عمد۔ کیوں کہ اگر حملہ آور شخص کو خفیف اشتعال دلایا گیا ہو یا یہ کہ بالکل نہ دلایا گیا ہو تو وہ قتل عمد کا مجرم ہوگا، اور اگر اس کو شدید اشتعال دلایا گیا ہو اور وہ اس کی وجہ سے حقیقۃً مشتعل ہو گیا ہو تو وہ محض قتل انسان کا مجرم ہوگا۔ اشتعال طبع ایسا ہونا چاہیے جس کی بنا پر ایک معقول شخص از خود رفتہ ہو جائے[3]۔ اگر کسی جان لیوا ہتھیار سے اور بالکل جان لینے ہی کی نیت سے مہلک ضرب لگائی جائے تب بھی یہی صورت رہے گی۔ کیوں کہ ممکن ہے کہ قاتل کو ایسا فوری اور اتنا شدید اشتعال دلایا گیا ہو کہ اس کی وجہ سے صبر و تحمل کی معمولی قوت (وقتی طور پر) اس سے سلب ہو جائے[4] اور وہ اپنے شدید معاندانہ جذبات پر نسبتہً کم قابل الزام ہو جائے الزام اس پر ضرور رہے گا اور اس کی بنا پر وہ مستوجب سزا بھی ہوگا

---

[1] دیکھیے صفحہ ۳۴ کتاب ہذا۔ پیش بینی کے اندر نیت کا شامل ہونا ضروری نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص لاپرواہی کے ساتھ کوئی کام کر بیٹھے جس سے بعض ایسے نتائج کے رونما ہونے کا اندیشہ ہو۔ جن کی بابت اس کو امید ہو کہ واقع نہ ہوں گے۔

[2] Reg V. Wild (1837), 2 Lew. 214 (K.S.C. 116)

شدت کا اندازہ ایک معمولی انسان کے احساسات کے اعتبار سے کرنا چاہیے نہ کہ ملزم کی خصوصی ذکاوت احساس کے اعتبار سے Rex, V. Alexander (1913), 9 Cr. App. R. 139

اگر ملزم کے احساسات کے اعتبار سے اس امر کا اندازہ کیا جایا کرتا تو بعض اوقات محض الفاظ یا خاموشی کے ساتھ اشارہ کرنا بھی معقول وجہ اشتعال سمجھی جا سکتی تھی

[3] Rex, V. Lesbini, (1914) 3 K.B. 1116

[4] Rex, V. Lynch (1832), 5 C.and P. 324 ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۲ طفل کشی کے جرم میں دماغی کیفیت

لیکن سزائے موت کا مستحق نہ رہے گا۔ لہذا قتل کے فعل کا فوری ہونا کسی جرم کے لیے ایک ضروری شرط ہے۔ معمولی غصہ قتل عمد کو قتل انسان نہیں بنا سکتا۔ یہ امر کہ بوقت اشتعال طبع جو ہتھیار پہلے سے قاتل کے ہاتھ میں موجود تھا اسی سے قتل واقع ہوا اس امر کی شہادت ہو سکتا ہے کہ اس ضرب کا پہلے سے ارادہ نہ تھا۔ اگر ملزم یہ ثابت کر سکے کہ اُس نے کوئی ہتھیار استعمال نہیں کیا بلکہ اپنے قدرتی ہتھیار گھونسے سے کام لیا ہے تو یہ امر ملزم کے حق میں اور زیادہ مفید ہوگا۔ اگر "الف" "ب" پر ایسے اشتعال طبع کی حالت میں گولی چلا رہا ہو کہ "ب" کا قتل، قتل انسان محسوب ہوتا ہوا اور نشانہ خطا کر جائے اور "ب" کے بجائے "س" کے گولی لگے تو یہ غیر ارادی قتل بھی قتل انسان ہی شمار کیا جائے گا۔

132 ارادی قتل انسان کی قسم میں چوں کہ پہلے ہی ارادہ قائم نہیں ہوتا ہے اس لیے اس میں معین قبل ارتکاب جرم کبھی نہیں ہوتا (مندرجہ بالا قول کا بعض اوقات بے سوچے سمجھے عام طور پر قتل انسان پر اطلاق کر لیا جاتا ہے) ایک شخص کے اشتعال دلانے اور دوسرے کے ارتکاب قتل کے درمیان میں عموماً کوئی قابل لحاظ وقفہ ہوتا ہی نہیں ہے بہر کیف اگر کچھ وقت اس درمیان میں گزر جائے تو یہ ممکن ہے کہ قاتل کا طرز عمل ایسا ہو کہ اُس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ ناقابل تحمل جذبہ جو اشتعال دلانے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا بدستور موجود رہا اور مہلک ضرب کا حقیقتہً وہی سبب تھا اس کے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ اُس وقفے کے دوران میں (خواہ وہ وقفہ چند ہی منٹ کا ہو) اس کا طرز عمل اتنا پرسکون ہو گیا ہو کہ اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا لہذا ابتداءً جو اشتعال دلایا گیا تھا اُس کا قانونی نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ وہ قتل قتل عمد سے کم قرار پا جائے

ہم بیان کر چکے ہیں کہ قتل کے قتل انسان قرار پانے کے لیے

یہ ضروری ہے کہ وہ اشتعال جس کی بنا پر قتل کا فوری ارادہ قایم ہو بہت شدید ہو۔ خالی الفاظ خواہ کتنے ہی توہین آمیز اور دل آزار کیوں نہ ہوں قانون کی نظر میں اتنے شدید نہیں ہیں کہ ان سے یہ نتیجہ پیدا ہو سکے[1] حقیقت یہ ہے کہ اشتعال کی بہت کم شکلیں ایسی ہیں جس میں جسمانی حملے کا دخل نہ ہوا اور وہ باوجود اس کے ایسی شدید تصور کی جائیں کہ اُن کے تحت یہ نتیجہ پیدا ہو سکے۔ ان چند شکلوں میں سے ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ کوئی شوہر اپنی زوجہ[2] کے ساتھ کسی شخص کو زنا کرتے دیکھ لے اور اُس شخص[3] کو وہیں قتل کر ڈالے (لیکن اگر وہ شخص صرف زنا ہی نہ کر رہا ہو بلکہ زنا بالجبر کا ارتکاب کرتا ہو یعنی ایسی صورت ہو کہ زوجہ اس فعل پر راضی نہ ہو تو ممکن ہے کہ شوہر قتل انسان کا بھی مجرم نہ قرار دیا جائے بلکہ اُس کا یہ اقدام جایز قتل تصور کیا جائے)۔ اس کے برخلاف اگر وہ اُس کو عین اس موقع پر قتل نہ کرے بلکہ ایسے وقفے کے بعد قتل کرے جس میں اشتعال فرو ہو سکے تو اس کا یہ فعل

[1] Rex V. Mason (1912), 8Cr. App. R. 121 (گو الفاظ اور تھوک دینے کا فعل مل کر باعث اشتعال ہو سکتے ہیں) لیکن حاشیہ نمبر ۳ مابعد بھی ملاحظہ کیجیے۔ سزا کے تعین میں بہر کیف مقدار اشتعال کا لحاظ کیا جائے گا۔

[2] نہ کہ محض منسوبہ سے، سرکار بنام پامر (۱۹۱۳ء) ۲ کنگس بنچ ۲۹ اور نہ داشتہ سے، سرکار بنام گریننگ (۱۹۱۳) ۳ کنگس بنچ ۸۴۶۔

[3] یا زوجہ کو۔ اور اسی طرح اگر سابقہ واقعۂ زنا کا اقبال کیا جائے اور اس کے لیے جو الفاظ استعمال کیے جائیں وہ ایسے ہوں کہ ایک معمولی آدمی کے دل میں وہی معاندانہ جذبہ پیدا کر سکیں جو اپنی زوجہ کے فعل زنا کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے دیکھیے سرکار بنام پامر (بالا)۔ اور Rex V. Jones (1908), 72 J.P. 215. لیکن زنا کا اس سے کم درجے کا ثبوت کافی نہیں ہے۔ Rex V. Bèrchall (1918), 29 T.L.R. 711, 9 Cr App. R. 91.

قتل عمد سے تعبیر کیا جائے گا

واقعی حملہ بھی کافی طور پر موجب اشتعال نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بہت شدید اور نہایت توہین آمیز[۱] نوعیت کا نہ ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے منھ پر کوئی عورت طمانچہ مار دے تو اس غرض کے لیے یہ اشتعال کافی نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کوئی بھاری لٹھ منھ پر اس طرح کھینچ مارے کہ خون نکل آئے تو یہ کافی تصور کیا جا سکے گا۔[۲] اگر جایز طور پر ضرب لگائی جائے مثلاً یہ کہ اس ذریعے سے کسی تیسرے شخص کو شدید حملے سے بچانا مقصود ہو تو ایسی صورت میں یہ ضرب کافی طور پر موجب اشتعال تصور نہ کی جائے گی۔ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو مارا اس پر اس کے خسر نے اُس کو فوراً ہلاک کر دیا۔ قرار دیا گیا کہ متوفی کا عمل خسر کے لیے کافی اشتعال طبع کا موجب تھا۔[۳] جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگرچہ محض الفاظ بجائے خود کافی شدید اشتعال کا موجب نہیں سمجھے جاتے۔ تاہم اگر اُن کے ساتھ ضرب بھی لگائی جائے تو ضرب کی بنا پر جو اشتعال پیدا ہوگا اُس کا اندازہ کرنے میں الفاظ کا بھی لحاظ کیا جا سکے گا۔ یعنی یہ کہ حملہ اگر خاموشی کے ساتھ کیا جاتا تو اُس میں اتنی اہمیت نہ ہوتی، لیکن جب اس کے ساتھ الفاظ بھی شامل ہوں تو اس اشتعال میں اتنی شدت پیدا ہو جاتی ہے کہ قتل کو قتل انسان کی حد سے متجاوز نہ ہونے دے۔[۴] اگر کسی شخص کو ناجایز طور پر قید یا گرفتار کیا جائے تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور نہ زوجہ کا یہ اقبال کافی ہے کہ اس کا ارادہ زنا کرنے کا تھا۔
Rex V. Ellor (1921) 15 Cr. App. R. 41; 36 T.L.R. 480

[۱] کسی شخص پر تھوک دینے کے متعلق (4 F and F. (1066) کا (8 cr App. R. 121) سے مقابلہ کیجیے۔

[۲] فوسٹر ۲۹۲۔

[۳] Reg. V. Harrington (1866), 10 Cox 870.

[۴] Rex, V. Mason (1912), 8 Cr. App. R. 121.

ظاہر ہے کہ یہ عمل ایسے اشتعال طبع کا موجب ہو سکتا ہے کہ خاص طور پر
وہ شخص جس کو قید یا گرفتار کیا گیا ہو اگر قتل کا ارتکاب کرے تو یہ قتل،
قتل انسان قرار پائے[1] لیکن اُس کی ہمدردی میں اگر کسی دوسرے شخص
کے ہاتھوں قتل واقع ہو تو اُس کی یہ صورت نہ ہوگی۔ چنانچہ اگر وہ لوگ 134
جو نزدیک ہوں اُس کی رہائی کی کوشش کریں اور اس جد و جہد میں
کسی شخص کو ہلاک کر دیں تو وہ قتل عمد کے مجرم قرار پائیں گے[2]
اس کے علاوہ جو اشتعال دلایا جائے اُس میں اور اس برہمی میں
جو اُس کی بنا پر پیدا ہو ایک معقول توازن ہونا چاہیے۔ ایک ٹھوکر
کے جواب میں ایک جان لیوا گھونسہ تو صحیح قرار پا سکتا ہے لیکن
ٹھوکر لگانے والے کو پستول کا نشانہ بنانا ممکن ہے کہ قابل معافی
نہ سمجھا جائے۔

قتل انسان کی ایک عام صورت یہ بھی ہے کہ فوری لڑائی کی وجہ سے
اشتعال طبع پیدا ہو اور اس کی بنا پر قتل واقع ہو جائے۔ چنانچہ اگر
کسی ایسی نزاع کے سلسلے میں جس کا ملزم نے پہلے سے خیال اور
ارادہ نہ کیا ہو لوگ لڑنے لگیں اور اس کے بعد ان میں سے کوئی ایک
جھلا کر دوسرے کے ایک مہلک ضرب لگا دے (چوں کہ جب
لڑائی ہو پڑتی ہے تو دونوں کے مشتعل ہو جانے کے وجوہ پیدا
ہو جاتے ہیں) تو قاتل قتل انسان کا مجرم ہوگا نہ کہ قتل عمد کا۔ چنانچہ
لوگوں کا ایک مجمع ایک فوجی سپاہی کی توہین کرنا چاہتا تھا، سپاہی
تلوار اٹھا کر اس مجمع سے اپنی حفاظت کر رہا تھا۔ اس ہجوم میں سے

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۵۲۹ کتاب ہذا۔ اگر کوئی داشتہ کسی جنسی بیماری کے لگ جانے کا
باعث ہو تو یہ کافی نہیں ہے۔ (ایوری جسٹس۔ اخبار ٹائمس ۶ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء)۔

[2] **Reg V. Allen (1867) Stephen's Dig. Cr. Law. 7 the Ed.,**

note VIII and 17. L. T. (N.S.) 223.

کسی کسی کے یہ سپاہی پیٹ تلوار مار بھی دیتا تھا لیکن آخر کار اُس نے
ان میں سے ایک شخص کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ مار دیا اور اس سے
وہ شخص ہلاک ہوگیا۔ ججوں نے قرار دیا کہ وہ صرف قتل انسان کا
مجرم [1] ہے۔ اسی طرح ایک جھگڑے کے دوران میں ایک شخص نے
دوسرے کو زمین پر دے مارا اور اُس کے پیٹ پر پیر پٹک دیا
جس سے وہ ہلاک ہوگیا۔ قرار دیا گیا کہ اس سے صرف قتل انسان
کے جرم کا ارتکاب ہوا ہے۔ چوں کہ جس حملے کی وجہ سے وہ شخص
زمین پر گرا تھا اس میں اور پیٹ پر پیر کے پٹکنے کے درمیان میں کوئی وقفہ
نہیں گزرا[2]۔ اگر بہر حال جھگڑا کچھ دیر کے لیے دب جائے اور
فریقین میں سے ایک شخص پھر سے اُس کو شروع کرے تو ایسی حالت
میں اگر وہ شخص کوئی قاتلانہ اقدام کرے گا تو عام حالات میں وہ
کسی رعایت کا مستحق نہ ہوگا[3]۔ اگر وہ دوبارہ جنگ کرنے کی غرض سے
یہ وقفہ اپنے آپ کو مسلح کرنے میں صرف کرے تب بھی ظاہر ہے کہ
وہ رعایت کا مستحق نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر دو شخصوں کے درمیان نزاع ہو
135 اور وہ وہاں کا وہیں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک مارا جائے تو
جرم محض قتل انسان ہوگا۔ لیکن اس کے بجائے اگر وہ یہ طے کریں کہ
اگلے دن ایک دوسرے سے نپٹ لیں گے اور اس طرح دوسرے روز
اس لڑائی میں ایک کام آجائے تو قاتل قتل عمد کا مجرم ہوگا[4]۔ جب
کوئی ایسی شہادت موجود ہو جس کی بنا پر جوری قتل عمد[5] کے بجائے

۱؎ Rex, V. Brown (1776). 1 Leach 167 (K.S.C. 112)

۲؎ Rex. V. Ayes, (1810). R.and R. 166 (K.S.C. 113)

۳؎ Rex. V. Hayward (1833), 6 C.and P. 157.

۴؎ Reg. V. Cuddy (1843), 1 C.and K. 210.

Rex, v. Hall (1928), 21 Cr. App. R, 48; 140 L.T, 142.

قتل انسان کی رائے دے سکتی ہو تو گو کہ ملزم کی جانب سے قتل انسان کی حجت نہ بھی پیش کی گئی ہو تب بھی جج کو چاہیے کہ جوری کو اس امکان کی طرف متوجہ کرے[۱]

قتل انسان کی صورتوں میں اشتعال طبع کی بنا پر جو اثرات مترتب ہوتے ہیں اُن کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ شدید اشتعال کی صورت میں قتل، قتل انسان شمار ہوتا ہے، چاہے اس کا ارتکاب کسی ایسے خطرناک آلے سے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو جس سے ہلاکت واقع ہو جانے کا احتمال ہو (مثلاً موسل) لیکن خفیف اشتعال کی صورت میں اگر کسی خطرناک آلے سے قتل واقع ہو تو یہ قتل، قتل عمد شمار کیا جائے گا۔ اور اگر کسی ایسے آلے سے ہلاکت واقع ہو جائے جس کے متعلق یہ احتمال ہو کہ اُس سے محض زخم پیدا ہو جائے گا (مثلاً ڈنڈا) تو ملزم قتل انسان کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اگر مہلک ضرب ناجایز طور پر لگائی گئی ہو تو اشتعال طبع کی وجہ سے وہ قتل اتفاقی حادثہ نہ سمجھا جائے گا لیکن اگر وہ ضرب جایز طور پر مثلاً حفاظت خود اختیاری کے تحت لگائی گئی ہو تو ایسی صورت میں وہ قتل اتفاقی حادثہ شمار کیا جا سکے گا۔

(ب) غیر ارادی قتل انسان۔ جب کوئی شخص کوئی ناجایز عمل کر رہا ہو اور اس حالت میں وہ کسی شخص کو ہلاک کر دے لیکن اُس کا ارادہ کسی شخص کو ہلاک کرنے کا بلکہ کسی کو اذیت پہنچانے کا بھی نہ ہو تو اُس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ وہ غیر ارادی طور پر قتل انسان کا مرتکب ہوا۔ یہ امر تین طرح واقع ہو سکتا ہے۔

(۱) وہ کوئی ایسا عمل کر رہا ہو جو فی نفسہ ناجایز ہو[۲]

---

[۱] Rex. V. Thorpe (1925), 89. J.P. 143; 18 Cr. App. R. 189.

[۲] خواہ نتیجۃً ہلاکت اتنی خلاف قیاس ہو کہ اُس کی توقع نہ کی جا سکتی ہو۔ سرکار بنام ساسن (اخبار ٹائمس مورخہ ۱۰ ارمئی سنہ ۱۹۲۰ء) میں ایک ایسے شخص کو قتل انسان کا مجرم قرار دیا گیا جس نے ایک عورت پر ناجایز عمل جراحی کیا اور اس طرح اُس کی موت کا

136 (یہ عمل اس حد تک ناجایز ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اس کا شمار جرایم کبیرہ میں ہو جائے کیوں کہ ایسی حالت میں وہ قتل، قتل انسان نہ ہوگا بلکہ قتل عمد ہو جائے گا[1]) کہا یہ جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی ناجایز عمل کی وجہ سے کسی کی ہلاکت کا باعث ہو تو وہ قتل انسان کا مرتکب سمجھا جائے گا[2]۔
اور اس کلیے کا اطلاق اُن صورتوں پر بھی کیا گیا ہے جہاں وہ ناجایز عمل جس کی وجہ سے اتفاقی طور پر ہلاکت واقع ہوئی محض ایک دیوانی خلاف ورزی (ٹارٹ) ہی ہو۔ لیکن زیادہ مستند رائے یہی ہے کہ یہ اصول ایسی دیوانی خلاف ورزیوں تک محدود ہے جن سے کسی ضرر جسمانی کے پہنچنے کا احتمال ہو۔ جسٹس فیلڈ اور جسٹس میتھیو نے سرکار بنام فرینکلن[3] (۱۸۸۳ء) میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔ لیکن مسٹر جسٹس اسٹیفن[4] اسی پرانے اصول پر قایم رہے کہ اس غرض کے لیے ہر دیوانی خلاف ورزی (ٹارٹ) کافی ہے خواہ اس میں کسی خطرے کا بھی شائبہ نہ معلوم ہوتا ہو۔
یہ کلیہ کہ اگر کسی خلاف قانون عمل کی وجہ سے ہلاکت واقع ہو تو

لقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ باعث ہوا تھا۔ عورت کی موت ایک ایسے اعصابی صدمے سے واقع ہوئی تھی کہ اس کے متعلق تین ماہر زچگی کرانے والوں نے یہ بیان کیا تھا کہ ہم کو کوئی ایسا واقعہ نہیں معلوم جس میں ایسے صدمے سے موت واقع ہوئی ہو۔ لیکن جسٹس شیرمین نے یہ حکم دیا کہ خواہ نتیجۃً ہلاکت کتنی ہی خلاف قیاس ہو اگر وہ فعل جس کی وجہ سے ہلاکت واقع ہوئی ہو ناجایز ہو تو جرم قتل انسان تصور کیا جائے گا۔ اس سے 21 Cox 693 کا مقابلہ کیجیے۔

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۵۹ کتاب ہذا۔

[2] ڈائجسٹ آف کریمنل لا، ساتواں ایڈیشن فصل ۳۱۴ مرتبہ اسٹیفن۔

[3] 15 Cox 163 (K.S.C. 118). cf. 22 Cr. App. R. 70.

[4] ڈائجسٹ آف کریمنل لا، ساتواں ایڈیشن فصول ۲۹۴ اور ۳۱۴۔

اس کا شمار قتل انسان میں کیا جائے گا غالباً ان افعال تک محدود رہنا چاہیے (خواہ وہ مجرمانہ ہی کیوں نہ ہوں) جن میں ضرر جسمانی کا ظاہر بظاہر خطرہ موجود ہو۔ اس کلیے کی تائید میں جتنے نظایر پیش کیے جاتے ہیں ان سب میں جسمانی ضرر کا خطرہ شامل تھا اور یہ نظریہ کہ کسی جرم صغیر کی وجہ سے موت واقع ہو تو اس کا شمار لازمی طور پر قتل انسان میں ہوگا، ان نظایر سے مطابق نہیں ہوتا جو ججوں نے قتل انسان کے ان مقدمات میں قایم کیے ہیں جو موٹروں سے متعلق ہیں اور جن میں ہمیشہ مجرمانہ غفلت کا ثابت کرنا لازم ہوتا ہے[1]

(۲) وہ ناجایز طور پر کسی ایسے کام کو انجام نہ دے جس کو انجام دینا قانوناً اس کے فرض منصبی میں داخل ہو اور جس کو انجام نہ دینے سے ضرر جسمانی کے پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ اگر ریل کا کوئی مسافر اس وجہ سے ہلاک ہو جائے کہ پوائنٹس مین پڑ کر سو گیا اور پٹری بدلنا بھول گیا تو وہ پوائنٹس مین قتل انسان کا مجرم قرار دیا جائے گا (لیکن اگر وہ بالقصد پٹری نہ بدلے تو قتل عمد کا مجرم ہوگا)۔ کوئلے کی ایک کان میں ایک انجن ڈرائیور نے ایک اسٹیم انجن ایک ناواقف لڑکے کے سپرد کر دیا۔ اس لڑکے کی ناتجربہ کاری سے ایک مزدور ہلاک ہو گیا۔ انجن ڈرائیور قتل انسان کا مجرم قرار دیا گیا۔[2] لیکن یہ ضرور ہے کہ فروگزاشت میں اور اس ہلاکت میں جو اس فروگزاشت کا نتیجہ ہو بہت زیادہ دور کا تعلق نہ ہونا چاہیے[3] 187

---

[1] جے۔ ڈبلو۔ سی۔ ٹرنر کا مقالہ (Mens Rea and Motorists) کیمبرج لا جرنل حصہ پنجم صفحہ ۶۱ پر ملاحظہ کیجیے۔ اور کتاب ہذا کا صفحہ ۳۹ بھی ملاحظہ کیجیے

[2] Reg, V. Lowe (1850), 3 C. and K. 123 (K.S.C. 132)

[3] Reg. V. Hilton (1838), 2 Law 214 (K.S.C. 133); Reg. V. Recs (1886), C.C.C. Sessions Papers, CIV (K.S.C; 133)

متذکرہ صدر مثالوں میں بعض خاص حالات کی وجہ سے مخصوص اشخاص پر یہ قانونی فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ کچھ کام انجام دیں چوں کہ انھوں نے اپنے اوپر کچھ فرائض کو لازم کر لیا تھا[1]۔ فرائض عموماً اسی طرح وجود میں آتے ہیں۔ لیکن سماج پر بحیثیت مجموعی شاذ و نادر طور پر کوئی قانونی فریضہ ہوتا ہے البتہ منفی فرائض یعنی یہ کہ وہ بعض افعال کے ارتکاب سے اجتناب کریں ضرور ہوتے ہیں۔ "مجھ پر کوئی قانونی ذمہ داری اس امر کی نہیں ہے کہ میں کسی اجنبی شخص کی حفاظت کروں۔ اگر کوئی شخص میری حفاظت اور سپردگی میں نہ ہو اور میں یہ دیکھوں کہ وہ زہر کا گلاس پینے کو اٹھا رہا ہے تو اگر میں اُس کو نہ روکوں تو کسی جرم کا مجرم نہ ہوں گا[2]" یا یہ کہ کوئی اندھا شخص کسی پہاڑی کے سرے کی طرف جا رہا ہو اور میں اس کو نہ روکوں تب بھی میرے سر کوئی ذمہ داری نہ ہو گی۔ لیکن خود قانون ایک خاص طبقے پر کچھ مثبت فرائض یعنی کچھ کام انجام دینے کے فرائض عاید کر دیتا ہے۔

[1] خواہ وہ ایسا فرض ہو جو محض ایسے معاہدے کی بنا پر پیدا ہوا (جیسے مثلاً سگنل والے شخص کو اجرت پر مقرر کرنا) جس کا شخص مہلوک فریق نہ ہو تب بھی کافی ہے اتنا کافی ہے کہ اس معاہدے کی غرض حفاظت جان ہو ——— دیکھیے 11 Cox 210, 16 Cox (710. 19 T.L.R. 37). علاوہ ازیں غفلت کے متعلق (Beven) کی تصنیف کا صفحہ ۸ ملاحظہ ہو۔

کامن لا کے تحت برطانی جہاز کے کپتان کا یہ فرض تھا کہ اگر اس کے جہاز کے ملاحوں یا مسافروں میں سے کوئی شخص جہاز پر سے گر جائے تو اس کو بچانے کی کوشش کرے لیکن Maritime Conventions Act 1911) کی دفعہ ۶ کے ذریعے سے اُس کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ سمندر میں کسی شخص کی جان بھی خطرے میں ہو خواہ وہ شخص دشمن ملک کا باشندہ ہی کیوں نہ ہو، وہ اُس کو بچانے کی کوشش کرے۔

[2] جسٹس ہاکنس نے سرکار بنام ہین میں تحریر کیا ہے (اخبار ٹائمس مورخہ ۲۵ فروری ۱۸۸۰ء)

چنانچہ والدین اپنی اولاد کی خبر گیری کے ذمہ دار ہیں[1] اور اسی بنا پر اگر والدین غفلت کریں اور بچے کے لیے کافی غذا یا لباس مہیا نہ کریں اور اس کی وجہ سے بچہ ہلاک ہو جائے یا ان کی غفلت اس کی موت میں تعجیل کا باعث ہو جائے تو والدین قتل انسان کے مجرم قرار دیے جائیں گے۔

والدین پر ذمہ داری عاید کرنے کے لیے ان کی کسی حد تک غفلت کا ہونا کافی نہیں ہے۔ اس غفلت کے ساتھ ساتھ ضرر کے احتمال کی جانب بے اعتنائی اور لاپروائی کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ البتہ اگر بد اندیشی اس حد تک پہنچ جائے کہ والدین کا منشا یہ ہو کہ بچہ بھوک سے ہلاک ہو جائے یا صرف یہ کہ اس کو شدید جسمانی ضرر پہنچ جائے تو وہ قتل انسان کے مجرم نہ ہوں گے بلکہ قتل عمد کے مجرم قرار پائیں گے (سرکار بنام گبنس اینڈ پراکٹر ۱۹۱۸ء[2])۔ کامن لا کے تحت یہ عذر کافی سمجھا جاتا تھا کہ والدین میں اتنی مقدرت نہ تھی کہ وہ بچے کے لیے ضروری سامان مہیا کر سکتے۔ لیکن اب قانون اطفال اور اشخاص نو عمر ۱۹۳۳ء کی رو سے بے استطاعتی کی وجہ سے بچے کو غذا، لباس، طبی امداد یا رہائش مہیا نہ کرنا اس وقت تک قابل معافی نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ قانون افلاس (Poor Law) کے کارکنوں کی طرف رجوع نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ اگر انھوں نے بچے کو طبی امداد بہم پہنچانے میں بالارادہ فروگذاشت کی ہو اور اس کی وجہ سے بچے کی موت واقع ہو جائے یا اس کا جلد خاتمہ ہو جائے تو والدین قتل انسان کے مجرم ہوں گے (دوا کے استعمال سے اگر مذہبی اسباب

---

[1] پیدائش کے بعد سے، نہ کہ پہلے سے — Rex, v. Zood (1904), 20 Cox 620
لیکن صفحہ ۱۴۳ کتاب ہذا بھی دیکھیے۔

[2] 13 Cr. App. R. 134.

کی بنا پر یا کسی اور احتیاط کی بنا پر گریز کیا گیا ہو تب بھی صورت حال بدستور رہے گی[۱]) غفلت کی بنا پر ذمہ داری والدین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اگر کوئی بالغ شخص جایز یا ناجایز کسی طور سے کسی ایسے شخص کی نگہداشت اپنے ذمے لے لے جو کم سنی یا ضعف کی وجہ سے لاچار ہو[۲] اور اس کی ایسی مذموم نوعیت کی[۳] غفلت کی وجہ سے وہ ہلاک ہو جائے تو یہ شخص بھی اسی طرح قتل انسان کا مجرم قرار پائے گا اور اگر اس کو احتمال ہو کہ یہ غفلت اس شخص کے لیے مہلک ثابت ہو جائے گی تو وہ قتل عمد کا بھی مجرم قرار پا سکتا ہے۔ اسی اصول پر اگر ایک معالج مریض کا واقعی طور پر علاج شروع کرنے کے بعد (محض طلبی پر نہیں) مذموم نوعیت کی غفلت برتے اور مریض اس غفلت کی بنا پر ہلاک ہو جائے تو ایسا معالج قتل انسان کا مجرم ہو گا[۴]

132 لیکن غفلت اس حد کی نہ ہونا چاہیے جس کو محض خطا کہا جائے بلکہ اس کو مجرمانہ ہونا چاہیے۔ یہ ثابت کرنا کافی نہیں ہے کہ رائے غلط قایم کی گئی اور نہ اس حد کی لاپرواہی کا ثابت کرنا کافی ہوگا جو غفلت کی بنا پر ہرجے کی دیوانی نالش کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے[۵]۔

۱؎ Reg. V. Senior (1899) 1 Q.B. 283

۲؎ Reg. V. Instan, (1893) 1 Q.B. 450.Rex. V. Chattaway (1922), 17 Cr. App. R. 7.

۳؎ مذموم نوعیت کی (Wicked)، اور شدید (Gross) وغیرہ الفاظ پر جے۔ ڈبلیو۔ سی۔ ٹرنر نے کیمبرج لا جرنل نمبر ۱ صفحہ ۷۲ پر اعتراض کیا ہے صفحہ ۱۳۹ کتاب ہٰذا بھی دیکھیے اور ان الفاظ کے معانی کی تشریح کے لیے صفحہ ۴۳ کتاب ہٰذا ملاحظہ کیجیے۔

۴؎ معالج کی عام فوجداری ذمہ داری کے متعلق دیکھیے (Rex. V. Bateman (1925), 41 T.L.R. 557; 19 Cr App R. 8.

۵؎ ۱۹۱۲ء تک فرانسیسی قانون میں یہ امتیاز کیا جاتا تھا لیکن اب مجرمانہ غفلت اور دیوانی غفلت میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔

چوں کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب موٹر چلانے والوں پر بربنائے غفلت دیوانی نالش کی جاتی ہے تو فیصلہ عموماً اُن کے خلاف ہوتا ہے لیکن جب قتل انسان کے الزام میں اُن کے خلاف فوجداری کارروائی کی جاتی ہے تو شاذونادر طور پر اُن کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے۔ غفلت مذموم نوعیت کی ہونا چاہیئے[1]۔ یعنی یہ کہ دوسرے لوگوں کی جان اور حفاظت کی طرف سے ایسی بے اعتنائی برتی جائے کہ اس کی بنا پر غفلت برتنے والا سزا کا مستحق ہو۔ تاہم ان حدود کے درمیان یہ نازک امتیاز جوری کو قائم کرنا ہوتا ہے[2]۔ جج کو نہیں (البتہ اگر اس کا

---

[1] Reg. V. Finney (1874) 12 Cox 625 (K.S.C. 120)

Rex. V. Bateman Reg. V. Finney Reg. V. Jones 1874 , (12 Cox) 628 (K.S.C. 120)

[2] تاہم مجمل الفاظ میں اس امتیاز کا قایم کرنا ممکن نہیں ہے، متضاد مثالوں کی مدد سے اس کی وضاحت کی جاسکتی ہے۔ موٹر چلانے والوں پر ہلاکت کا باعث ہونے کی بنا پر ایسے حالات میں سزا دینے کی تجویز کی گئی جب کہ وہ سڑک کی غلط سمت کے ایک خطرناک زاویے پر بغیر ہارن بجائے پہنچ جائیں یا اکسفورڈ اسٹریٹ پر دن کے بجے دن کو ۱۶ میل فی گھنٹے کی رفتار سے موٹر چلائیں (C.C.C. Sess. Pap) (CXLVII, 677) یا دیہات کی ایسی سڑک پر جو برف کی وجہ سے پھسلواں ہو رہی تھی پچیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے موٹر چلائیں (CLII, 340) یا سڑک کی غلط سمت پر ایک ایسی ٹرام کار سے آگے بڑھ جانے کے لیے جو موٹر چلانے والے کے سامنے کے رخ پر لمبائی میں کھڑی ہوئی تھی (CLVIII, 88) اور اسی طرح ایک مخمور گھوڑا گاڑی ہانکنے والے کے لیے سزا کی تجویز کی گئی جو سڑک کی غلط سمت پر گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا ہوا ٹرانجن کی رفتار سے لارہا تھا (CLIV, 386) لیکن جسٹس رڈلے نے یہ قرار دیا کہ ٹریفک کی قطار سے نکل کر غلط سمت کی جانب موٹر لے جانے سے ہلاکت کا باعث ہونا ایسی غفلت نہیں سمجھا جاتا کہ موٹر چلانے والے کو

یہ خیال ہو کہ مجرمانہ حد کے ثبوت میں قطعاً کوئی شہادت موجود نہیں ہے
تو یہ کام جج کا ہوگا)۔ مجرمانہ غفلت' کی اصطلاح کے متعلق ایک مصنف کا
یہ قول بالکل صحیح ہے[1] کہ اس سے کوئی خاص مدد نہیں ملتی۔ جوری کو
یہ ہدایت دینا کہ ملزم کے مجرم ہونے کے لیے یہ لازم ہے کہ
اُس کی طرف سے جو غفلت برتی گئی ہے وہ غفلت مجرمانہ ہو تو اُس کے
یہ معنی ہوں گے کہ جوری سے یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر اُن کی رائے
یہ ہو کہ ملزم نے جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اُس کی غفلت'
غفلت مجرمانہ ہے۔[2]

۱۴۰ تاہم کوئی شخص خواہ کتنی ہی زیادہ غفلت سے کام لے، اگر وہ
پوری کوشش کے باوجود اس موت میں کوئی فرق یا تاخیر پیدا
نہ کرسکتا تھا[3] تو ایسی حالت میں وہ ذمہ دار نہ قرار دیا جائے گا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ قتل انسان کا مجرم قرار دیا جائے (CXLIX, 314) یا یہ کہ
فیصلہ کی غلطی کی بنا پر کوئی شخص یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ اُس کا اسٹیرنگ گیر خراب
ہو چکا ہے موٹر چلاتا رہے (CXLIX, 232) موٹر کار کی رفتار لازمی طور پر
مجرمانہ غفلت کی شہادت نہیں ہو سکتی۔
(Rex. V. Rose (1928), 20 Cr. App. R. 164)

[1] جے ڈبلو۔ سی۔ ٹرنر کیمبرج لا جرنل ۷ صفحہ ۴۳۔

[2] مسٹر ٹرنر کا خیال ہے کہ قتل انسان کی تمام صورتوں میں معیار یہ ہونا چاہیے کہ: آیا ملزم کا طرز عمل ایسا تھا کہ اس کے متعلق یہ تصور کرنا چاہیے کہ اس کی نیت کسی شخص کو جسمانی ضرر پہنچانے کی تھی یا یہ کہ اپنے طرز عمل سے اُس نے کسی شخص کے لیے جو واضح خطرہ پیدا کر دیا تھا اس کے متعلق اُس نے لاپروائی یا بے اعتنائی برتی۔ یہ معیار ایسا ہے کہ قتل انسان کی جملہ صورتوں پر جو ترک فعل کی بنا پر واقع ہوں و غالباً نیز اُن صورتوں پر بھی جو کسی ناجائز فعل کے کرنے کی وجہ سے واقع ہوں حاوی ہے۔ (صفحہ ۱۳۶ کتاب ہذا)۔

[3] (Reg. V. Dalloway (1847), 2 Cox 273 (K. S. C. 134)

اس کے برخلاف فوجداری مقدمات میں "امدادی غفلت" کی صفائی
قابل قبول نہیں ہوتی۔ حالاں کہ دیوانی مقدمات میں یہ عذر قبول
کیا جاتا ہے جیسے مثلاً کوئی پیدل چلنے والا شخص گھبراہٹ میں
کرایے کی موٹروں کے اڈے کے بالکل سامنے آکھڑا ہو۔ لیکن
یہ ضرور ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ ملزم کی غفلت اس موت کا
سبب تھی۔[1] اور جیسا کہ قتل عمد میں ہوتا ہے وہ موت بھی ایک سال
اور ایک دن کے درمیان واقع ہو جانا چاہیے۔[2]

(۳) یہ ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہا ہو جو اپنی نوعیت
کے لحاظ سے بالکل جائز ہو، لیکن اس کو ایسی لاپروائی[3] کے ساتھ

---

[1] ملاحظہ ہوں صفحات ۱۴۹-۱۵۰ کتاب ہذا۔

[2] ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ کتاب ہذا۔

[3] یعنی خباثت آمیز غفلت کے ساتھ۔ ضروری شہادت کے متعلق آئرلینڈ میں
یہ قرار دیا گیا ہے (Reg. V. Carvendish (1873) 8 Ir. C. L. 178)
اور آسٹریلیا کے ہائی کورٹ نے اس کی توثیق کی ہے (27. C. L. R. 160)
کہ غفلت کے ساتھ گاڑی چلانے کا الزام قائم ہونے پر اگر محض اس امر کا ثبوت
بہم پہنچ جائے کہ ملزم کے فعل سے ہلاکت واقع ہوئی ہے تو اس سے یہ قیاس
قائم ہوتا ہے کہ وہ ہلاکت خلاف قانون طریقے پر ہوئی ہے اور اس طرح غفلت
کی تردید کا بار ثبوت ملزم کے دوش پر آجاتا ہے (مقابلہ کیجیے صفحہ ۱۶۰ کتاب ہذا
قتل عمد کا کلیہ)۔ لیکن آئرلینڈ کی اس نظیر پر اعتراضات ہوئے ہیں اور براہ راست
جبر کا ارتکاب ہونے کی صورتوں میں اس کا اطلاق ہو سکتا ہے
(Reg. V. Elliott (1889), 16 Cox 710) علاوہ ازیں (صفحہ ۱۶۰ کتاب ہذا)
اثبات جرم کا بار ہمیشہ مدعی پر ہوتا ہے اور اگر اس شہادت سے جو مدعی یا ملزم
کسی کی طرف سے پیش کی جائے کوئی معقول شبہہ پیدا ہو جائے تو ملزم کو بری
ہونا چاہیے۔ یہ واقعہ کہ موٹر کار فٹ پاتھ پر تھی مجرمانہ غفلت کی شہادت

انجام دے رہا ہو کہ اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ اُس کو ناجایز طور پر[1]
انجام دے رہا تھا۔ مثلاً کوئی شخص گھروں کے بالکل قریب رائفل
کی چاند ماری کرے، اسکول کی لڑکی اپنے مرغوب شاعر کی نظمیں
سیکل پر بیٹھ کر پڑھتی جائے، یا کوئی شخص کرسی کو بلا وجہ بطور مشغلہ
ادھر سے اُدھر جھلانے لگے۔ اگر کسی ایسے بچے کو جو تمھاری نگرانی
اور تربیت میں ہو تم سزا دو اور وہ ہلاک ہو جائے تو (الف) اگر
سزا کی مقدار معقول حد سے متجاوز ہوا ور آلۂ تنبیہ نامناسب نہ ہو تو
قتل انسان کا جرم عاید ہو گا۔ لیکن (ب) اگر آلۂ تنبیہ اور مقدار سزا
141 دونوں مناسب ہوں تو اتفاقی حادثہ شمار کیا جائے گا۔ اور اگر
(ج) آلۂ سزا بالکل نامناسب ہو تو قتل عمد کا جرم عاید ہو گا۔ اسی طرح
اگر کوئی مزدور مکان کی چھت پر سے کوڑا پھینک رہا ہو اور کوئی شخص
اس سے ہلاک ہو جائے حالاں کہ مزدور کا قصد کسی کو گزند پہنچانے کا
نہ ہو، تب بھی یہی تین صورتیں ہوں گی۔ (الف) اگر یہ واقعہ کسی گاؤں
میں پیش آئے اور مزدور نے وہ سامان پھینکتے وقت آواز بھی
لگا دی ہو کہ وہ سامان پھینک رہا ہے تو یہ اتفاقی حادثہ شمار کیا جائے گا۔
لیکن (ب) اگر یہ گاؤں کا واقعہ ہو لیکن مزدور نے آواز نہ لگائی ہو تو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سمجھا جائے گا لیکن اس کی تردید اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ ثابت
کیا جائے کہ مشین کے خراب ہو جانے کی وجہ سے موٹر وہاں پہنچ گئی۔ یا یہ کہ سڑک پر تصادم کا
فوری خطرہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا، یا محض یہ کہ تصادم کا پورا خطرہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے
موٹر چلانے والے کے حواس باختہ ہو گئے اس لیے موٹر بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔
[1] اس سے قبل جو معیار پیش کیا گیا ہے اگر وہ اختیار کیا جاتا تو اس کے تحت یہ صورتیں
بھی آجاتیں اور ان کو قتل انسان بربنائے غفلت نہ تصور کیا جاتا بلکہ ان کو ایسے افعال
کے ذریعے سے قتل انسان واقع ہونے کی صورتیں سمجھا جاتا جن کے متعلق ملزم لازماً
یہ سمجھتا تھا کہ ان سے ضرر جسمانی پہنچنے کا احتمال ہے۔

یہ قتل انسان قرار دیا جائے گا، یا یہ کہ کسی شہر میں یہ صورت پیش آئے اور مزدور محض آواز دے دینے پر اکتفا کرے مزید احتیاط یہ برتے کہ خود دیکھ بھی لے تب بھی قتل انسان سمجھا جائے گا۔ اور (ج) اگر یہ واقعہ شہر میں پیش آئے اور مزدور اتنی سی بے احتیاطی برتے کہ آواز لگانے کی زحمت بھی نہ اٹھائے تو یہ قتل عمد شمار ہوگا[۱]۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ہم مشرب دوست اُس کو بہ اصرار زیادہ شراب پلا دیں اور اس کی وجہ سے یہ شخص ہلاک ہو جائے تو اُن کی ذمہ داری اس وجہ تحریک کے اعتبار سے معین ہوگی جس کے تحت انھوں نے اُس کو شراب پلائی تھی۔ اگر محض بے خیالی میں آپس کی مدارات کے طور پر اصرار کیا گیا ہو تو موت اتفاقی حادثے کے تحت محسوب ہوگی۔ اگر سمجھ بوجھ کر دل لگی سے یہ عمل کیا گیا ہو تو وہ ہلاکت کم از کم قتل انسان شمار کی جائے گی[۲]۔ اور اگر شراب کی بہت ہی زیادہ مقدار پلا دی گئی ہو یا یہ کہ اُس کو ہلاک کرنے کی خواہش ہو[۳] تو یہ قتل عمد قرار دیا جائے گا[۴]۔ ایک شخص پر باوجود پوری پوری احتیاط برتنے کے بھی مجرمانہ غفلت کا الزام عاید ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر وہ کسی ماہر فن کے کرنے کا کام خود انجام دینے لگے مثلاً یہ کہ کوئی کاشتکار شخص ملاح یا جراح کا کام کرنے لگے تو اُس پر لازم ہوگا کہ وہ ایسی مہارت کے ساتھ کام انجام دے جو ایک ماہر فن میں ہوتی ہے۔

قتل انسان کے متعلق اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ اس میں تمام جرایم سے زیادہ لچک ہے۔

۱؎ (Archbold, 28th ed. P. 909)

۲؎ (Rex v. Martin (1827), 3 C and P. 211 (K. S. C. 137)

۳؎ (Reg. V. Paine. C. C. C. Sess. Pap. XCI, 537-592; The Times Feb. 25, 1880.

۴؎ (Reg v. Packard (1842), C. and M. 236 (K. S. C. 137)

وجہ یہ ہے کہ زبوں عملی کی وہ مقدار جس پر یہ حاوی سمجھا جاتا ہے قتل عمد کی سرحد سے شروع ہو کر قابل معافی قتل کی سرحد سے جا ملتی ہے۔ اس کی سزا[1] تا حیات یا کم از کم تین سال تک عوارض تعزیری کا عاید رہنا یا زیادہ سے زیادہ دو سال کی قید یا جرمانہ ہے[2]۔ مفتشین اموات کا ۱۰۶
بیان ہے کہ انگلستان میں قتل انسان کے واقعات سالانہ کچھ کم ستر ہوتے ہیں اور قتل عمد ڈیڑھ سو سے کچھ زاید، لیکن قابل معافی قتل (یہ استثنائے سزائے موت) صرف پانچ ہوتے ہیں اور تقریباً چار ہزار خودکشی کے واقعات ہوتے ہیں (ان میں مجنونانہ اور غیر مجنونانہ دونوں شامل ہیں)۔

III طفل کشی۔ یہ جدید جرم کبیر قانون طفل کشی سنہ ۱۹۲۲ء (Infanticide Act. 1922) کے ذریعے سے معرض وجود میں آیا ہے۔

سنہ ۱۹۰۵ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک سترہ سال کے زمانے میں طفل کشی کے جرم میں ساٹھ عورتوں کو سزائے موت کا حکم دیا گیا، لیکن ان میں سے انسٹھ کے لیے یہ سزا دوسری سزا میں تبدیل کر دی گئی۔ اصول اور عمل کے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے سنہ ۱۹۲۲ء کے قانون کے ذریعے سے یہ منظور کیا گیا ہے کہ جب کوئی عورت اپنے بالارادہ فعل یا ترک فعل کے ذریعے سے اپنے نومولود بچے کو ہلاک کر دے لیکن ایسے وقت کہ وہ اس بچے کی زچگی کے اثرات سے پورے طور پر شفایاب نہ ہوئی ہو اور اس وجہ سے اس کے دماغ کا توازن قائم نہ ہو تو وہ

---

[1] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۵۔ غیر ارادی قتل انسان کی اوسط سزا عام طور پر چھ ماہ کی قید مشہور ہے۔

[2] جسٹس پیٹرسن نے ایک ایسے قتل انسان کے واقعے کی بنا پر جو مجاربے کی وجہ سے معرض وجود میں آیا تھا ایک مرتبہ محض ایک شلنگ کی سزا تجویز کی تھی۔ (اخبار ٹائمس مورخہ ۹ اگست سنہ ۱۹۳۵ء)۔

طفل کشی کی مجرم قرار دی جائے گی، اور اُس کو اس طرح سزا دی جائے گی گویا کہ وہ قتل انسان کی مجرم ہے حالاں کہ اگر یہ قانون وضع نہ کیا جاتا تو وہ قتل عمد کی مجرم قرار دی جاتی۔ اگر اس پر بچے کے قتل عمد کا مقدمہ قایم کیا جائے تو جوری کو اختیار حاصل ہے کہ قتل عمد کے بجائے وہ اُس کو طفل کشی کا مجرم قرار دے۔ اور اگر طفل کشی کا مقدمہ قایم ہو تو وہ اُس کو اخفائے ولادت یا (بشرطیکہ اُس کی عمر ۱۶ سال سے زاید ہو) قانون اطفال اور اشخاص کم سن ۱۹۳۳ء کی دفعہ ۱ کے تحت بے رحمی کا مجرم قرار دے۔

لہٰذا جس وقت اُس نے یہ فعل کیا وہ اس وقت کسی حد تک ضرور ذمہ دار تصور کی گئی حالاں کہ اُس کے دماغ کا توازن اس حد تک خراب تھا کہ ایسے شخص کی طرح جو شدید اشتعال طبع کی حالت میں کسی کو ہلاک کر دے اُس کو بھی اپنے حواس پر پورا قابو حاصل نہ تھا۔ ایک ایسے مقدمے میں جس کی روداد ملزمہ کے بہت خلاف تھی اور اُس نے حقیقۃً بچے کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تھا جسٹس ایووری نے نو ماہ کی قید کا حکم صادر کیا تھا۔

اس قانون میں بدقسمتی سے 'نوزائیدہ' کی کوئی تعریف موجود
نہیں ہے۔ زچگی کرانے والے سولہ دن سے کم کے بچوں کو 'نوزائیدہ' 143
کہتے ہیں (لیگل میڈیسن صفحہ ۱۲۳ مصنفہ گلیسٹر) اور سرکار بنام اوڈانا گھیو [لہ] (۱۹۲۷ء) میں کورٹ آف کریمنل اپیل نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر یہ طے کیا جائے کہ ایسی کوئی شہادت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر جوری یہ قرار دے سکے کہ ایک ماہ کے سن کا بچہ نوزائیدہ بچہ ہے، تو اس میں کوئی قانونی فرد گزاشت نہیں ہے۔

IV بچے کا ضایع کر دینا۔ جنین کا ہلاک کر دینا یعنی ایک

لہ (44. T. L. R. 51)

غیر زائیدہ بچے کو ضایع کر دینے کا عمل اگر ماں کی طرف سے ہوتا تھا تو ۱۹۲۹ء تک نہ قتل عمد کی حیثیت سے قابل سزا تھا نہ طفل کشی کی حیثیت سے۔ جو بچہ پیدا ہونے سے پہلے یا دوران ولادت میں مرجائے تو اس کا قتل عمد نہیں ہوسکتا[1]۔ قتل عمد صرف اُس بچے کا ہوسکتا ہے جو پیدا ہوچکا ہو۔ و نیز یہ کہ زندہ پیدا ہو۔ قانون فوجداری و نیز قانون متعلقہ جائداد کی اغراض کے لیے مثلاً جایداد کا مالک بننے کے واسطے اور اس طرح جدید ورثا کی طرف منتقل کرنے کے لیے یا باپ کو اس قابل بنانے کے لیے کہ وہ ماں کی جایداد غیر منقولہ میں حق حین حیاتی پیدا کرسکے۔ محض پیدائش کے یہ معنی ہیں کہ بچہ ماں کے جسم سے باہر آجائے، یعنی اس دُنیا میں آجائے۔ اگر اس کا ایک پیر بھی باہر نہ آیا ہو تو قتل عمد کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ تولید مکمل ہونا چاہیے اور بچے کا پورا جسم اس دُنیا میں آجانا چاہیے[2]۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ آنول بھی جدا کی جاچکی ہو[3]۔ اور زندہ پیدا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ بچہ ماں کے جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی زندہ ہو لہٰذا اسی بات کا واقعی طور پر ثبوت بہم پہنچنا چاہیے کہ جان اس وقت بھی موجود تھی۔ یہ شہادت

[1] قانون موضوعہ (۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۵۸) کی رو سے ایسے ذرایع کا استعمال کرنا جس سے حمل ساقط ہوجائے جرم کبیر ہے اور اس کی بنا پر تاحیات عوارض تعزیری عاید کیے جاسکتے ہیں۔

[2] (Rex. V. Poulton, (1832), 5c. and P. 330)

[3] (Reg. V. Reeves (1839), 9c and P. 25.)

"جداگانہ وجود" اور "بے تعلقی کے ساتھ اپنا مستقل دوران خون" ایسے مبہم الفاظ ہیں کہ مختلف ڈاکٹر ان کے مختلف معنی لیتے ہیں لہٰذا اُن سے گریز کرنا چاہیے۔ ان الفاظ کا استعمال کرنا آسان ہے لیکن ان کی تشریح کرنا بہت دشوار ہوجاتا ہے

(20 L. Q. R. 142-5)

اِس امر سے مل سکتی ہے کہ ماں کے جسم سے باہر آنے کے بعد بچہ رویا،
یا اُس نے سانس لیا، یا اُس کی نبض چلی، یا اُس نے حرکت کی۔ لیکن
یہ لازم نہیں ہے کہ بچہ جب تک ماں کے جسم سے علیحدہ نہ ہو جائے 144
یا جب تک کہ وہ سانس نہ لے سکے، زندہ ہی رہے۔ چوں کہ یہ ممکن ہے کہ
بچہ پورے طور پر باہر آنے کے کچھ دیر بعد تک سانس نہ لے (حالاں کہ
اس کے خلاف بچے پورے طور سے باہر آنے سے قبل بعض اوقات
سانس لینے لگتے ہیں بلکہ رونے بھی لگتے ہیں)۔ سنہ ۱۸۹۳ء میں
مجلس وضع قوانین کی مقرر کردہ ایک کمیٹی نے مفتش اموات کی
جوری کی ایک نہایت "دانشمندانہ" رائے قلمبند کی تھی یہ رائے
ایک ایسے سہ ماہہ بچے کی موت کے متعلق ظاہر کی گئی تھی جو مردہ
پایا گیا تھا۔ جوری نے رائے یہ دی کہ "تین ماہ کی عمر کا ایک بچہ
مردہ پایا گیا، لیکن اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ وہ
زندہ پیدا ہوا تھا!" قتل عمد کا اُس وقت اطلاق ہوگا جب ولادت
موت سے پہلے ہو چکی ہو، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ولادت
مضرت سے بھی پہلے ہو جائے۔ چنانچہ کوئی ایسا عمل جو ایک بچے کی
بہت قبل از وقت ولادت کا موجب ہوا اور اس کی وجہ سے
پیدا ہونے کے بعد بچے میں زندہ رہنے کی بہت کم صلاحیت باقی ہو
اور اس بنا پر جلد مر جائے تو وہ عمل بجائے خود قتل عمد کی حد تک،

سلہ یہ ضروری نہیں ہے کہ بچہ زیادہ جی بھی سکے۔ ۱۸۱۲ء میں یارک کے گرما کے
سشن میں ایک قابلہ کو اس بنا پر قتل عمد کا مجرم قرار دیا گیا تھا کہ اس نے ایک
ایسے نوزائیدہ بچے کو جس کی کھوپڑی کا ایک حصہ موجود نہ تھا اور جو چند گھنٹے سے زیادہ
زندہ نہیں رہ سکتا تھا غرق کر دیا تھا۔ جسٹس بیلی نے بہر حال اُس کی سزا کو اس لیے
تبدیل کر دینے کی سفارش کی تھی کہ وہ اپنے اس فعل کو سچائی کے ساتھ جائز سمجھتی تھی۔
(سالانہ رجسٹر بابت ۱۸۱۲ء صفحہ ۹۶)۔

پہنچ سکتا ہے۔

اس کلیے کی وجہ سے کہ طفل کشی کے جرم کا اطلاق ہونے کے لیے بچے کا نا مکمل طور پر باہر آنا کافی نہیں ہے، اس جرم کے ارتکاب میں بڑی ہمت افزائی ہوتی تھی۔ لہذا ۱۹۲۹ء میں قانون تحفظ حیات اطفال (Infant Life Preservation Act.) منظور کیا گیا۔ اس قانون کے تحت اگر کوئی شخص کسی ایسے بچے کی جان کے ضایع کرنے کی نیت سے جس میں زندہ پیدا ہونے کی صلاحیت موجود ہو اور جس کا ماں کے وجود سے علحدہ مستقلاً کوئی وجود نہ ہو، بالارادہ کوئی عمل کرے تو وہ بچے کی جان کے ضایع کرنے کے جرم کبیر کا مرتکب سمجھا جائے گا، اور اس کی بنا پر تاحیات عوارض تعزیری عاید رہنے کا حکم دیا جا سکے گا۔ اس بات کی شہادت کا بہم پہنچنا کہ کوئی عورت اٹھائیس ہفتے یا اس سے زاید زمانے سے حاملہ ہے، اس امر کا بادی النظری ثبوت ہے کہ اس کے بطن میں ایک ایسا بچہ ہے جس میں زندہ پیدا ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔ قبل اس کے کہ کسی شخص کو اس جرم کبیر کا مجرم قرار دیا جائے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ وہ فعل جس کی وجہ سے بچے کی موت واقع ہوئی، نیک نیتی کے ساتھ محض ماں کی جان بچانے کی غرض سے نہیں کیا گیا تھا۔ بچے کے قتل عمد یا قتل انسان، طفل کشی یا اسقاط کے ذرایع اختیار کرنے کے متعلق اگر مقدمہ رجوع کیا گیا ہو تو جوری یہ کر سکتی ہے کہ جس جرم کا الزام لگایا گیا ہو اس سے بری کر دے اور اگر یہ دیکھے کہ مقدمے کے واقعات سے 145 ملزم پر بچے کے ضایع کرنے کا جرم عاید ہوتا ہے تو وہ بغیر کسی جدید مقدمے یا جدید فرد جرم کے ملزم کو اس جرم کا مجرم قرار دے سکتی ہے۔

اسی طرح ایسے مقدمے میں جس میں ملزم پر بچے کے ضایع کرنے کا الزام ہو، جوری یہ کر سکتی ہے کہ اُس کو دوسرے جرم مثلاً ذرایع اسقاط حمل استعمال کرنے کی بنا پر سزایاب کر دے۔

اس موقع پر اخفائے ولادت کے جرم کو بیان کر دینا بھی موجب سہولت ہوگا۔ اگر کسی شخص پر کسی نوزائیدہ بچے کے قتل عمد، یا طفل کشی یا بچے کے ضائع کرنے کا الزام ہو اور جوری کے نزدیک اس جرم کے ارتکاب کا کافی ثبوت موجود نہ ہو تب بھی وہ قانون موضوعہ کے منظور کردہ جرم صغیر یعنی بچے کی میت[۱] کو خفیہ طور پر ٹھکانے لگا کر[۲] اس کی ولادت کو چھپانے کی کوشش کرنے کے جرم کی بنا پر (۲۴ و ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۶۰) بغیر کسی جدید مقدمے یا کارروائی کے سزا کی رائے دے سکتی ہے۔ اس جرم کی بنا پر[۳] (جس کے متعلق ظاہر ہے کہ بجائے خود ایک صریحی فرد جرم لگ سکتی ہے) دو سال کی قید بامشقت مقرر ہے۔ اخفا عام طور پر تمام دنیا کے مقابل میں ہونا چاہیے، صرف کسی خاص شخص سے ولادت کا مخفی رکھنا کوئی جرم نہیں ہے۔[۴] کوئی لڑکی اگر اپنے آقا سے ولادت کو مخفی رکھے اور اپنی ماں سے اس نے مخفی نہ رکھا ہو تو ایسی حالت میں اس کو سزا دینا زیادتی ہوگا۔ لیکن اگر بعض لوگوں سے راز داری کا عہد لے کر ولادت کی اطلاع دے دی گئی ہو تب بھی کافی اخفا تصور کیا جائے گا۔ جن صورتوں میں واقعۂ ولادت کو مخفی رکھنے کی بابت

---

[۱] لہذا اس قانون کے تحت کسی ایسے بچے کی ولادت کا اخفا جو ہنوز زندہ ہو جرم نہیں ہے۔

[۲] جیسے مثلاً تالاب میں پھینک دینا یا جلا دینا۔ محض انکار ولادت کو اخفائے ولادت نہیں تصور کیا جا سکتا۔

[۳] "ایک فرضی جرم جس میں (اخلاقاً) کسی قسم کی خرابی نہیں ہے" (سوانح عمری لارڈ بریمول صفحہ ۲۷۳) "میرا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ اخلاقی اعتبار سے یہ ایک ایسا فعل ہے کہ اس کی بنا پر قطعاً کوئی سزا نہ دینا چاہیے"، لارڈ بریمپٹن (Reminiscences ch XXXII)

[۴] مسٹر جسٹس رائٹ (مسودہ مجموعہ تعزیرات برائے جمیکا صفحہ ۱۰۸)۔

کافی شہادت موجود نہیں ہوتی تو بعض اوقات کامن لا کے جرم صغیرہ یعنی مفتشین اموات کی ایسی تحقیقات میں مانع ہونے کی بنا پر مقدمہ
146 چلایا جاتا ہے جس کا عمل میں لانا ضروری ہو[1] لیکن ایسی حالت میں یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ تحقیقات کرنا داخل فرض تھا اور یہ کہ ملزم کی نیت اس تحقیقات میں مانع ہونے کی تھی[2]۔

V قتل عمد۔ قتل عمد انگریزی لفظ (Murder) کا ہم معنی ہے۔ (Murder) جرمنی زبان کے لفظ (Morth) سے اخذ کیا گیا ہے جس کے معنی اصل میں (۱) خفیہ طور پر ہلاک کرنے کے تھے چنانچہ کسی نارمن کے خفیہ طور پر مارے جانے پر ولیم فاتح نے جو جرمانے غیر مشخص طور پر سو اشخاص پر عاید کیے تھے وہ اسی نام سے موسوم کیے گئے تھے۔ مردہ شخص میں جب تک کوئی واضح علامت انگریز ہونے کی موجود نہ ہوتی تھی اس کے متعلق یہی قیاس کیا جاتا تھا کہ وہ نارمن ہے۔ جب ۱۳۴۰ء میں ایڈورڈ سوم نے ان جرمانوں کو (جو تقریباً مفقود ہو چکے تھے) بند کر دیا تو لفظ (Murder) کے وہ ابتدائی معنی لازمی طور پر باقی نہ رہے بلکہ رفتہ رفتہ (۲) بدترین قسم کے قتل کا نام (Murder) ہوگیا۔ (قتل کی ان قسموں کا کوئی مخصوص جداگانہ نام نہ رہا جو نہ تو جایز تھیں اور نہ سوئے اتفاق یا حفاظت خود اختیاری کے تحت آتی تھیں۔ گو وہ ایسے جرایم میں داخل تھیں جن کی سزا موت تھی لیکن پھر بھی اتنی بری قسم کے جرایم میں نہ تھیں کہ (Murder) کہلا سکتیں)۔ بالآخر جب قانون ۲۳ ہنری ہشتم کے ذریعے سے ایسے قتل عمد سے جو کینۂ مقدم کی بنا پر واقع ہوں اشخاص خاندہ کی مراعات بہت زیادہ حد تک

---

[1] (Reg. V. Price (1884), 12 Q. B. D. 247; Reg. V. Stephenson (1884) 13 Q. B .D .331

[2] (Rex V. Purcy (1933), 24 Cr. App. R. 70; 149 L. T. 432)

سلب کر لی گئیں تو (Murder) کا لفظ بہت جلد (۳) اس قسم کے قتل کی حد تک محدود ہو گیا جس کا اس قانون موضوعہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ کینۂ مقدم (Malice Aforethought) کے الفاظ جدید نہ تھے بلکہ تیرھویں صدی سے (علامت انگریزیت والے قانون پیدا ہونے سے بھی پہلے سے) ان کا استعمال ہو رہا تھا۔ کیوں کہ ہنری سوم کے زمانے میں " (Malitia Praecogitata) " کے الفاظ کا استعمال موجود تھا، اور یہ ناقابل معافی (یعنی جس کی سزا موت تھی) قتل کے لیے جو معیار مقرر تھے ان میں سے ایک معیار تھا۔ لیکن جس زمانے میں یہ جملہ استعمال ہونا شروع ہوا ہے لفظ " Malitia " کے معنی اس ناجائز فعل کے تھے جس کا ارادہ کیا گیا ہو، نہ کہ خود ارادے کے۔ اور برے ارادے کی وہ وہ خاص نوعیت یعنی عداوت جو " (Malice) " (کینے) سے اب عام طور پر مراد لی جاتی ہے اس سے تو اس لفظ سے اور بھی کم ربط تھا[1]

قتل عمد (Murder) کی اس تیسرے اور آخری مفہوم کے اعتبار سے ان قدیم الفاظ میں جو لارڈ کوک کے وقت سے بہت مستند سمجھے جاتے ہیں یوں تعریف کی جا سکتی ہے کہ قتل عمد (الف) ناجایز طور پر (ب) مار ڈالنا ہے (ج) کسی ذی فہم مخلوق کو جو (د) وجود رکھتا ہو اور (ہ) بادشاہ کی امان میں ہو ۱۴۷
(و) کسی صریحی یا معنوی کینۂ مقدم کی بنا پر (ز) اور اس کے اطلاق کے لیے یہ ضروری ہے کہ موت ایک سال اور ایک دن کے اندر واقع ہو جائے[2] ان سات اجزا میں سے پہلا جزو یعنی "عدم جواز"

[1] (Pollock and Maitland , II 467 ; Maitland's and Collected Papers, 1,304)

[2] (3 Coke, Inst. 47.)

قتل عمد کو ان تمام صورتوں سے ممتاز کر دیتا ہے جو جرم کبیر نہیں سمجھی جاتیں؛ ان کا شمار خواہ قتل جایز میں ہو یا قابل معافی میں۔ چھٹا جز ویعنی کینہ مقدم اس کو قتل کی ان تمام ناجایز صورتوں سے ممتاز کر دیتا ہے جو صرف قتل انسان کی حد میں ہیں۔ دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں اور ساتویں اجزا قتل انسان میں بھی اتنے ہی ضروری ہیں جتنے قتل عمد میں۔ لیکن عدالتوں نے چوں کہ قتل عمد کے معاملات میں ان اجزا پر مکمل طور پر غور و خوض کیا ہے اس لیے اُن کی بحث کو اُس وقت تک کے لیے ملتوی کرنا مناسب معلوم ہوا۔ آخری چھ امور پر ہم اب یکے بعد دیگرے غور کریں گے۔

(۱) مارڈالنا۔ قتل عمد اور قتل انسان، دونوں میں جو شخص جس نوعیت کے قتل کا باعث ہوگا وہ اُس کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ قتل کا باعث ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اُس نے براہ راست جبر کا استعمال کر کے قتل کا ارتکاب کیا ہو بلکہ طولانی سلسلۂ نتائج کے توسط سے بھی اگر ہلاکت واقع ہو اور خود اُس کے آخری فعل کو وقت اور سبب و مسبب کی ترتیب دونوں کے اعتبار سے اس موت سے (جس کا یہ باعث ہوا ہے) بُعد ہو گیا ہو تب بھی صورت حال میں فرق نہ آئے گا۔ بلیکسٹن نے دو قدیم مقدمات کا ذکر کیا ہے، ان سے یہ مطلب پورے طور پر واضح ہو جائے گا۔

پہلے مقدمے میں ایک رنڈی اپنے نوزائیدہ بچے کو ایک باغ میں ڈال آئی اور اُس پر صرف پتیاں ڈھک دیں۔ اُس زمانے میں انگلستان میں شکاری پرندوں کی کثرت تھی۔ ایک چیل نے پنجہ مار کر اُس بچے کو زخمی کر دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ وہ عورت قتل عمد کے جرم میں ماخوذ ہوئی اور اُس کو پھانسی دی گئی۔[۱]

---

[۱] (Crompton's Justice' 24 (K. S. C. 92)

اسی طرح ایک عورت کو

دوسرے مقدمے ۱؎ میں ایک لڑکا سردی کے زمانے میں اپنے باپ کو اس کی مرضی کے خلاف ایک ضلع سے دوسرے ضلع کو لے گیا تھا اور اس طرح اس کی موت میں تعجیل کا باعث ہوا تھا۔ ۲؎ بایں ہمہ جیسا کہ ہم اقدامات ۳؎ کے معاملے میں دیکھ چکے ہیں قتل عمد میں بھی ایک موقع ایسا آتا ہے جہاں پہنچ کر قانون سلسلۂ سبب و مسبب کو
قایم و برقرار نہیں رکھتا، اور جس سے آگے بڑھ کر ہر عمل اس جرم کو 148
روبکار لانے کے لیے بہت بعید شمار کیا جاتا ہے ۴؎۔ لیکن اقدامات کی طرح قتل عمد میں بھی اس خاص حد کے معین کرنے کے لیے ایک عام قاعدہ بنا دینا ناممکن ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مثالوں کے ذریعے سے اس کا ایک اندازہ قایم کرا دیا جائے۔ اس سلسلے میں یہ کلیہ سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ اگر کوئی شخص

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ معقول وجوہ کی بنا پر یہ خوف پیدا ہوا کہ زید اس پر خطرناک طور پر حملہ کرے گا لہذا وہ کھڑکی کے باہر پھاند پڑی اور اس کو ضرر پہنچا۔ قرار دیا گیا کہ زید اس ضرر کا باعث ہوا ہے، حالاں کہ زید نے اس کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔

(Rex V. Coleman (1920 84 J. P. 112)

۱؎ (Y. B. 2 Ed. 3, f. 34. Hil pl I.(K. S. C. 92)

۲؎ صفحہ ۹۲ کتاب ہذا۔ ہنری سوم کے زمانے میں جن ججوں نے ناجایز حکم صادر کر کے ایک شخص کو پھانسی دے دی تھی ان پر محض جرمانہ کیا گیا تھا

(Bracton's N. B. Case 67)

۳؎ (L. and C 161) ۔ ۱۸۶۷ء میں کیمبرج کی عدالت سشن میں رابرٹ ڈکمین بی۔اے متوطن سٹڈنی پر سنٹ جانس کے ایک طالب علم نکولاس کرسمس کے قتل انسان کی بابت فرد قرار داد جرم مرتب کی گئی تھی۔ رابرٹ ڈکمین نے نکولاس کرسمس کو ایک زرد آلو کے درخت پر پتھر پھینکنے کی وجہ سے پیٹا۔ نکولاس وہاں سے بھاگا اور بھاگنے میں گر پڑا اور اسی سے ہلاک ہو گیا لیکن اسرٹی اسکیلٹر نے

عدالت میں جھوٹی شہادت دے کر کسی کی موت کا باعث ہو تو وہ قتل عمد کا مجرم نہ سمجھا جائے گا۔[۱] اس کلیے کی صحت کے متعلق اگرچہ بعض مقننین نے شبہہ ظاہر کیا ہے لیکن فوجداری کے عالی مرتبت جج سرمائکل فوسٹر[۲] اس کے حامی ہیں اور اس واقعے سے بھی اس کی مزید توثیق ہوتی ہے کہ جس زمانے میں قتل عمد کی تعبیر اتنی تنگ اور محدود نہ ہوئی تھی جیسی کہ آجکل ہو گئی ہے اور جس زمانے میں جج بادشاہ کے مقابل میں زیادہ جھکتے تھے جیمس ثانی کے عہد میں ججوں میں یہ ہمت نہ ہوئی کہ ٹائیٹس اوٹس جو پوپ والی سازش ، جیسی فرضی چیز کا موجد تھا اس پر اُن لوگوں کے قتل عمد کا جرم قایم کرتے جن کے خلاف شہادتیں دے کر اُس نے اُن کی جان لی تھی۔ حالاں کہ دروغ حلفی کی بنا پر جو فیصلہ انھوں نے اس کے خلاف صادر کیا (اور جس کا نفاذ بھی ہوا) یعنی یہ کہ دو مرتبہ اُس کے تازیانے لگائے جائیں اور ہر مرتبہ میں دو ہزار تازیانے مارے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی یہ خواہش تھی کہ اگر قانوناً ممکن ہو تو ملزم اپنے گناہ کی پاداش میں موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ علاوہ ازیں پہلے یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو یک لخت کوئی دماغی صدمہ پہنچا کر ہلاک کر دے تو وہ قتل عمد کا مجرم نہ ہوگا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ججوں نے اپنی دستی نوٹ بک میں اس واقعے کو لکھا ہے یہ لکھا کہ مارنے کے فعل کے بعد کے متعلق ججوں کا حکم کیا ہوا۔

[۱] (Rex. V. Macdaniel (1754), 1 Leach 44 (K. S. C. 97)
لیکن مقننین روما ایسی دروغ حلفی کا مرتکب ہونے والے کو قتل عمد کا مجرم تصور کرتے تھے۔ (Dig. 48. 8. 1.) ۔ انگلستان میں جادو کے ذریعے سے ہلاک کرنا قتل عمد نہ تھا اگرچہ ۱۵۶۲ء میں اس کو مستلزم سزائے موت قرار دے دیا گیا تھا۔

[۲] (Crown Law) مرتبۂ فوسٹر صفحہ ۱۳۰۔

لیکن جدید طبی علوم کی روشنی میں اب یہ امر ایسا نہیں رہا ہے کہ قانون اُس کو اس ہلاکت کا بہت زیادہ بعید سبب قرار دے سکے۔[1]

ایک عمل، خواہ سلسلۂ اسباب میں اتنا بعید ہی کیوں نہ ہو اگر 149
کسی شخص ثالث کے فعل یا ترک فعل کا اس میں دخل نہ ہوتا[2] تو وہ موت کا باعث نہ ہو سکتا، ایسی حالت میں بھی قتل عمد یا قتل انسان کسی ایک حیثیت سے ناجائز ہلاکت کی حد میں شمار ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر شخص ثالث کا وہ عمل بدنیتی یا کم از کم نامعقول غفلت پر مبنی ہو تو یہ صورت نہ ہوگی۔ اگر خود شخص متوفی[3] کا طرز عمل اس نتیجے کا موجب ہو مثلاً وہ کسی عمل جراحی پر رضامند نہ ہو تب بھی صورت حال بدستور رہے گی۔ یعنی یہ کہ ابتداءً جس شخص نے ضرر پہنچایا تھا وہی اُس کے جملہ عواقب کا ذمہ دار رہے گا۔ وجہ اس قاعدے کی یہ ہے کہ جو شخص متوفی کے لیے موت کے ایک جدید خطرے کا موجب ہوا اور بعض خارجی حالات (جو حقیقتہً بعید از قیاس نہ تھے) اس خطرے کو حقیقت میں مبدل کردیں، مثلاً زہرباد ہو جاتا، تو وہ شخص بجا طور پر ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کی مثال وال گورنر کے مقدمے سے

---

[1] (Rex V. Hayward (1908), 21 Cox 692; Reg. V. Towers (1874) 12 Cox 530, Wilkinson V. Downton (1897) 2 Q. B. 57)

[2] Reg. V. Hilton (1838), 2 Lew 214 (K. S. C. 133) کا (Reg. V. Lowe (1850), 3C. and K. 123 (K. S. C. 132) سے مقابلہ کیجیے۔

[3] (Reg. V. Holland (1841), 2 M. and R. 351 (K. S. C. 93) کا (Reg. V. Sawyet(1887), C. . C. Sessions, Papers, CVI, 301 (K.S.C. 94)) سے مقابلہ کیجیے۔ اسکاٹ لینڈ کے قانون میں اس طرح کے سلسلے کے اندر متوفی کا طرز عمل یا شخص ثالث کا ترک فعل شامل نہیں ہے۔

مل سکتی ہے[۱]۔ یہ مثال مجرم کے مرتبے کی جہت سے و نیز اس
جہت سے کہ جرم کے ارتکاب سے تقریباً بیس سال بعد اس کا
مقدمہ عدالت میں آیا تھا، بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ اس نے
سارجنٹ آرم اسٹرانگ کو جزیرہ گوری میں ناجایز طور پر تازیانے
لگانے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۰۲ء میں اس کا مقدمہ پیش ہوا اور
اس کو قتل عمد کی بنا پر پھانسی دی گئی، حالاں کہ تازیانے لگنے
کی وجہ سے جو علالت پیدا ہو گئی تھی اگر اس کے دوران میں
آرم اسٹرانگ بے احتیاطی نہ کرتا اور شراب نہ پیتا رہتا تو ممکن تھا کہ
موت واقع نہ ہوتی[۲]۔

بیرن مارٹن[۳] نے قرار دیا کہ اگر کسی انجن ڈرائیور کی غفلت
کی وجہ سے تصادم واقع ہوا اور کوئی مسافر یہ دیکھ کر کہ تصادم
ہونے والا ہے فوراً گاڑی سے کود جائے اور اس کودنے
کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو ڈرائیور پر اس مسافر کے قتل انسان
کی ذمہ داری عاید کرنے کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اوسط ضبط و تحمل والا شخص
ایسے حالات میں اس طرح کود پڑتا یا یہ کہ یہ عمل بلا وجہ کی بزدلی پر
150 مبنی تھا۔ اسی طرح جسٹس کوین نے قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص
شراب کے نشے میں سڑک کے درمیان میں پڑا ہوا ور راستے
سے نہ ہٹے اور ایک گاڑی اس پر سے گزر جائے اور یہ
ہلاک ہو جائے تو گاڑی چلانے والا ماخوذ ہوگا کیوں کہ قانون فوجداری میں

---

۱ (28 State Trials, 51) و نیز دیکھیے (All the year round) جلد ۹

۲ (Reg. V. Holland (1841), 2 M. and R. 351 (K. S. C. 93) سے اور
اسی طرح کے ایک اور مقدمے سے جو (C. C. C. Sess. Pap. LXXVI, 259)
میں مندرج ہے مقابلہ کیجیے۔

۳ (Reg. V. Monks (1870). C. C. C. Sessions Papers, (1870) LXXII, 424

امدادی غفلت' کی صفائی قابل قبول نہیں ہے[۱]۔

(۲) ذی فہم مخلوق (A Reasonable Creature)

اس موقع پر' ذی فہم' کے معنی ' انسان' کے ہیں صحیح العقل کے نہیں۔ قانون فوجداری میں گو ذمہ داری کے لحاظ سے نہیں لیکن تحفظ کے نقطۂ نظر سے ایک فاترالعقل شخص بھی شخص قانونی ہے۔

(۳) وجود رکھتا ہو۔ جس مقام پر ہم نے بچے کے ضایع کرنے پر بحث کی ہے وہاں تعریف کے اس جزو پر کافی روشنی ڈالی جاچکی ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۴)۔

(۴) بادشاہ کی امان میں ہو۔ اپنے شاہی منصب اور مرتبے کے لحاظ سے ملک معظم اپنی تمام مملکت میں امن کے اصل قایم رکھنے والے ہیں[۲]، لیکن اینگلو سیکسن عہد میں شاہی امان صرف جزوی طور پر بروئے عمل تھی اور محض قومی امان کے تتمے کے طور پر (جس کی بالآخر اس نے جگہ لے لی) نافذ تھی۔ قومی امان کا (جو بظاہر احترام خانہ سے ماخوذ کی گئی تھی) صرف مقامی عدالتوں میں تحفظ ہوتا تھا اور وہ عدالتیں کمزور تھیں۔ اس کے برخلاف شاہی امان کا شاہی حکام عدالت کے ہاتھوں پوری قوت کے ساتھ نفاذ ہوتا تھا۔ ابتداءً چند مقدس اوقات میں یا اُن لوگوں کے لیے جن کے واسطے خصوصیت سے بادشاہ نے منظوری دی ہو یا اُن مقامات کے لیے جو خصوصیت سے بادشاہ کی پناہ میں ہوں

---

[۱] دیکھیے جسٹس بلیک برن کا فیصلہ (C. C. C. Sess Pap. LXXVII. 354) اور جسٹس بائلس کا فیصلہ (Reg. V. Dant (1865) L. and C. 567 (K. S. C. 126) اور پولک کا فیصلہ (Reg. V. Kew and Jackson, (1872), 12 Cox 455 (K. S. C. 135) (Reg. V. Swindell (1846), 2 C. and K. 230 (K. S. C. 74) لیکن اس کی وجہ سے سزا میں کمی ہوسکتی ہے (Rex. V. Stubbs (1913) 8 Cr. App. R. 238)

[۲] شرح بلیکسٹن، ۳۵۰۔

(مثلاً شاہی مکان کے احاطے اور چار بڑی سٹرکیں[1])۔ اس پر عملدرآمد ہوتا تھا۔ ان تعدد کو بہرحال بہت جلد غیر معین وسعت دی گئی۔ بادشاہ اور رعایا دونوں کا اس میں فایدہ تھا[2]۔ بادشاہ کو عدالتی اجرتیں (Fees) ملتی تھیں اور رعایا ایک ایسی قوت سے دادخواہی کی فکر میں تھی جس کے حکم سے کسی مقام پر بھی آسانی کے ساتھ انحراف نہ ہو سکے۔ چنانچہ فتح کے بعد (۱۰۶۶ء) بادشاہ جن مختلف
151 صورتوں سے پناہ دیتا تھا وہ سب ختم ہو گئیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ سب عمومی پناہ اور اقتدار میں ضم ہو گئیں[3]۔ لیکن اس صورت میں بھی جب تک بادشاہ اس کا اعلان نہ کرتا تھا اس وقت تک پورے ملک میں عام طور پر شاہی امان نافذ نہ رہتی تھی اور بادشاہ کی جانب سے اعلان ہونے کی صورت میں بھی بادشاہ کی حیات تک نافذ رہتی تھی۔ چنانچہ ہنری اول کے عہد کے واقعہ نگار کا بیان ہے کہ ہنری اول کی وفات پر بدامنی پائی جاتی تھی چوں کہ جس شخص کا قابو پڑتا تھا فوراً دوسرے کو لوٹ لیتا تھا۔ آخرکار چوں کہ جس وقت ایڈورڈ اول کا باپ مرا ہے ایڈورڈ اول بیت المقدس میں تھا اس لیے امرائے سلطنت نے باوجود اس کی عدم موجودگی کے ملک کو بدامنی اور انتشار سے بچانے کے لیے خود ہی شاہی امان کا اعلان کر دیا۔ اس وقت سے بادشاہ کی موت پر بھی شاہی امان کبھی معطل نہیں سمجھی گئی۔

جس شخص پر یہ الزام ہوتا تھا کہ اس نے سلطنت کو منقلب کرنے کی غرض سے کسی بیرونی قوت یا پوپ سے سازش کی ہے

---

[1] مقابلہ کیجیے Maitland's Collected Papers, II, 290-7.

[2] (Pallock, Oxford Esseys (The King Peace), p. 83.

[3] صفحہ ۸۷ کتاب ہذا

وہ شاہی امان میں نہ ہوتا تھا اور اسی بنا پر قانون ۵ الزبیتھ منظور ہونے سے پہلے ایسے شخص کا قتل، قتل عمد شمار نہ کیا جاتا تھا[1]۔ اس کے برخلاف ایک طرید القانون (جس پر سے قانون کی پناہ اُٹھالی گئی ہو) کا قتل، قتل عمد شمار کیا جاتا تھا[2] اور ایک وحشی[3] یا ایک سزایاب مجرم[4] یا ایک غیر ملکی دشمن[5] تک شاہی امان میں داخل تھا۔ لہٰذا ایک غیر ملکی دشمن کو قتل کرنا جایز نہیں ہے۔ باقاعدہ جنگ کے دوران میں اور جنگ کی حالت میں البتہ اُس کو قتل کیا جاسکتا ہے[6]۔ چنانچہ اگر جنگ میں دشمن کا کوئی جہاز مع اُن لوگوں کے جو اُس پر سوار ہوں، گرفتار کرلیا جائے اور انگریزی سمندر میں لے آیا جائے اور وہاں پہنچ کر وہ لوگ اپنی رہائی کی کوشش میں لڑیں اور اس

---

[1] (Brooke's Abridgement Corona .196)

[2] (I Hale P. C. 433)

[3] صفحہ ۱۵۵ کتاب ہذا۔

[4] (1 Hale P.C. 433. Commonwealth v. Bowen (1816), 13 Mass. 356 K. S. C.91)

[5] مثلاً دوران جنگ میں دشمن کی فوج کے کسی سپاہی کو گرفتار کرلیا جائے تو وہ سپاہی بھی شاہی امان میں ہوگا۔ (1 Taunt 32, 36)

[6] چنانچہ پریٹوریا کی عدالت فوجداری نے ۱۹۰۲ء میں چار زیربسٹ اشخاص کو اس بنا پر سزائے موت کا حکم دیا کہ اُنھوں نے ۱۹۰۰ء کی جنگ میں اپنی سرحد کے باہر ایک بور (Boer) کو مار ڈالا تھا۔ دراں حالے کہ برطانوی عہدہ داروں نے اُن کے سردار کو صرف اتنی بات کے لیے مامور کیا تھا کہ وہ محض اپنی سرحد کی حفاظت کرتے رہیں۔ اسی طرح سے ٹرانسوال میں ایک شخص وان ایوان کو اس وجہ سے سزائے موت دی گئی تھی کہ اُس نے ایک انگریز عہدہ دار کے جو صلح کے جھنڈے کی طرف جارہا تھا گولی مار کر ہلاک کردیا تھا۔

کشمکش میں کوئی قیدی گرفتار کرنے والوں میں سے کسی ایک کے ہاتھوں
ہلاک ہو جائے تو یہ قتل[1] جرم کبیر تصور نہ کیا جائے گا۔

قانون (جیسا کہ اکثر کہا جاتا ہے) اشخاص کا احترام نہیں کرتا۔ 152
گو کہ یہ اُصول کلیتہً صحیح نہیں ہے لیکن پھر بھی قتل کے قانون میں اس پر ہمیشہ خاص اہتمام کے ساتھ عمل رہا ہے۔ چنانچہ ایک ادنیٰ کاشتکار کو اس کا آقا قتل نہیں کرسکتا تھا اور نہ ایک غلام کو اینگلو سیکسن عہد تک میں اس کا آقا قتل کرسکتا تھا۔ چوں کہ الفرڈ کے زمانے کے قانون کی رو سے اگر مالک اپنے غلام کو مار ڈالتا تھا تو اُس کو جرمانہ ادا کرنا ہوتا تھا، اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں قتل کی اکثر صورتوں میں محض جرمانہ کافی سزا تصور کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کی امان میں اتنی قوت تھی کہ وہ ایک ادنیٰ کاشتکار اور ایک غلام کو انتہائی ظلم سے محفوظ رکھ سکے۔ اس امر کی طرف توجہ کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں ہے کہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ جزائر غرب الہند میں سے ایک مقام کی مجلس وضع قوانین نے غلاموں کے مقابل میں مالکوں پر اس سے زیادہ ذمہ داری نہیں عاید کی جتنی کہ اینگلو سیکسن عہد کی مجلس وضع قوانین نے کی تھی۔ چنانچہ باربیڈوس (Barbados) کے ایک ایکٹ کے الفاظ یہ تھے: "اگر کسی غلام کو فراری یا مالک کے مقابل میں کسی اور خطا کے سرزد ہونے کی وجہ سے مالک سزا دے اور بدقسمتی سے اس کی جان جاتی رہے یا کوئی عضو خراب ہو جائے تو کسی شخص پر بھی کوئی جرمانہ عاید نہ ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص خواہ مخواہ یا بیدردی کے طور پر اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کو خزانۂ عامرہ میں پندرہ پونڈ داخل کرنا ہوں گے۔

(۵) کینۂ مقدم۔ قتل عمد کی تعریف میں جن اجزا کا اب تک ذکر ہوا

---

[1] (Dyke. V. Elliott(1872), L. R. 4 P. C. 184)

وہ مجرمانہ قتل کی تمام اشکال میں مشترک ہیں، لیکن یہ پانچواں جزو قتل کی صرف انھیں صورتوں کے لیے مخصوص ہے جو قتل عمد میں داخل ہیں۔ جیساکہ ہم ذکر کرچکے ہیں[1] جب مجلس وضع قوانین نے یہ مصمم قصد کرلیا کہ بدترین نوعیت کے قتل سے "خواندہ اشخاص کی مراعات" (سلب کرلے تو کینۂ مقدم کو (Malitia Praecogitata) جس کے تصور سے وہ پہلے ہی سے آشنا تھی[2] اس نے ایک ایسا معیار قرار دیا جس کے موجود ہونے کی صورت میں ایک قاتل "کلیسائی" کو اس کے قدیم حق یعنی "سزائے موت" کے تحفظ" سے محروم کردے۔ قتل عمد کے جدید قانون میں یہ جملہ اب بھی موجود ہے لیکن اس کے دونوں الفاظ اب اپنے اصلی مفاہیم میں استعمال نہیں کیے جاتے کیوں کہ عرصۂ دراز 153
کے عدالتی تجربے نے یہ بتایا کہ قتل کی بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قاتل کو شخص متوفی کی موت کی پہلے سے کوئی خواہش یا خیال نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ قتل اتنا سنگین اور اتنا مکروہ نوعیت کا ہوتا ہے کہ قاتل قتل عمد کی پوری سزا کا مستحق معلوم ہوتا ہے۔ لہذا تعریف کے الفاظ کی وسیع عدالتی تعبیرات کرکے ان صورتوں کو یکے بعد دیگرے اس کے تحت لے لیا گیا۔ بنابریں اس زمانے کے طالب علم کو کینۂ مقدم (Malice aforethought) کے الفاظ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ قتل عمد کی ایک من مانی علامت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور مجرمانہ نیت کی ان تمام مختلف نوعیتوں کو، جو اس قدر سنگین اور قبیح ہوں کہ ان میں سے کسی کے ساتھ قتل کا ارتکاب کرنا اس قتل کو قتل عمد بنا دیتا ہو، جامعیت کے ساتھ یکجا بیان کردینے کے لیے یہ ایک آسان اور وسیع اصطلاح ہے۔ لیکن

---

[1] صفحہ ۱۴۶ کتاب ہذا۔

[2] دیکھیے (Maitland's Collected Papers. 1,305)

بایں ہمہ اس کی حیثیت من مانی علامت سے زیادہ نہیں ہے، کیوں کہ "کینہ،" (Malice) میں ممکن ہے کہ کوئی بھی واقعی کینہ وری موجود نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ واقعتاً مقدم (aforethought) ہو (بجز اس کے کہ مقدم اُس کو اس معنیٰ سے کہا جائے کہ جو فعل کیا جاتا ہے اس کے انجام دینے کی خواہش اس فعل کے ظہور میں آنے سے پہلے پیدا ہوتی ہے، خواہ وہ مدت ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو) - لہٰذا نتیجہ یہ ہے کہ لفظ مقدم غیر صحیح ہے یا غیر ضروری - لفظ "کینہ" میں یہ باتیں نہیں ہیں لیکن چوں کہ وہ اپنے اصلی اور معروف مفہوم میں استعمال نہیں ہوا ہے اس لیے اس سے اشتباہ پیدا ہونا ضروری ہے - قتل عمد کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص مارا گیا ہو اُس کی موت کی لازمی طور پر خواہش ہو (رفع اشتباہ کے واسطے اس کو خصوصی کینہ کہا جاسکتا ہے)۔

اس میں شک نہیں کہ بلیکسٹن نے اس جرم کی بحث میں لفظ (Malice) (کینہ) کا بعض مقامات پر اس مخصوص اور تنگ معنیٰ میں استعمال کیا ہے اور بعض دوسرے مواقع پر اصل میں دوسری کیفیات دماغی کو بھی داخل کر لیا ہے جو پہلی مخصوص کیفیت کے مقابل میں بہت کم مجرمانہ ہوتی ہیں - اس لفظ کا دوسرے معنیٰ میں استعمال ظاہر ہے کہ زیادہ صحیح ہے چوں کہ مجرمانہ نیت کی متعدد شکلیں ایسی ہیں جو اس قدر مکروہ قرار دی گئی ہیں کہ ان کو اس نوعیت کے کینے میں داخل سمجھ لیا گیا ہے جو قتل عمد کے لیے مخصوص ہے وہ شکلیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

(ا) خاص اُسی شخص کو مار ڈالنے کا ارادہ جو واقعتاً ہلاک کیا گیا ہو - ان چھ اشکال میں ظاہر ہے کہ یہ سب سے زیادہ عام ہے -

(اا) ایک خاص شخص کو ہلاک کرنے کا ارادہ ہو، لیکن یہ خاص شخص، وہ نہ ہو جو واقعتاً ہلاک کر دیا گیا ہو۔[1] اگر کوئی شخص الف کے

---

[1] (Reg. V. Salisbiry(1553), Plowden 100 (K. S. C. 102)

اس نیّت اور خواہش کے ساتھ (یا یالفاظ بنتھم ' بالراست نیت ' کے ساتھ) گولی مارے کہ الف ہلاک ہو جائے لیکن اتفاق سے گولی ب کے لگ جائے اور ب ہلاک ہو جائے تو ب کی یہ ہلاکت سوئے اتفاق نہ شمار کی جائے گی بلکہ اس کو قتل عمد قرار دیا جائے گا۔ نیت مجرمانہ کا رخ متصورہ ضرر سے واقعی طور پر منتکبہ ضرر کی طرف ہو جاتا ہے۔ آسٹن کہتے ہیں کہ دوسرے ضرر کے متعلق ایسے قاتل کے دماغ میں ان تین کیفیات میں سے کوئی ایک کیفیت ہو سکتی ہے:-

(الف) اس نے یہ بات قرین قیاس سمجھی ہو کہ گولی بجائے الف کے ب کو لگ جائے گی اور اس کے باوجود بندوق چلا بیٹھا ہو، گو کہ اُس کے دل میں قطعاً یہ خواہش نہ ہو کہ ب کے گولی لگ جائے۔ آسٹن اس کو ' نیت ' میں شمار کرتے ہیں اور بنتھم نے اس کے لیے ایک مخصوص نام ' نیت بالواسطہ ' تجویز کیا ہے لیکن عام محاورے میں اُس کو ' نیت ' قطعاً نہیں کہا جاتا ہے چوں کہ اس میں ب کو ہلاک کرنے کی خواہش نہیں پائی جاتی۔

(ب) اس نے اس امر کا احتمال نہ سمجھا ہو کہ گولی ب کے لگ جائے گی اُس کو آسٹن ' بے احتیاطی ' کہتے ہیں۔

(ج) اس امر کا اس کو کوئی تصور ہی نہ ہوا ہو۔ آسٹن اس کو ' بے اعتنائی ' سے تعبیر کرتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ دیکھیے آرسینی کا اقدام صفحہ ۹۰ ہم کتاب ہٰذا۔ اور کامن ویلتھ بنام منک (۱۸۷۷ء) صفحہ ۱۲۹ کتاب ہٰذا۔

سلہ یا قتل انسان بشرطیکہ الف نے اس شخص کو ایسا اشتعال دلایا ہو کہ اس کی بنا پر اسے ' قتل انسان ' تصور ہوتا۔ (Rex. V. Gross (1913), 23 Cox 455.)

سلہ صفحہ ۷۰ کتاب ہٰذا۔

(iii) قتل کرنے کی نیت ہو، لیکن کوئی خاص شخص اس غرض کے لیے پیش نظر نہ ہو۔ اس کو بڑی سہولت کے ساتھ "عمومی کینہ" سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ بلیکسٹن نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ کوئی شخص یہ تہیہ کر لے کہ اب آیندہ جو پہلا شخص اس کو ملے گا وہ اس کو قتل کر دے گا اور اس طرح وہ اس کو ہلاک کر ہی ڈالے[1]۔ ملایا کے بعض باشندوں میں یہ صورت اکثر پیش آتی ہے اور آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ وہ لوگ گانجا پی کر اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیتے ہیں، اور قتل کا بھوت اُن کے سر پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ بے تحاشا دیوانہ وار قتل کرتے پھرتے ہیں۔ ۱۸۹۰ء میں ایک شخص نے ایک جہاز پر جو بریمرہیون سے روانہ
155 ہونے والا تھا ایک پھٹ پڑنے والی مشین رکھ دی تاکہ جس سامان کا اُس نے بیمہ کرایا تھا اُس کا روپیہ اُس کو مل جائے۔ اس کی مثال میں وہ مظالم بھی پیش کیے جا سکتے ہیں جو کوئنس لینڈ کے ابتدائی آباد ہونے والوں سے منسوب کیے جاتے ہیں ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مردہ بھیڑوں یا آٹے کے ڈھیروں میں زہر شامل کر دیتے تھے اور اس کے بعد اُس کو جھاڑی میں رکھ دیتے تھے تاکہ نیم وحشی اُس کو کھالیں[2]۔

[1] شرح بلیکسٹن جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۔

[2] (Trooper-Police of Australia) مصنفہ ہیڈن صفحہ ۳۰۴ - ۱۵ دسمبر ۱۸۳۸ء کو نیو ساؤتھ ویلس میں سات جدید آباد ہونے والے اشخاص کو اس بنا پر پھانسی دی گئی کہ اُنھوں نے تیس قدیم باشندوں کو بلا وجہ ہلاک کر دیا تھا۔ ان لوگوں کی جانب سے یہ حجت پیش کی گئی تھی کہ "یہ فعل اتنا عام ہے، کہ ہم کو یہ تصور بھی نہ تھا کہ یہ خلاف قانون ہوگا"۔ اس سے (Christiana Edmunds) کے مقدمے کا مقابلہ کیجیے جو ۱۸۷۲ء میں ایک شیرینی فروش کی دکان کے لیے چاکلیٹ کریم مہیا کیا کرتی تھی اور اس میں سنکھیا (اسٹرکنن) ملا دیتی تھی۔

(۱۷) محض ضرر پہنچانے کی نیت ہو۔ ہلاک کرنے کی نہ ہو لیکن ایسے فعل کے ذریعے سے ضرر پہنچایا جائے جس میں ذاتی طور پر ہلاکت کا احتمال ہو۔ ایک قدیم مقدمے کے واقعات یہ تھے کہ ایک باغ کے نگران نے یہ دیکھ کر کہ ایک شریر لڑکا باغ کے درخت کی کچھ شاخیں کاٹ رہا ہے اُس کو اپنے گھوڑے کی دُم سے باندھ دیا اور اُس کی پشت پر مارنا شروع کیا گھوڑا بھڑک گیا اور بھاگ پڑا، لڑکا اس کے ساتھ گھسٹتا جاتا تھا، بالآخر لڑکے کے اتنی ضربات آئیں کہ وہ ہلاک ہو گیا[۱]۔ باغ کا نگران قتل عمد کا مجرم قرار دیا گیا۔ ۱۸۸۵ء میں ایک اور مقدمہ عدالت سشن میں فیصل کیا گیا جس کے حالات اس مقدمے سے بہت زیادہ مماثل تھے، یعنی یہ کہ ایک گولی لڑکا گائے کا دودھ دوہ رہا تھا، اس موقع پر ایک کمسن لڑکے نے اُس کو ستانا شروع کیا، گولی لڑکے نے فارغ ہو کر اس لڑکے کو گائے کے ایک پچھلے پیر میں باندھ دیا۔ گائے بھڑکی اور بھاگی اور بھاگتے میں اُس لڑکے کا سر ایک ستون سے ٹکرا گیا اس مقدمے میں جوری نے ملزم کو صرف قتل انسان مستلزم سزا کا مجرم قرار دیا اور جج نے اُس کو منظور کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مقدمہ پہلے مقدمے سے اس حد تک ضرور مختلف ہے کہ گائے چوں کہ گھوڑے کے مقابل میں کم ذکی الحس اور کم پھرتیلا جانور ہے، اس لیے اس موقع پر اتنے شدید ضرر کے پہنچنے کا اتنا زیادہ احتمال نہ تھا۔ اس بنا پر سابقہ مقدمے کی نسبت اس مقدمے میں نرم فیصلہ دیا گیا لیکن اس نرم فیصلے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ عدالتوں کا عام رجحان یہ ہے کہ قتل عمد کے قدیم قانون کی سختی کو کم کر دیں۔

ہم بیان کر چکے ہیں[۲] کہ والدین اور اُستاد جو قانوناً بچے کو

---

[۱] (Rex. V. Halloway (1628), Cro. Car. 181 (K. S. S. 168)

[۲] صفحہ ۱۴۰ کتاب ہذا۔

جسمانی سزا دینے کے مجاز ہیں اگر کسی ایسے طریقے سے اُسے سزا دیں جس کے متعلق بادی النظری طور پر یہ احتمال ہو کہ اس سے بچہ ہلاک ہو جائے گا اور اس طرح اُس کو ہلاک کر دیں تو اُن کا یہ فعل خواہ کتنا ہی نادانستہ اور بلا ارادہ ہو، وہ لوگ قتل عمد کے مجرم ہوں گے چنانچہ سرکار بنام گرے (۱۶۶۶ء) [1] میں ایک لوہار نے اپنے ایک کار آموز کے سر پر ایک لوہے کی سلاخ مار دی تھی جس سے وہ ہلاک ہو گیا تھا۔ قرار دیا گیا کہ ایسے خطرناک آلے کا استعمال ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ اُس کے جسم میں تلوار بھونک دیتا۔ اسی طرح ایک ماں جس نے سزا کے طور پر اپنے بچے کے جسم کو جوتوں سے کچلا تھا اور بچہ اُس کے صدمے سے ہلاک ہو گیا تھا، قتل عمد کی مجرم قرار دی گئی تھی [2]۔

(۷) کسی ایسے فعل کے کرنے کی نیت کرنا جس میں فی نفسہٖ احتمال ہلاکت ہو گو اس سے کسی قسم کا ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو۔ کسی شہر کے اندر کوئی مزدور مکان کی چھت پر سے کچھ سامان لاپروائی کے ساتھ بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اطلاع دیے پھینکے تو اُس کی نیت اس فعل میں اسی نوعیت کی ہو گی [3]۔ اس پانچویں قسم کی نیت مجرمانہ میں بلیکسٹن کی بیان کردہ وہ مثال بھی شامل کی جا سکتی ہے جس میں ایک نااہل لڑکا اپنے بیمار باپ کو سردی کے موسم میں باہر لے گیا تھا اور اس طرح اس بوڑھے کی موت میں تعجیل کا باعث ہوا تھا [4]۔ داستیفن کی شرح کی مسلسل تیرہ اشاعتوں میں نادانستہ طور پر لفظ "بیمار" کے بجائے "دولتمند" طبع ہوتا رہا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ لڑکے نے

---

[1] Kelyng 64 (K. S. C. 105)

[2] (K. S. C. 105)

[3] صفحہ ۱۴۱ کتاب ہذا۔ (Rex. V. Hull (1664), Kelyng 40 (K. S. C. 125)

[4] صفحہ ۱۴۱ کتاب ہذا۔ (Y. B. 2. Ed. .3.f. 18 Hil. pl. I (K. S. C. 92)

جان بوجھ کر باپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا تھا)۔
اس قسم کی نیتوں کو قتل عمد والے کینے کا مماثل قرار دینا غالباً بیجا ہوگا کیوں کہ موجودہ رائے عامہ خوشی کے ساتھ اس کو قبول نہیں کرتی اور وہ اس تعبیر کو زیادہ سخت تصور کرتی ہے۔ جوریاں یقینی طور پر اس تعبیر کو زیادہ سخت تصور کرتی ہیں۔ چنانچہ سنٹرل کریمنل کورٹ میں لیون سرلی کے مقدمے میں (۱۸۸۷ء) اس کا زیادہ شدت کے ساتھ اظہار ہوا۔ اُس شخص نے اپنے مکان کو جسے وہ اصلی قیمت سے بہت زیادہ رقم پر بیمہ کرا چکا تھا آگ لگا دی۔ اس آگ میں اُس کے دو لڑکے ہلاک ہو گئے۔ اس کو اپنے بچوں سے محبت تھی اور اُس کی ہرگز یہ نیت نہ تھی کہ لڑکے ہلاک ہو جائیں۔ اس پر قتل عمد کا الزام قایم کیا گیا۔ لیکن وہ بری کر دیا گیا۔ اس برأت کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ جوری کو "معنوی کینہ" کا اصول پسند نہیں آیا، چوں کہ دوسرے مہینے جب اس پر آتش زنی کا جرم قایم کیا گیا تو وہ مجرم قرار دے دیا گیا۔ 157
ظاہر ہے کہ اگر وہ آتش زنی کا مجرم تھا تو قانوناً اُس کے قتل عمد کا مجرم ہونے میں پھر کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

(۱۷) کسی ایسے فعل کے ارتکاب کی نیت جو جرایم کبیرہ میں داخل ہو خواہ اُس کے ذریعے سے ہلاکت کا احتمال نہ ہو۔

قدیم ترین کتب میں اس اصول کو ہر فعل ناجایز کی حد تک وسعت دے دی گئی تھی۔ لیکن سر مائیکل فوسٹر نے ان کو جرایم کبیرہ تک محدود کیا ہے۔ ان کے وقت سے گو کہ اُس کو جرایم کبیرہ کی حد تک محدود رکھا گیا ہے لیکن اس کا اثر بہر طور وسیع ہو گیا ہے کیوں کہ بہت سے حملے اور دوسرے افعال قانون موضوعہ کے ذریعے سے جرایم کبیرہ میں شامل کر دیے گئے ہیں۔ فوسٹر نے اس چھٹے قاعدے کی یہ مثال

لہ (Reg. V. Serne and Goldfinch (1887), 16 Cox 311 (K. S. C. 106)

دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مرغ پر بندوق چلائے اور اس سے اُس کی غرض یہ ہو کہ اُس کو چرا لے جائے، لیکن اتفاقاً کوئی انسان اُس بندوق کا نشانہ بن جائے اور ہلاک ہو جائے تو فوسٹر کے خیال کے بموجب یہ ہلاکت قتل عمد قرار دی جائے گی۔ لیکن اگر اس شخص کی نیت محض مرغ کے مارنے کی ہوتی چرانے کی نہ ہوتی یا وہ مرغ نہ ہوتا بلکہ گوریا (خانہ چڑیا) ہوتی تو وہ قتل، قتل انسان مستلزم سزا قرار پاتا۔ کیوں کہ یہ فعل جرایم کبیرہ میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چور کسی شخص کی گھڑی چرانے کی نیت سے اس کو دھکا دے اور وہ شخص زمین پر گرے اور گرنے کی وجہ سے مر جائے۔ یا کوئی مرد کسی عورت سے زنا بالجبر کرنے کی غرض سے اُس پر حملہ کرے اور وہ عورت ضعیف القلب ہونے کی وجہ سے اسی کشمکش میں مر جائے تو فوسٹر کے کلیے کے بموجب اس قسم کے قتل، قتل عمد شمار کیے جائیں گے۔[1]

اس کلیے کی سختی کی وجہ سے اس کی صحت میں شبہہ کیا جانے لگا۔ ۱۸۷۳ء ہی میں سرکار بنام لیڈ کے مقدمے میں ججوں کو اس امر کا تصفیہ کرنے میں تامل ہوا تھا کہ آیا زنا بالجبر کی وجہ سے، اگر جنین ہلاک ہو جائے تو اس کو قتل عمد قرار دیا جائے گا۔ جسٹس اسٹیفن[2] اور ہڈلسٹن دونوں نے جوریوں کو ہدایت کی تھی کہ عدالت کراؤن کیسز رزروڈ، فوسٹر کے کلیے کو غالباً تسلیم نہ کرے گی۔ مجموعۂ تعزیرات کے سنہ ۱۸۸۰ء کے مسودے میں اس کو ترک کر دیا گیا تھا۔

---

[1] ظاہر ہے کہ ملزم قتل عمد کا مجرم ہوگا۔ دیکھیے مقدمۂ بیرڈ صفحہ ۸۵ الکتاب ہذا۔

[2] دیکھیے (Reg. V. Serne and goldfinch) اور (Reg. V. Horsey (1862) (8 F. and F. 287 (K.S. C. 109) اور کیمبرج لا جرنل نمبر ۱ صفحہ ۵۶ پر۔ اس مقدمے کی بابت ہے۔ ڈبلو۔ سی ٹرنر کا تبصرہ۔

لیکن اس ترک کے باوجود ایسے جرائم کبیرہ کی بابت جن میں فی نفسہ ہلاکت کا احتمال ہو، ہمارے بیان کردہ قاعدہ نمبر ۵ کے تحت کارروائی کی جا سکتی ہے لیکن ایسا جرم کبیرہ جس میں ہلاکت کا احتمال نہ ہو اور اس کے باوجود ہلاکت واقع ہو جائے تو اس ہلاکت کو، غیر ارادی قتل انسان تصور کیا جائے گا[1]۔ اس کے برخلاف لارڈ الورسٹن چیف جسٹس[2] نے کہا کہ ججوں کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ جرائم کبیرہ کے ارتکاب کی کوشش میں اتنی ہلاکتیں واقع ہو جاتی ہیں کہ انسانی زندگی کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے اس کلیے میں (جو ایسے جرائم کو قتل عمد قرار دیتا ہے) نرمی پیدا کرنا مناسب نہیں ہے۔

چنانچہ بہت سے مقدمات میں جن میں مجرمانہ اسقاط حمل (جرم کبیرہ) کی وجہ سے موت واقع ہوئی، گو کہ یہ عمل عورت کی رضامندی سے، بغیر اس کے خلاف کسی قسم کا جبر استعمال کیے ہوئے، نیز ایسے طریقے سے کیا گیا کہ بظاہر اس کی جان کے لیے کوئی قابل لحاظ خطرہ بھی پیدا نہ ہوتا تھا، پھر بھی گزشتہ زمانے میں ججوں نے ان کو صاف قتل عمد کا واقعہ قرار دیا اور سزائے موت کا حکم دیا۔ لیکن اس کے کچھ زمانے بعد اس طرح کے احکام میں بادشاہ کی طرف سے عموماً تبدیلی کر دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں جوریاں معنوی قتل عمد کی ان صورتوں میں سزا کا فیصلہ دینے میں پس و پیش کرتی تھیں۔ لہذا ججوں نے رفتہ رفتہ یہ کلیہ[3] بنا لیا کہ ایسی صورتوں میں جوری محض

---

[1] صفحہ ۱۳۵ کتاب ہذا۔
[2] ۹ مارچ ۱۹۰۹ء کو لیورپول میں جوری بزرگ ہے۔
[3] (Rex. V. Lumley (1912), 22 Cox 635; Reg. V. Whitmarsh (1898)
(62 J. P. 711; cf 12 Cr. App. R. 15 and 16 Cr. App. R. 24)
بدقسمتی سے اس جدید کلیے کی بنا پر ماہر اسقاط حمل کرنے والا ایسے شخص کے مقابل میں

قتل انسان کی رائے دے سکتی ہے۔ البتہ اگر اس کے نزدیک ایسے حالات ہوں جن میں ملزم ایک اوسط سمجھ بوجھ کے آدمی کی حیثیت سے یہ ضرور سوچ سکتا تھا (یا اس نے واقعتاً ایسا سوچا ہو) کہ اُس کے عمل سے موت یا ضرر شدید پہنچنے کا احتمال ہے تو صرف اس وقت وہ قتل عمد کی رائے دے سکتی ہے[1]

ڈائرکٹر آف پبلک پراسیکیوشنس بنام بیرڈ (١٩٢٠ء) میں شہادت سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ ملزم نے جرم زنا بالجبر کے ارتکاب یا اُس کے ردِ عمل لانے کے دوران میں اپنے کسی تشدد آمیز فعل کے ذریعے سے کسی بچے کو ہلاک کر دیا ہے۔ دارالامرا نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا کہ چوں کہ اس جرم کبیر کے ارتکاب 159
سے ہلاکت کا احتمال تھا اس لیے نہیں بلکہ (ایک سخت تر کلیہ) چوں کہ اس جرم کبیر میں جبر کا بھی دخل تھا اس لیے ملزم قتل عمد کا مرتکب قرار دیا گیا ہے[2]۔ لارڈ برکنہیڈ نے کہا کہ "دارالامرا میں قانون کے اس نظریے میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی اور اس کی صحت میں کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔" سرکار

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ جس نے پہلی مرتبہ اس ناجائز فعل کا ارتکاب کیا ہو بہتر حالت میں رہے گا۔ اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ دونوں میں ہنوز قدیم تر اور سخت تر اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔

[1] لہٰذا یہ بہتر ہے کہ فرد جرم میں صراحت کے ساتھ قتل انسان کا الزام بھی شامل رکھا جائے تاکہ اگر قتل عمد کے الزام پر زور نہ دیا جائے تو اس سے بالکل قطع نظر کی جا سکے۔

[2] اس فیصلے کے تبصرے کے لیے ملاحظہ ہو جے۔ ڈبلو۔ سی۔ ٹرنر کا مقالہ کیمبرج لا جرنل نمبر ١ صفحہ ٣٥-٠٥ وہ کہتے ہیں کہ "بجز نمبرات VI و VII کے قتل عمد والے کلیے کی جملہ دیگر اشکال اس سادہ سے کلیے کے تحت آتی ہیں کہ "ملزم پہلے سے جانتا تھا کہ اس کے طرز عمل سے کسی شخص کی جان جانے کا احتمال ہے"۔

بنام بٹس اور رڈلے (۱۹۳۰ء)[۱] میں سرقہ بالجبر اور تشدد کی وجہ سے موت واقع ہوئی تھی۔ شہادتوں کا خلاصہ بیان کرتے وقت جوری سے کہا گیا کہ ان کو اولاً اس امر کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ آیا جو فعل کیا گیا ہے وہ ایسا تھا کہ ایک اوسط سمجھ بوجھ کا آدمی یہ سمجھ سکتا تھا کہ اس سے موت واقع ہو جائے گی۔ کورٹ آف کریمنل اپیل نے اس کے متعلق یہ تبصرہ کیا کہ یہ "قانون کی بہت زیادہ نرم تعریف و توضیح ہے۔"

(viii) بعض افعال میں ہلاکت کا احتمال نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود اگر ان کی وجہ سے کوئی ہلاکت واقع ہو جاتی ہے تو اس ہلاکت کو ایسے فعل کا نتیجہ قرار دے لیا جاتا ہے جس سے وہ قتل، قتل عمد میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض ایسے افعال ہیں جو اگرچہ جرائم کبیرہ میں بھی داخل نہیں ہیں لیکن ان کو اسی نوعیت کی نیت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر کوئی عہدہ دار عدالتی کسی ملزم کو گرفتار یا قید کر رہا ہو اور کوئی شخص جان بوجھ کر جبر کے ساتھ اس عہدہ دار کے کار منصبی میں مانع ہو اور اس شخص کے اس عمل کی وجہ سے ہلاکت واقع ہو جائے تو اس ہلاکت کو بھی قتل عمد سے تعبیر کیا جائے گا۔[۲] سر جیمس اسٹیفن کا مثلاً یہ خیال ہے کہ اگر مخالفت اور مقابلے میں اس سے زیادہ تشدد کا استعمال نہ بھی ہو کہ کوئی شخص اس عہدہ دار کو محض اڑنگا مار کر گرا دے اور وہ عہدہ دار گرنے کی وجہ سے اتفاقی طور پر مر جائے تو اس کا شمار قتل عمد میں کیا جائے گا۔[۳] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے محض پرانے مصنفین کے غیر معین اور مبہم الفاظ سے اتنے سخت اصول کا استخراج کیا ہے۔ وہ تمام مقدمات جن میں

۱ـہ (144L.T. 526; 22 Cr. App. R. 148, 158 (K. S. C. 554)

۲ـہ دیکھیے صفحہ ۲۰۷ کتاب ہذا۔

۳ـہ Digest of Criminal Law, 7th ed Art 315.)

عہدہ دار مارے گئے ہیں ان میں وہ امور جو واقعی طور پر موجب ہلاکت
ہوئے ہیں فی نفسہٖ خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ لہذا جب کہ موجودہ رجحان طبع
یہ ہو کہ قتل عمد کے معاملے میں معنوی کینے کے جو مسلمہ قواعد ہیں اُن کو بھی
تنگ اور محدود کر دیا جائے تو یہ امر بہت مشتبہ معلوم ہوتا ہے کہ
کورٹ آف کریمنل اپیل ایسے اُصول کی جو پورے طور پر معینہ اور
طے شدہ نہیں ہے تائید کرے گا۔ لیکن آئرلینڈ کی اسی حیثیت اور
درجے کی عدالت نے اس اصول کی تائید میں فیصلہ صادر کیا ہے
160 (اسٹیٹ بنام ایم مولن ۱۹۲۵ء) اور لکھا ہے کہ اگر کسی فراری مجرم نے
تعاقب کرنے والے عہدہ دار پر گولی چلائی ہو اور اس کا یہ منشا بھی
نہ ہو کہ گولی اُس کے لگ جائے تب بھی وہ قتل عمد کا مجرم
قرار دیا جائے گا۔[1]

قتل عمد والے کینے، کی ان مختلف نوعیتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ 'کینہ' اُس 'کینے' سے بہت زیادہ وسیع ہے جو عام طور پر 'عداوت' کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، لیکن اس 'کینے' سے جو قانونی اصطلاحی مفہوم میں یہ معنیٰ 'نیت مجرمانہ' استعمال ہوتا ہے بہت محدود اور تنگ ہے۔
161 ۱۹۳۵ء تک قتل عمد والے کینے کے بار ثبوت کے متعلق بڑی دشواری تھی۔ سر مائکل فوسٹر[2] نے لکھا ہے کہ "قتل عمد کے مقدمے میں اگر واقعۂ قتل اولاً ثابت ہو جائے تو بجز اس کے کہ جو شہادت اس کے خلاف پیش کی گئی ہو اس سے یہ امور ظاہر ہوتے ہوں 'سوئے اتفاق' ضروریات یا فتور عقل کے جملہ واقعات پورے طور پر ملزم کو ثابت کرنا چاہئیں تاوقتے کہ اس کے خلاف ظاہر نہ ہوتا ہو قانون یہ قیاس کرے گا کہ وہ عمل

[1] اس مقدمے کے فیصلے پر ٹرنر کی تنقید کیمبرج لا جرنل نمبر ۱ صفحہ ۴۰۵ پر دیکھیے۔

[2] (Crown Law) ایڈیشن ۱۷۶۲ء صفحہ ۲۵۵۔

کینے کی بنا پر کیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں ایک شخص ول منگٹن اپنی بیوی کو گولی مار کر ہلاک کرنے کے الزام میں ماخوذ ہوا اور قتل عمد کا مجرم قرار دیا گیا۔ ملزم کے حق میں سزائے موت کا حکم صادر ہوا اس کی صفائی یہ تھی کہ بندوق اتفاق سے چل گئی۔ اور جج نے جوری کو یہ ہدایت کی تھی کہ اگر شہادت اثبات جرم سے ایک مرتبہ یہ ثابت ہو جائے کہ ملزم کے عمل سے ہلاکت واقع ہوئی ہے تو تاوقتیکہ وہ اس کے خلاف ثابت نہ کرے قیاس یہی ہوگا کہ وہ قتل عمد کا مرتکب ہوا ہے۔ کورٹ آف کریمنل اپیل نے سزا بحال رکھی[1] لیکن جب دارالامرا میں مرافعہ کیا گیا تو حکم سزا منسوخ کر دیا گیا[2]۔ لارڈ چانسلر نے اس امر پر زور دیا کہ دوسرے جرائم کی طرح قتل عمد میں بھی انگلستان کے کامن لا کا یہ اصول ہے کہ یہ فرض مستغیث کا ہے کہ وہ ملزم کے جرم کو ثابت کرے۔ اس اصول کے نظر انداز کرنے کی کوشش کرنا صحیح نہیں ہے۔ بجز اُن صورتوں کے جب کہ فتور عقل کی صفائی پیش کی گئی ہو یا کسی قانونی استثنیٰ کا ادعا کیا گیا ہو[3] اور کسی صورت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قتل عمد کے مقدمے کی کسی نوبت پر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا بار ملزم پر عاید ہو جاتا ہے۔ بپابندی اُن چیزوں کے جو فتور عقل کی صفائی کے متعلق کہی گئی ہیں اور بپابندی استثنائے قانونی "انگریزی قانون فوجداری کے پورے جال میں ایک سنہری تاگا ہمیشہ دکھائی دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ فرض مستغیث کا ہے کہ وہ ملزم کے جرم کو ثابت کرے[4]"۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ ملزم کے کسی نادانستہ عمل سے کوئی شخص ہلاک ہو گیا ہے اور اس کے سوا مقدمے میں کسی بات کا 161

[1] (Woolmington V.D.p.p.(1935),25 Cr. App. R. 72, 75 (K.S.C. 550).

[2] دیکھو مقدمہ (88 (1935) A.C. 462.)

[3] دیکھیے صفحات ۷۴ و ۶۰ کتاب ہذا۔

[4] (25 Cr. App. R. 95.)

پتا نہ چلتا ہو تو یہ ایسی شہادت ہو گی کہ جس کی بنا پر جوری اس کو قتل عمد کا مجرم قرار دے سکے گی لیکن مجرم قرار دینا لازمی نہیں۔ ملزم کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے ارتکاب جرم کے متعلق ایک شبہ پیدا کر دے، اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ جوری کو اپنے بے گناہی کے متعلق اطمینان دلائے[1]۔ سرکار پر یہ لازم ہے (الف) کہ وہ یہ ثابت کرے کہ ملزم کے کسی دانستہ عمل سے موت واقع ہوئی ہے اور (ب) ملزم نے وہ عمل کینے سے کیا ہے۔ کینے کا وجود صریحی یا معنوی حیثیت سے ثابت کیا جا سکتا ہے، چوں کہ جب ملزم کے کسی ایسے دانستہ عمل سے موت واقع ہو جو (۱) ارادی (۲) غیر اشتعالی ہو تو معنوی کینے کا وجود تسلیم کیا جائے گا۔ جب موت اور کینے کی شہادت پیش کی جا چکے (یہ چیز جوری کے طے کرنے کی ہے) تو ملزم کو یہ حق ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس کا وہ فعل جو موجب ہلاکت ہوا تھا وہ یا تو غیر ارادی تھا یا بحالت اشتعال طبع اس سے سرزد ہوا تھا۔ اگر جوری کو اس بات پر اطمینان ہو جائے کہ اس کی یہ توجیہ صحیح ہے یا یہ کہ پوری شہادت پر غور کرنے کے بعد اس کو معقول طور پر یہ شبہ باقی رہے کہ (اگر اس کی توجیہ قبول نہ بھی کی جائے تو) آیا حقیقتہً اس کا وہ عمل غیر ارادی تھا یا بحالت اشتعال طبع اس سے سرزد ہوا تھا تو ملزم مستحق برأت ہے[2]۔

اس کینے کے متعلق جو مجرمین کے ایک گروہ کے متعدد ارکین سے منسوب کیا جاتا ہے حالاں کہ ان میں سے ایک شخص قتل کا ارتکاب کرتا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر چند اشخاص ایک مشترکہ نیت کی پیش رفت میں کوئی عمل کریں تو ہر اس عمل کے متعلق جو ان میں سے کوئی شخص اس نیت کو بروئے کار لانے کے لیے کرے گا، قانون یہ تصور کرے گا کہ ان میں سے

---

[1] دیکھیے صفحہ ۴۰۲ کتاب ہذا۔

[2] (25 Cr. App. R. 95—96)-

ہر شخص نے اس کا ارتکاب کیا ہے۔ چنانچہ اگر کچھ اشخاص کسی آدمی پر گھات لگانے اور اُس کو لوٹ لینے کے لیے آپس میں سازش کریں اور سب مہلک اسلحہ سے مسلح ہو کر اس غرض کے لیے جمع ہوں اور ان میں سے کوئی ایک شخص اُس کو مار ڈالے تو اُس گروہ کا ہر شخص قتل عمد کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ لیکن اگر ان لوگوں نے آپس میں محض یہ طے کیا ہو اُس کو صرف دھمکایا جائے اور اس کے باوجود ان میں سے ایک شخص خلاف امید اس حد تک پہنچ جائے کہ اس کے گولی مار دے تو اس طرح کے قتل عمد کا اثر صرف واقعی قاتل کی ذات تک ہی محدود رہے گا، جو فعل کیا گیا ہو اُس کو مشترکہ منصوبہ سے مربوط ہونا چاہیے اگر کلیتہ یا اپنی نوعیت کے اعتبار سے اُس سے مختلف ہو تو کافی نہیں ہے[۱] 162

(۶) ایک سال اور ایک دن یہ دن کا اضافہ اس میں محض یہ ظاہر کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا کہ ضرر کے پہنچنے کے بعد کا تین سو پینسٹھواں دن شمار کیا جائے۔ اس کی وضاحت کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ پرانے زمانے میں ایک کلیہ یہ تھا (جو اب متروک ہو گیا ہے) کہ قانون فوجداری میں مدت (ملزم کے فائدے کے لیے) اسی دن سے شمار ہونے لگتی ہے جس دن فعل کا ارتکاب ہوا ہو[۲]

---

[۱] (Reg. V. Macklin (1888), 2 Lew. 225 (K.S.C. 100)

اس مقدمے میں نیت مشترکہ ڈرانے کی تھی حملہ کرنے کی نہ تھی۔ اس سے (Rex. V. Betts and Ridley (1930), 22 Cr. App. R. 146)

اور (144. L. T. 526 (K.S.C. 554) کا مقابلہ کیجیے۔ ان مقدمات میں ملزمین نے مشترکہ طور پر سرقہ بالجبر کی نیت کی تھی اور کسی حد تک جبر کے استعمال کا ارادہ کیا تھا۔ دیگر (Rex. V. Short (1932), 22 Cr. App. R. 170.) سے بھی مقابلہ کیجیے اور صفحہ ۹۹ کتاب ہذا بھی ملاحظہ کیجیے۔

[۲] (Hob. 139) لیکن اب (Radcliffe. V. Bartholomew) (1892) 1 Q. B. 161) دیکھیے۔

قرون وسطیٰ میں علم طب کے ناقص ہونے کی وجہ سے یہ عاقلانہ اصول قرار دے لیا گیا تھا کہ جب تک اس ضرر کے پہنچنے کے بعد جو ہلاکت کا سبب ہو ایک محدود مدت کے اندر موت واقع نہ ہو جائے قتل کا الزام باقی نہیں رہ سکتا۔ ہالینڈ میں نہایت قلیل زمانہ یعنی چھ ہفتے کی مدت قرار دی گئی تھی لیکن جنوبی افریقہ کے موجودہ رومن ڈچ قانون میں علم الطب کی جدید ترقی یافتہ حالت پر نظر کرتے ہوئے کوئی میعاد مقرر نہیں کی گئی۔ قانون اسکاٹ لینڈ اور تعزیرات ہند میں بھی کوئی میعاد نہیں لیکن انگلستان میں کامن لا کے کلیہ پر اب تک عمل جاری ہے اور اس کا قتل انسان کی صورت میں بھی اطلاق ہوتا ہے (سرکار بنام ڈائسن سنہ ۱۹۰۸ء، ۲ کنگس بنچ ۴۵۴)۔

قتل عمد کی سزا موت ہے[1]۔ لیکن ۱۸۲۸ء تک قتل عمد کی جن صورتوں پر بغاوت خفی ('Petty treason') کا اطلاق ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ کوئی شخص اپنی بیوی یا ملازم کے ہاتھوں
163 مارا جاتا۔ کوئی بشپ اپنے پادریوں کے ہاتھ سے قتل ہوتا) تو اس کی سزا میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ قاتل اگر مرد ہوتا تو بجائے اس کے کہ گاڑی پر پھانسی گھر پہنچایا جائے اس کو ٹٹی پر رکھ کر گھسیٹا جاتا تھا اور عورت ہونے کی صورت میں اس کو پھانسی نہ دی جاتی تھی بلکہ جلا دیا جاتا تھا جیسا کہ ۱۷۲۶ء میں کیتھرائن ہیز کے مقدمے میں ہوا اس مقدمے سے تھیکرے کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب واقف ہیں۔ قانون ۳۱ اور ۳۲ وکٹوریہ دفعہ ۲ کے ذریعے سے یہ منظور کیا گیا کہ قتل عمد کی بابت جو پھانسی دی جائے، وہ محبس کی چہار دیواری کے اندر ہونی چاہیے اور اس موقع پر صرف وہ لوگ جن کو شیرف (مجسٹریٹ ضلع) اجازت دے موجود رہ سکتے ہیں۔

---

[1] بجز ایسے قاتلوں کے جن کی عمر اٹھارہ سال سے کم ہو۔ ایسے اشخاص کو بجائے سزائے موت دینے کے تا حکم ثانی روک رکھا جاتا ہے۔ دیکھیے صفحات ۵۷۵ و ۵۷۶۔

یہ ملحوظ رہے کہ قتل عمد کے علاوہ تین جرایم جو اب بھی سزائے موت کے مستوجب ہیں اس حکم کے تحت نہیں آتے (یعنی بغاوت[1]، قزاقی جس کے ساتھ کوئی ایسا فعل شامل ہو جس میں جان کا خطرہ ہو[2] اور بحری سامان کے شاہی گودام یا جنگی جہاز میں آتش زنی[3]) لیکن اس کے باوجود بغاوت کے الزام میں راجر کیسمنٹ کو ۳ اگست ۱۹۱۶ء محبس کی چہار دیواری کے اندر پھانسی دی گئی۔

قتل عمد چوں کہ نہایت سنگین جرم ہے اس لیے مجلس وضع قوانین نے اس کی محض ابتدائی تقریبات پر بھی سخت سزائیں عاید کر دی ہیں۔ چنانچہ قتل کی سازش میں، گوکہ اس کا شمار ہنوز جرایم صغیرہ میں سے ہے[4]، قانون موضوعہ کے ذریعے سے دس سال کے لیے عوارض تعزیری[5] عاید کرنے کی سزا مقرر ہے۔ حالاں کہ بہت سے جرایم کبیرہ ایسے ہیں جن کی انتہائی سزا اتنی نہیں ہے اور ارتکاب قتل عمد کے تمام اقدامات کو قانون موضوعہ[6] کے ذریعے سے جرم کبیر قرار دے دیا گیا ہے، اور ان کی پاداش میں تاحیات عوارض تعزیری عاید کیے جاتے ہیں۔ خط کے ذریعے سے قتل[7] یا جایداد کے تلف کرنے کی دھمکی دینا بھی جرم کبیر ہے اور اس کی بنا پر دس سال کے لیے عوارض تعزیری عاید رہنے کی سزا دی جا سکتی ہے[8]۔

---

۱ بغاوت خفی منسوخ کر دی گئی ہے۔

۲ (7 Will. 4 and 1 Vict. C. 88.)-

۳ (12 Geo 3, C. 24, S.1; 7 and 8 Geo. 4, C. 23, SS. 6, 7.)-

۴ ۲۴ و ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۴۔

۵ قانون بالا دفعات ۱۱-۱۵۔

۶ قانون بالا دفعہ ۱۶۔

۷ ۲۴ و ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۹۷ دفعہ ۵۰۔

اس موضوع کے ختم کرنے سے پہلے یہ اور ملحوظ رہے کہ قتل عمد کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اس عام قانونی کلیے سے مستثنیٰ ہے کہ فوجداری مقدمات میں اختیار سماعت اپنے حدود ارضی تک محدود ہوتا ہے۔ ہر مملکت ان تمام جرائم کے متعلق مواخذہ کرتی اور سزا دیتی ہے جن کا ارتکاب اُس کے حدود ارضی میں (یا اُس کے جہاز پر) ہوا ہو، مرتکب خواہ اس سلطنت کا
164 باشندہ ہو یا غیر ملکی ہو۔ کوئی ملک عموماً ایسے جرائم سے تعرض نہیں کرتا جن کا کہیں اور ارتکاب کیا گیا ہو، خواہ مرتکب خود اسی مملکت کا باشندہ ہو۔ لیکن انگریزی قانون میں ہنری ہشتم کے وقت سے قتل کے جرم کا قانون موضوعہ کے ذریعے سے اس کلیے سے استثنیٰ کیا گیا۔ اس وقت قانون جرائم خلاف ذات (Offences against the Person Act, 1861.) نافذ ہے اس کی رو سے مملکت متحدہ کے ہر حصے کی عدالتیں برطانوی رعایا پر ایسے قتل عمد یا قتل انسان کی بابت مقدمہ چلا سکتی ہیں، جس کا اُس نے مملکت متحدہ سے باہر مقبوضات برطانیہ کے اندر یا باہر کہیں بھی خشکی میں ارتکاب کیا ہو۔ یہ اختیار بہر حال ایسے قتل کے متعلق جو کسی غیر ملک کے جہاز پر ہوا ہو حاصل نہ ہوگا۔ اس معاملے میں مقتول کے برطانوی رعایا ہونے یا نہ ہونے کو کوئی دخل نہ ہوگا (اس موقع پر یہ کہہ دینا بھی موجب سہولت ہوگا کہ برطانوی رعایا اگر کسی ملک غیر میں بھی ازدواج مکرر کے جرم کا ارتکاب کرے تو اسی قانون کی دفعہ ۵۷ کے تحت مملکت متحدہ میں اس کی بابت مواخذہ کیا جا سکے گا)۔

حقوق جایداد پر مجرمانہ قتل کی جہت سے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیے کہ قتل عمد اور قتل انسان دونوں صورتوں میں

لے صفحہ ۴۰۷ کتاب ہذا (Macleod V. Att. Gen. of N.S. W.,(1891) A.C. 455)

قاتل، مقتول کی وصیت کے جملہ فوائد سے محروم ہو جاتا ہے[1] بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مقتول کے وصیت نہ کرنے کی حالت میں قاتل محروم نہ ہوگا، کیوں کہ تقسیم ورثہ کے قانون کی نوعیت حکم کی ہے[2] لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے[3]۔ ایک قاتل کی طرف سے مقتول کی جان کا بیمہ، جب کہ اُس کے یہ مد نظر ہو کہ وہ اُس کو ہلاک کر دے گا، بر بنائے فریب باطل ہے[4]۔

---

[1] (Re Crippen, (1911) P. 108; Re Hall, (1914) P.1.) لیکن اُس وقت نہیں جبکہ قاتل مجنون ہو، (In re Pitts (1931) 1Ch.546)

[2] (In re Honghton, (1915) 2 Ch. 173)

[3] (In re Pitts (1931) 1 Ch. 546; Re Sigsworth (1934), 152 L.T. 328.)

[4] (25 Beav 605.) خودکشی کرنے کی صورت میں بیمے کی پالیسی پر کیا اثر پڑے گا، اس کے لیے دیکھیے
(Bresford V. Royal Insurance Co. Ltd; (1936) 2 All E.R. 1052.)

165

باب ۱۰

جسم انسان کے خلاف جرایم جو موجب ہلاکت نہ ہوں

اس قسم کے جرایم دو مختلف نوعیتوں کے ہوتے ہیں صنفی اور غیر صنفی۔ صنفی جرایم نفسانی شہوت، اور غیر صنفی غصے کی وجہ سے معرض ظہور میں آتے ہیں۔

پہلی قسم کے جرایم کے متعلق اس کتاب کی اغراض کے لحاظ سے نہایت مختصر سا تذکرہ کافی ہوگا۔ قرون وسطیٰ میں انگریزی قانون نے دونوں صنفوں کے آپس کے تعلقات کے متعلق عیسائیت کی بلند اخلاقی تعلیمات کو از سر تا پا اختیار کر لیا تھا۔ کامن لا کے مثلاً اُصول معاہدہ میں بھی جہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون کون سے معاملات اس حد تک خلاف اخلاق ہیں کہ عدالتوں کو ان کا نفاذ نہ کرانا چاہیے، ان تعلیمات پر پورا پورا عمل کیا گیا ہے۔[1]

[1] قانون معاہدہ ایڈیشن ۷، ا باب مرتبۂ این سن۔

یہی تعلیمات سزاؤں کے تدارکات کے ذریعے سے مذہبی عدالتوں
میں نافذ کی جاتی تھیں۔ مذہبی عدالتوں کا اختیار سماعت گو کہ عملاً عرصے
سے متروک ہو چکا ہے لیکن باضابطہ طریقے پر کبھی موقوف نہیں
کیا گیا[1]۔ کامن لا میں ویسے جامع امتناعات موجود نہ تھے اس کے
فوجداری کلیوں کے ذریعے سے صرف اُن کھلی بدچلنیوں کے خلاف
چارۂ کار اختیار کیا جا سکتا تھا جو یا تو اپنی مخصوص غیر معمولی نوعیت[2]
کی بنا پر یا اس جبر و تشدد کی وجہ سے جس کے ساتھ ان کا ارتکاب
عمل میں آتا تعاید نما ہو جاتے تھے۔ مذکورہ بد نما صورتوں میں
مجلس وضع قوانین نے بعد میں یہ اضافہ کر دیا کہ عورت کمسن[3] اور
اس مرد کا قریبی خونی رشتہ[4] دار نہ ہونا چاہیے چنانچہ اگر جانبین
کی رضامندی سے مرد و زن کے درمیان ناجائز تعلقات قایم 166
ہوں (خواہ تعلقات کسبیوں کے ساتھ ہوں یا زنائے محصنہ کی
شکل میں ہوں) تو اس کی بنا پر کوئی فوجداری ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔
فوجداری قانون کا دایرۂ اثر اس زمانے میں بہت محدود کر دیا گیا
چنانچہ اس زمانے میں مذہبی عدالتوں کی سزائیں ترک کر دی گئی ہیں۔
ان کے دائرۂ اثر کو محدود رکھنے کے وجوہ قبل ازیں بیان کیے جا چکے ہیں[5]۔

---

[1] (Digest of Criminal Law) ساتواں ایڈیشن فصل ۲۴۵ مرتبہ اسٹیفن
(History of Criminal Law) صفحات ۳۹۶-۴۲۹- اس کے علاوہ
(Phillimore V. Machon (1876), 1 P.D. 481.) میں جو اسناد پیش کی گئی ہیں وہ بھی
ملاحظہ کیجیے۔

[2] (Digest of Criminal Law) ساتواں ایڈیشن باب ۱۔

[3] Digest of Criminal Law.) باب ۲۹۔

[4] قانون بابت سزائے مباشرت با محرمات (Punishment of Incest Act, 1908, 8 Edw. 7, C. 45)

[5] صفحہ ۳۰ کتاب ہذا۔

جس سے اس امر کی معقولیت پر پوری طرح روشنی پڑ چکی ہے۔ اور اس سلسلے میں وہ مضرت رساں افعال جن کا فوجداری تدارکات کے ذریعے سے انسداد زیادہ قرین عقل ہے ان افعال سے علیحدہ کر لیے گئے ہیں جن کو رائے عامہ اور مذہب کے ذریعے سے روکنا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

اس نوعیت کے جرایم کے تذکرے کے بعد اب ہم ان جرایم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جن کا تعلق صنفی تعلقات سے نہیں ہے اور جن پر زیادہ تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔ اُن کی بہت آسانی کے ساتھ دو قسمیں کی جا سکتی ہیں: یعنی اولاً وہ جرایم جو بعد ارتکاب ضرر رسیدہ کے جسم پر اپنے آثار یعنی واقعی زخم یا چوٹ چھوڑتے ہیں۔ ثانیاً وہ جرایم جن کے آثار جسم پر پیدا نہیں ہوتے۔

(الف)۔ وہ جرایم جن سے واقعی جسمانی ضرر پہنچتا ہے۔[۱]

جرایم کی اس شدید قسم کے متعلق موجودہ قانون کلیتہً موضوعہ ہے۔ زخمی کرنے اور کسی عضو کے بیکار کرنے پر ابتدائی زمانے میں ضرر رسیدہ "جرم کبیر کا چارہ کار" اختیار کرنے کا مستحق ہوتا تھا؟[۲] اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو جاتا تھا تو مجرم کا کوئی عضو قطع کیا جاتا تھا یا سزائے موت دی جاتی تھی۔ لیکن ان کارروائیوں میں بہت شاذ ہی کامیابی ہوتی تھی کیوں کہ عام طور پر کسی اصطلاحی بے ضابطگی کی بنا پر ان کو خارج کر دیا جاتا تھا۔ اور اگر فریق ثانی کسی دوسری عدالت کے روبرو پیش کیا جاتا تھا تو اس کو جرم صغیر کی سزا یعنی قید یا جرمانے سے زیادہ

---

[۱] (History of Criminal Law) باب سوم صفحات ۱۰۸ - ۱۲۰ مرتبہ اسٹیفن اور (Digest of Criminal Law) ساتواں ایڈیشن فصول ۳۳۰ - ۳۴۶۔

[۲] صفحہ ۴۰ کتاب ہذا۔

سزا نہ دی جاتی تھی - اس بنا پر زخم رسانی کی کارروائیاں تو متروک ہو گئیں لیکن اگر فریق متضرر مجرم کو خالی حملے کے جرم میں ماخوذ نہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کے لیے ایک اور صورت موجود تھی یعنی یہ کہ وہ "مداخلت بیجا کے دعوے" کی شکل میں دیوانی چارۂ کار اختیار کر کے رقمی ہرجہ وصول کریں لیکن بعد میں متعدد قوانین وضع ہوئے اور اس قسم کے 167 جرایم کی نسبتہً زیادہ معقول سزا مقرر ہو گئی - بہر حال اس ضمن میں موجودہ قانون، جیساکہ مسٹر جسٹس رائٹ نے کہا ہے، خصوصیت کے ساتھ بے ربط اور غیر مرتب [52] ہے۔ اس قانون کا زیادہ حصہ ۱۸۶۱ء کے ایکٹ میں موجود ہے - اس ایکٹ میں اُن جرایم کے متعلق جو جسم انسان پر موثر ہیں جتنے قوانین قبل میں وضع ہو چکے تھے اُن سب کو یکجا کیا گیا اور سنگین جرایم کو جرایم کبیرہ اور دوسروں کو جرایم صغیرہ قرار دیا گیا - ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کے ہم بعض نمونے پیش کرتے ہیں -

۱- جرایم کبیرہ -

(الف) کسی شخص کو ناجایز طور پر کینے سے زخمی کرنا یا کوئی شدید جسمانی ضرر پہنچانا یا اس کے کسی عضو کو معدوم کرنے، چہرے کو بدشکل بنانے یا اس کو معطل کرنے یا کوئی اور شدید جسمانی ضرر پہنچانے یا گرفتاری میں مانع ہونے کی نیت سے گولی مارنا دیا گولی مارنے کا اقدام بھی کرنا) جرم کبیر ہے اور اس کے لیے تاحیات عوارض تعزیری عاید رہنے کی سزا دی جا سکتی [53] ہے۔

---

[51] پولک اور میٹ لینڈ (Pollock and Maitland) باب ۲ صفحہ ۴۸۷ -

[52] مسودۂ قانون مجموعۂ تعزیرات برائے جمیکا صفحہ ۱۰۶ -

[53] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۱۸ - ملزم یا کسی اور شخص کی جائز گرفتاری میں

جو جملے اس موقع پر استعمال ہوئے ہیں اُن میں سے بعض اتنے اصطلاحی ہیں کہ اُن کی توضیح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ زخم کا اطلاق ہونے کے لیے جلد کے سلسلے کا منقطع ہونا ضروری ہے یعنی یہ کہ دونوں[1] جلدیں، پوست (Cutis Vera) و نیز کھال (epidermis) قطع ہونا چاہئیں[2] چنانچہ موخر الذکر جلد میں اگر محض کھرونچہ پیدا ہو جائے تو وہ زخم نہ سمجھا جائے گا۔ اور اگر ہڈیاں ٹوٹ جائیں اور جلد منقطع نہ ہو تب بھی "زخم" کا اطلاق نہ ہو سکے گا۔ جسمانی اتصال کے بغیر بھی ضرر پہنچایا جا سکتا ہے چنانچہ اگر ب، الف کو حملہ کرنے کی دھمکی دے اور الف، ب کے حملے سے بچنے کے لیے ایک کھڑکی سے کود پڑے اور اس میں اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے تو ب اس ضرر رسانی کی بابت ماخوذ ہو گا[3]

168

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ حارج یا مانع ہونے کی نیت سے گولی یا رود والے ہتھیار یا اُس کی نقل کا استعمال کرنا یا استعمال کرنے کا اقدام کرنا جرم کبیرہ ہے اور اُس کی پاداش میں چودہ سال کی سزا دی جا سکتی ہے اور اسی کے ساتھ جس جرم کی بابت گرفتاری کو روکا گیا ہو اُس کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ چند معینہ جرایم کے ارتکاب کے وقت ممنوعہ آلات کا قبضے میں رکھنا اُن کے قابض کو سات سال کی سزا کا مستوجب بنا دیتا ہے اور مزید براں اس جرم کی سزا بھی دی جا سکتی ہے بجز اس کے کہ ملزم یہ ثابت کرے کہ وہ آلات کسی جایز غرض کے لیے اُس کے قبضے میں تھے۔ (Firearms and Imitation Firearms (Criminal use) Act 1933, 23 and 24 Geo 5 C. 50.)

[1] سابق کے جراح تین جلدیں تصور کرتے تھے۔ اندرونی جلد جیسی منھ کے اندر ہوتی ہے کافی ہے۔
[2] لہذا کوئی ضرر اس وقت تک زخم نہیں سمجھا جا سکتا جب تک کہ اُس میں سے خون نہ نکلے۔ چنانچہ اگر جسم کا کوئی حصہ جل جائے تو اُس کو زخم نہ تصور کیا جائے گا اور نہ ایسی حالت میں زخم خیال کیا جائے گا جب ٹھوکر مارنے کی وجہ سے اندرونی طور پر خون نکل کر رہ جائے، جلد منقطع نہ ہو۔
[3] (C.C.C. Sess. Pap. L IX, 333.

جسمانی ضرر جب تندرستی یا راحت میں شدت کے ساتھ مخل انداز ہو تو وہ "شدید" کہلاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے اثرات خطرناک یا مستقل ہوں[1]۔ اس مبہم سوال کو طے کرنا جوری کے ذمے ہے کہ آیا کسی خاص مقدمے میں جو ضرر پہنچا تھا وہ اتنا زیادہ تھا کہ اس کو ضرر شدید تصور کیا جائے۔

"عضو کا بیکار کرنا" اس وقت کہا جائے گا جب کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جسم کے کسی حصے کو اتنا ضرر پہنچائے کہ اس کے اندر لڑائی میں اپنے بچاؤ کی یا اپنے مقابل کو زخ کرنے کی قابلیت کم ہو جائے۔

قانون موضوعہ نے کسی شخص پر گولی چلانے کے جس "اقدام" کے لیے سزا مقرر کی ہے اس کا اس وقت تک اطلاق نہیں ہوتا جب تک کہ واقعی طور پر کوئی بالکل ہی قریبی عمل اس سے ظہور میں نہ آئے جیسے مثلاً بندوق کا گھوڑا گرانا۔ چنانچہ کسی شخص پر بھرا ہوا پستول چھینا نا (گو کہ حملے کی حد تک ضرور پہنچتا ہے) اقدام نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن گھوڑا گرا دینا، اس وقت بھی جب کہ بندوق کا رتوس کی خرابی کی وجہ سے نہ چل سکے (یا محض بندوق کے گھوڑے پر اس کو گرانے کی نیت سے انگلی رکھنا ایسی صورت میں بھی کہ واقعی طور پر گھوڑا گرانے سے پہلے خارج سے کوئی مانع پیدا ہو جائے) از روئے قانون "اقدام" کے اطلاق کے لیے کافی ہے[2]۔

اس جرم کے ثابت کرنے کے لیے منجانب سرکار

---

[1] صرف اس قدر کہ "شانہ بہت زیادہ کچل گیا تھا" ناکافی قرار دیا گیا۔ (C.C.C Sess. Pap. LXXXI, 440.) "جسم کے کسی حصے پر گولی کا کوئی نشان" ہونا، خواہ انگلی پر ہی کیوں نہ ہو کافی ہے (جسٹس ایوری)۔

[2] Reg. V. Duckworth, (1892) 2 Q.B. 83)

نیت کا ثابت کرنا لازمی ہے، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ خود فعل سے نیت کا کافی ثبوت بہم پہنچ جائے۔ چنانچہ ایک بھرے ہوئے پستول کا تھوڑے فاصلے پر سے کینے کے ساتھ سر کرنا ایک ایسا فعل ہے جس سے شدید ضرر جسمانی پہنچانے کی نیت ضرور ظاہر ہو جاتی ہے (اور اس سے قتل عمد کی نیت کا بھی پتا چل سکتا ہے)۔

169 قانون کے الفاظ ایسے ہیں کہ اُن کی بنا پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس شخص کو واقعاً مضرت پہنچے وہ وہی شخص ہو جس کو مضرت پہنچانا مقصود تھا۔

کسی شخص کو کلوروفارم، ست افیون یا کوئی دوسری بیہوش یا بیخود کرنے والی شے اس نیت سے دینا (کھلانا، پلانا یا سونگھانا جیسی کہ صورت ہو) یا دینے کا اقدام کرنا کہ کسی جرم قابل ترتیب فرد کا ارتکاب کیا جا سکے جرائم کبیرہ میں داخل ہے اور اس کی پاداش میں اُس کے مرتکب پر تاحیات عوارض تعزیری عاید رکھے جا سکیں گے[۱]۔

(ب) کسی شخص کو کینے کے ساتھ ناجایز طور پر اس کی جان کو خطرے میں ڈالنے کی غرض سے یا اُس کو شدید ضرر جسمانی پہنچانے کی غرض سے زہر یا کوئی اور مضر شے دینا جرم کبیرہ میں داخل ہے اور اس کا مرتکب دس سال تک عوارض تعزیری کا پابند رکھا جا سکے گا[۲]۔

۲۔ جرائم صغیرہ

قانون موضوعہ کے قرارداد ذیل کے تینوں جرائم صغیرہ کی بابت پانچ پانچ سال تک عوارض تعزیری عاید رہنے کی سزا دی جا سکتی ہے۔

۱؎ ۲۴ اور ۲۵ وکٹوریا کلاز ۱۰۰ دفعہ ۲۲۔

۲؎۳ ۲۴ اور ۲۵ وکٹوریا کلاز ۱۰۰ دفعہ ۲۳۔

(الف) ناجایز طور پر اور کینے کے ساتھ[1] کسی شخص کو زخمی کرنا یا کوئی شدید جسمانی ضرر پہنچانا۔[2]

یہ جرم اس جرم کبیر سے کسی قدر مماثلت رکھتا ہے جس کا اوپر
۱۔ (الف) میں ذکر ہو چکا ہے لیکن اس میں اور اس جرم کبیر میں فرق
یہ ہے کہ جرم کبیر کا اطلاق ہونے کے لیے خاص قسم کا جسمانی ضرر
پہنچانے کی نیت موجود ہونے کی ضرورت ہے اور جرم صغیر میں
اتنا کافی ہے کہ اس طرح کا ضرر جسمانی 'کینے' کے ساتھ پہنچایا جائے
گو کہ جس حد تک واقعی طور پر ضرر پہنچایا گیا ہو اس کے پہنچانے کا
ارادہ نہ ہو۔ اس موقع پر پھر ہمیں اسی انتہائی غیر اطمینان بخش[3] اصطلاح
'کینے' سے سابقہ ہوتا ہے لیکن یہاں پر جن معنی میں 'کینہ' کا لفظ
استعمال ہوا ہے وہ اس مجرمانہ دماغی کیفیت کے ایک مبہم اور 170
وسیع مفہوم سے کسی قدر تنگ ہے جو کامن لا میں اس لفظ سے
عموماً مراد لیا جاتا ہے[4] جیسا کہ قتل انسان کے معاملے میں یا انگریزی جملے
(Mute of Malice) میں اس کا وسیع مفہوم ہے چوں کہ قیاس
یہ ہوتا ہے کہ قانون موضوعہ کے قرار دادہ جرایم میں لفظ 'کینہ' کو
مجلس وضع قوانین نے معین معنی میں استعمال کیا ہے، یعنی یہ کہ اس کے
ارتکاب میں ایسی بدنیتی اور بد بینی ہونا چاہیے جس کے اندر ضرر جسمانی کا
واقعی ارادہ داخل ہو و نیز یہ کہ اسی طرح کے ضرر کا ارادہ داخل ہو

[1] لہٰذا اگر یہ صورت بطور حادثہ پیش آئے تو کافی نہیں ہے۔

[2] ۲۴ اور ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۲۰۔

[3] پروفیسر ای۔سی۔کلارک (Analysis of Criminal Liablity) کے صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں "قانونی اصطلاحات میں سب سے زیادہ پریشان کن اصطلاحات میں سے..... متضاد فیصلوں میں برابر استعمال ہوتی ہے۔" (Bigelow on Torts Para 85.)۔

[4] (Cf 2 L.d. Raymond 1485)

جیساکہ واقعی طور پر پہنچایا گیا ہو۔ چنانچہ ضرر جسمانی پہنچانے کا ارادہ
ہو تو اُس میں اس نوعیت کا کینہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ "کینے" سے
جایداد کو مضرت پہنچانے" کے دعوے کی تائید میں پیش
کیا جاسکے اور اسی طرح اس کا عکس۔ لہذا اگر کسی شخص پر تاک کر
ایک پتھر پھینکا جائے اور نشانہ خطا کرے اور وہ پتھر کسی کھڑکی
کو توڑ کر نکل جائے تو پتھر پھینکنے والا لازمی طور پر اس کھڑکی کو "کینے
سے توڑنے کا مجرم نہ ہوگا[1]۔ اسی طرح اگر پتھر کھڑکی پر پھینکا گیا ہوتا
اور اس پتھر کے نشانے پر پہنچنے سے پہلے خلاف امید کوئی شخص
کھڑکی کے باہر سر نکال دیتا اور پتھر اُس شخص کے سر پر پڑتا تو پتھر پھینکنے والے پر
لازمی طور سے یہ فوجداری ذمہ داری عاید نہ ہوتی کہ اس نے اس
شخص کو "کینے" سے ضرر پہنچایا۔ ان دونوں صورتوں میں بہر حال
اگر اس شخص کو جس نے ایک خاص نوعیت کی مضرت پہنچانے
کی خواہش سے پتھر پھینکا تھا یہ علم ہو کہ دوسری نوعیت کی مضرت
کے پہنچ جانے کا احتمال ہے، اور گو کہ اس کی یہ خواہش نہ ہو کہ
اس نوعیت کی مضرت پہنچے لیکن وہ اس کے پہنچنے یا نہ پہنچنے
کی طرف سے بے اعتنائی برتے تو لازماً یہ سمجھا جائے گا کہ اُس نے
یہ عمل "کینے" سے کیا ہے[2]۔

لیکن جس نوعیت کی مضرت پہنچانے کا ارادہ کیا گیا تھا
اگر اسی نوعیت کی مضرت پہنچی ہو تو کافی ہے، اگر جس حد تک یا جس
طریقے سے یا جس چیز کو مضرت پہنچانا مقصود ہو اس میں کچھ فرق بھی
پیدا ہو جائے تب بھی صورت حال بدستور رہے گی۔ چنانچہ ایک
فوجی شخص نے اپنی پیٹی ایک دوسرے آدمی کے مارنے کے لیے تانی

لہ (Reg v. Pembliton (1874). 2 C.C.R. 119 (K.S.C. 157)

لہ۲ (Re Borrowes, (1900) 2 I.R. 593.)

پیٹی ہاتھ سے نکل گئی اور ایک عورت کے جو قریب کھڑی تھی لگ گئی۔ عورت کے چہرے پر زخم آیا مارنے والا شخص عورت کو کینے سے زخمی کرنے کا مجرم قرار دیا گیا۔[۱]

ان تین قریب المعنی الفاظ۔ کینہ، نیت، غرض[۲] میں بہت خلط ملط اور اشتباہ ہوتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ 'غرض' میں ہمیشہ خواہش اور تمنا کا مفہوم داخل ہوتا ہے اور اسی طرح عام طور پر 'نیت' میں بھی خواہش کا 171
پہلو ہوتا ہے۔ کیوں کہ عام طور پر کسی شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ اپنے کسی فعل سے ایسے نتائج پیدا کرنے کی نیت رکھتا ہے جس کی اس کو خواہش نہیں ہے لیکن اس فعل سے جو نتائج غیر متوقع طور پر رونما ہو جاتے ہیں اُن کا اسے افسوس ہوتا ہے[۳]۔ (مثلاً جب وہ کسی دشمن کے گولی مارتا ہو درصورتے کہ وہ یہ دیکھ رہا ہو کہ ایک دوست گولی کی زد کے قریب موجود ہے)۔ لیکن قانون میں ظاہر ہے کہ 'کینے' کے لفظ کی طرح 'نیت' کا لفظ بھی ان تمام نتائج پر حاوی ہوتا ہے جن کے متعلق ایک کام کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس فعل سے ان نتائج کے رونما ہونے کا احتمال ہے۔ خواہ یہ شخص اس فعل کا ارتکاب واقعتاً اس نیت سے کرے کہ وہ نتائج پیدا ہوں یا ان کے پیدا ہونے اور نہ ہونے کی طرف سے بے اعتنائی برتتے[۴] اس واقعے سے کہ

۱؎ (Reg v. Latimer (1886), 17 Q.B.D. 359 (K.S.C. 144)

۲؎ سرجے۔ سامنڈ کی توضیح ملاحظہ کیجیے (اصول قانون آٹھواں ایڈیشن ابواب۔ ۱۷-۱۸-۱۹)۔

۳؎ (Analysis of Criminal Liablity) صفحات ۳-۷-۸ مصنفہ پروفیسر ای۔ سی۔ کلارک۔ (Elements of Law) دفعہ ۲۲۲ مرتبہ مارکبی۔ اور دیکھیے صفحہ ۳۵ اکتاب ہذا۔

۴؎ (Reg. v. Welch (1875), 1 Q.B.D. 23.) اور دیکھیے مسٹر جسٹس رائٹ کا مسودۂ مجموعۂ تعزیرات برائے جمیکا صفحات ۳ و ۸ و ۹۔ اور آسٹن لکچر ۲۱۔

اس کے پاس اس امر کے معلوم کر لینے[1] کے ذرائع موجود تھے کہ ان نتائج کے پیدا ہونے کا احتمال ہے، ایک بادی النظری قیاس پیدا ہوتا ہے کہ ان نتائج کا پیدا ہونا واقعی طور پر اس کے پیش نظر تھا۔ اس قیاس کے خلاف شہادت کا حاصل کرنا بہت دشوار ہوتا ہے اور اسی طرح اس قیاس کو عملاً قیاس قطعی کی حیثیت دینا بھی کم دشوار نہیں ہوتا ہے[2]

اسی بنا پر کینے کا قانونی ثبوت پیش کر دینا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا کہ اصولی حیثیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر کسی خلاف قانون فعل کا ارتکاب کیا جائے اور اس ارتکاب کا مقصد برا ہو، اور جس قسم کا ضرر اس فعل سے واقعی طور پر پیدا ہو، اس کے پیدا ہونے کا کسی طور پر احتمال ہو تو ان امور سے کینے کے وجود کا کافی بادی النظری ثبوت ہو جاتا ہے اور ملزم سزایاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب الف جنگلی چڑیوں کے شکار میں مشغول تھا ب نے الف کی کشتی کی طرف بندوق چلائی غرض صرف یہ تھی کہ الف ڈر جائے اور شکار ترک کر دے۔ کشتی کے یک لخت گھوم جانے کی وجہ سے گولی اتفاقاً الف کے لگ گئی، قرار دیا گیا کہ ب کے خلاف کینے کے وجود کی کافی شہادت موجود ہے[3]۔ ایک مقدمے میں الف نے ب پر اس کو ڈرانے کی غرض سے بندوق چھتیائی۔ الف کو معلوم تھا کہ بندوق بھری ہوئی ہے۔ ب نے بندوق کی نال کو پکڑ لیا اور اس کے اس عمل کی وجہ سے بندوق اتفاقاً ب پر چل گئی تھا۔ جسٹس لس[4] نے

[1] "علم" کے متعلق دیکھیے صفحہ ۲۹۲ کتاب ہذا۔

[2] لیکن یہ قطعی نہیں ہے۔ دیکھیے صفحہ ۲۹۱ کتاب ہذا۔

[3] (Reg. v. Ward (1872), 1 C.C.R. 356.)

[4] سیشن اکتوبر ۱۸۹۹ء کیمبرج۔

قرار دیا کہ کیینے سے زخمی کرنے کے جرم کا کافی طور پر اطلاق ہوتا ہے۔

ناجایز طور پر بغیر (قانون موضوعہ والے[1]) "کیینے" کے شدید 172
جسمانی ضرر پہنچانا قانون میں کوئی جداگانہ جرم شمار نہیں کیا جاتا۔ اس کو زیادہ سے زیادہ حملے کی ایک قسم میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اگر محض غفلت کی بنا پر اس طرح کا ضرر پہنچ جائے، خواہ وہ غفلت کتنی ہی صریح ہو، قانون فوجداری کی حد تک غالباً اس کو حملہ بھی تصور نہ کیا جائے گا[2]۔ لہذا تاوقتیکہ اُس کی بنا پر موت واقع نہ ہو، یہ قطعاً کوئی فوجداری جرم نہ ہوگا[3]۔ کوئی نیم حکیم اگر اپنے کسی مریض کا کوئی عضو یا آنکھ ضایع کر دے تو اُس پر دیوانی ذمہ داری ہوگی فوجداری ذمہ داری نہ ہوگی۔

اس سوال پر آیندہ غور کیا جائے گا[4] کہ کس قسم کے عمل پر "ضرر جسمانی پہنچانے کا" اطلاق ہو سکتا ہے۔

(ب) حملے کے ذریعے سے واقعی ضرر جسمانی کا باعث ہونا[5]۔

سنہ ۱۸۶۱ء کے قانون کے بنانے والوں نے جس بنا پر اس جرم کو آخر الذکر جرم ("۲ (الف)") سے علحدہ کیا ہے وہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ دونوں جرایم کی پاداش میں ایک ہی سزا مقرر ہے۔ حقیقۃً "حملے کے ذریعے سے واقعی ضرر جسمانی کا باعث ہونے" کے اندر وہ تمام افعال جن کا

---

[1] صفحہ ۱۷۰ کتاب ہذا۔

[2] صفحہ ۱۴۳ کتاب ہذا۔ (Reg. v. Latimer (1886), 17 Q.B.D. 359 K.S.C. 144)

[3] یا بجز اس کے کہ گاڑی چلانے میں غفلت برتنے کی وجہ سے ہو۔ دیکھیے صفحہ ۱۷۳ کتاب ہذا۔

[4] صفحہ ۱۷۳ کتاب ہذا۔

[5] ۲۴ و ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۴۷۔

۲ (الف) میں ذکر کیا گیا ہے، داخل معلوم ہوتے ہیں بجز اس کے کہ یہ سمجھا جائے کہ الفاظ "ضرر جسمانی کا باعث ہونا" کو مجلس وضع قوانین نے "حملے" کے لفظ سے زیادہ وسیع معنیٰ میں استعمال کیا ہے اور بالواسطہ طور پر یا اسباب کے طولانی سلسلے کے ذریعے سے اگر ضرر رسانی کی جائے تو اس پر بھی یہ لفظ حاوی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مثلاً زہر خورانی (دیکھیے صفحہ ۱۷۳) یا کسی متعدی بیماری کا لگا دینا۔ اس وسیع تعبیر کی حمایت میں بڑے زور کے دلایل استعمال کیے گئے ہیں[۱]۔ اور ہم اس میں یہ اضافہ کرتے ہیں کہ سرکار بنام ہیلی ڈے (سنہ ۱۸۸۹ء[۲]) میں عدالت کراؤن کیسز ریزروڈ نے یہ قرار دیا کہ گو ملزم نے ایک عورت کو محض ڈرایا تھا جس کی وجہ سے وہ کھڑکی سے باہر کود گئی اور چوٹ کھا گئی لیکن ایسی صورت میں بھی یہی سمجھا جائے گا کہ ضرر شدید پہنچایا گیا۔ اور یہ ڈرانا گو کہ قدیم اصطلاحی معنیٰ میں "حملہ" ہے لیکن جدید معنیٰ میں جس میں زد و کوب کا مفہوم داخل ہو گیا ہے "حملہ" نہیں ہے۔ سرکار بنام کول مین (سنہ ۱۹۲۰ء[۳]) اسی طرح کے حالات میں 173 ایک شوہر اس بنا پر سزایاب ہوا کہ وہ حملے کے ذریعے سے اپنی زوجہ کے واقعی ضرر جسمانی کا باعث ہوا تھا لیکن سرکار بنام کلیرنس (سنہ ۱۸۸۹ء[۴]) میں عدالت نے بغلبۂ آرا یہ قرار دیا کہ شوہر کی طرف سے امراض خبیثہ میں سے کسی مرض کا (درصورتے کہ شوہر کو اس کا علم بھی ہو) زوجہ کو (خواہ زوجہ کو اس کا علم نہ بھی ہو) لگا دینا حملہ نہیں ہے۔ وجہ یہ ظاہر کی گئی کہ چوں کہ مقاربت میں رضامندی تھی اس سیلیے

---

[۱] (Reg. v. Clarence (1889), 22 Q.B.D. 49.) جسٹس ہاکنس کا فیصلہ دیکھیے۔

[۲] ۱۶ لا ٹائمس ۷۰۱ - (7 Cr. App. R. 197 اور SQ.B.D. 54)

[۳] (84 J.P. 112)

[۴] (22 Q.B.D. 23 Hegarty v. Shine (1878), 14 Cox 145)

ر شدید جسمانی ضرر پہنچانا' نہیں کہا جا سکتا۔ججوں کے اس خیال کی اصل وجہ یہ تھی کہ اُن کے نزدیک " ضرر پہنچانا" حملے اور زدوکوب[۱] کے ذریعے سے ہونا چاہیے۔ اور اس کے اطلاق کے لیے راست اور فوری ضرررسانی ضروری ہے۔

(ج) ناجائز طور پر اور کمینے کے ساتھ کسی شخص کو کوئی زہر یا کوئی دوسری مضر چیز مضرت پہنچانے، رنج دینے یا دق کرنے کی نیت سے دینا[۲]

جو چیز دی گئی ہو وہ اگر معروف اور جانا بوجھا' زہر' ہو تو ایسی مقدار میں دینا بھی غالباً جرم شمار کیا جائے گا جس سے ضرر نہ پہنچ سکتا ہو لیکن اگر وہ زہر نہ ہو بلکہ ایسی چیز ہو جو صرف زیادہ مقدار میں دینے کی صورت میں مضر ہوتی ہو (جیسے مثلاً روغن بید انجیر یا تیز و تند شرابیں) تو کسی کو اُس کی صرف تھوڑی سی مقدار دینا جرم نہ ہوگا۔

اگر کوئی شخص جس کے قبضے میں کوئی گاڑی یا سواری (مثلاً بائیسکل) ہو کسی شخص کو چنچل پن کے ساتھ یا بے تحاشا طور پر ہانکنے سے یا دوڑ کرنے سے یا کسی اور دانستہ بدعنوانی یا بلکہ دانستہ غفلت[۴]

---

[۱] جسٹس ولس صفحہ ۷، ۳ جسٹس اسٹیفن صفحہ ۱۴۱۔ پولک صفحہ ۶۲۔

[۲] ۲۴ اور ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۲۴۔

[۳] (Reg. v. Cramp (1880 5 Q.B.D. 370) میں جسٹس فیلڈ اور جسٹس اسٹیفن کی آرا ملاحظہ کیجیے۔ اس مقدمے میں ایک دوسرے قانون کے اسی طرح کے الفاظ کے متعلق بحث تھی۔

[۴] ۲۴ اور ۲۵ وکٹوریہ کلاز ۱۰۰ دفعہ ۳۵۔ جسٹس ایکٹ نے (C.C.C. April 19,1928) یہ قرار دیا ہے کہ ڈرائیور کی غفلت مجرمانہ یعنی خباثت آمیز حد کی ہونا چاہیے۔ (صفحہ ۱۳۸ کتاب ہذا)۔

کی وجہ سے بھی کوئی جسمانی ضرر پہنچائے تو وہ ایک جرم صغیر کا مرتکب ہوگا جس کے لیے زیادہ سخت سزا مقرر نہیں ہے۔ (یعنی محض دو سال کی قید با مشقت ہے)۔

بے احتیاطی کے ساتھ یا اتنی رفتار سے یا ایسے طریقے سے گاڑی چلانا جو عامۃ الناس کے لیے خطرناک ہو ایسا جرم ہے کہ اگر 174
فرد جرم لگانے کے بعد مرتکب فعل اس کا مجرم قرار دیا جائے تو اُس کو دو سال کی قید یا اور جرمانے کی سزا دی جا سکے گی[1] اور سرسری تحقیقات ہونے کی صورت میں جرمانہ کیا جا سکے گا جس کی مقدار پچاس پونڈ سے زیادہ نہ ہوگی یا قید کا حکم دیا جا سکے گا جس کی میعاد چار ماہ سے زیادہ نہ ہو سکے گی، اور اگر وہ شخص بار دیگر سزایاب ہو تو بجز اس کے کہ کوئی خاص وجوہ ہوں عدالت اتنی مدت کے لیے جیسے وہ مناسب تصور کرے مجرم کو لائسنس رکھنے کے ناقابل قرار دے سکے گی اور اُس کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ ملزم کے پہلی مرتبہ سزایاب ہونے پر ہی وہ ایسا حکم دے دے[2]۔

بغیر کافی احتیاط یا معقول حد تک دوسروں کا لحاظ کیے اگر موٹر کار چلائی جائے تو سرسری تحقیقات کی صورت میں ملزم پر جرمانہ ہو سکے گا جس کی مقدار بیس پونڈ سے زیادہ نہ ہوگی اور بار دیگر مجرم قرار پانے کی صورت میں پچاس پونڈ تک جرمانہ کیا جا سکے گا یا قید کی سزا دی جا سکے گی جس کی میعاد تین ماہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ دفعۂ ہذا کے تحت اگر کوئی شخص سزایاب ہو تو پہلی یا دوسری مرتبہ سزایاب ہونے کی صورت میں

---

[1] دیکھیے صفحات ۵۰۸ اور مابعد کتاب ہذا۔

[2] روڈ ٹریفک ایکٹ ۱۹۳۰ء (۲۰ اور ۲۱ جارج پنجم کلاز ۴۳) دفعات ۶ اور ۱۱ صفحہ ۲۷ کتاب ہذا۔ روڈ ٹریفک ایکٹ ۱۹۳۴ء (۲۴، اور ۲۵ جارج پنجم کلاز ۵۰) دفعہ ۴۔

مجرم کو ایک ماہ سے زیادہ مدت کے لیے اور دوسری مرتبہ سزایاب ہونے کی صورت میں (یا در صورتے کہ پہلی سزایابی سے گزشتہ تین سال کی مدت کے اندر خطرناک طور پر گاڑی چلانے کے جرم میں سزا ہو چکی ہو) تین ماہ سے زیادہ مدت کے لیے لائسنس رکھنے کے ناقابل نہ قرار دیا جاسکے گا۔[1]

سرکار بنام اسٹرنجر (سنہ ۱۹۳۳ء) انگلس بنچ ۴۰۷ میں عدالت کریمنل اپیل نے ملزم کو خطرناک طور پر گاڑی چلانے کا مجرم قرار دیا حالانکہ انہی[2] واقعات کی بنا پر اسی جوری نے اس ملزم کو قتل انسان کے الزام سے بری قرار دیا تھا۔ عدالت نے اس غیر اطمینان بخش فیصلے میں اس امر پر روشنی نہیں ڈالی کہ خطرناک طور پر گاڑی چلانے کے جرم کا مجرم قرار دینے کے لیے جس قسم کی نیت مجرمانہ کی ضرورت ہے اس میں، اور قتل انسان کے لیے جس نیت مجرمانہ کی ضرورت ہے اس میں کیا فرق ہے۔

---

[1] روڈ ٹریفک ایکٹ ۱۹۳۰ء دفعات ۱۲ اور ۱۱۳۔ روڈ ٹریفک ایکٹ ۱۹۳۴ء دفعہ ۵۔

[2] اس فیصلے پر بحث و تبصرہ کیمبرج لا جرنل حصۂ پنجم صفحہ ۶۱ پر ہے۔ ڈبلو۔ سی۔ ٹرنر نے اپنے مقالۂ زیر عنوان " (Mens rea and Motorists) " میں کیا ہے۔

اگر کسی ملزم کے خلاف قتل انسان، اور خطرناک طریقے سے موٹر چلانا، دونوں الزامات کی بابت کارروائی کرنا ہو تو ہر جرم کی بابت، علٰحدہ فرد قرارداد جرم مرتب ہونا چاہیے (سرکار بنام اسٹرنجر) لیکن اس فیصلے کے بعد سے یہ قانون منظور ہو گیا کہ قتل انسان کی بابت فرد جرم مرتب ہوتے ہوئے جوری ملزم کو خطرناک طریقے سے موٹر چلانے کا مجرم بھی قرار دے سکتی ہے۔ (Road Traffice Act 1984 S. 84.) اس تعلق سے تبصرے کے لیے ملاحظہ ہو جے۔ ڈبلو۔ سی ٹرنر کا مقالہ کیمبرج لا جرنل حصہ ششم عدد ۱ صفحہ ۱۵۔

175 (ب) ۔ جرائم جن میں واقعی طور پر ضرر جسمانی کا پہنچنا ضروری نہیں ہے۔

کسی شخص کو ناجائز طور پر بعنوان تشدد جسمانی ضرر پہنچانے کا اقدام بااظہار آمادگی "حملہ" کہلاتا ہے[1]۔ اور اگر غصے انتقام یا ناشایستگی اور گستاخی کے طور پر اس جرم کا واقعاً ارتکاب ہو جائے تو اس وقت اس کو "زد و کوب" کہا جائے گا۔ بالفاظ دیگر حملے سے ایسی حرکت مراد ہے جس کے ذریعے سے کسی شخص پر ناجائز جبر[2] کے استعمال کا اقدام کیا جائے یا ایسے جبر کے استعمال کی تہدید کی جائے ۔ اور جب اس طرح کا استعمال جبر فی نفسہ واقعی طور پر انجام پا جائے تو اس کو "زد و کوب" کہا جائے گا۔ چنانچہ کسی شخص کی طرف گھوڑا بڑھانا "حملہ" ہے اور اس کو گھوڑے سے ٹکر دے دینا "زد و کوب" میں داخل ہے بغیر زد و کوب کے خالی حملہ کرنا بھی صرف دیوانی خلاف ورزی (ٹارٹ) ہی نہیں ہے بلکہ جرم صغیر بھی ہے۔ اگر "زد و کوب" ہو جائے تو گو کہ اس کی یہ اہمیت ضرور ہے کہ جن حرکات کے ذریعے سے حملہ کیا گیا تھا اُن کی معاندانہ نیت پر مبنی ہونے کا واضح ثبوت مل جاتا ہے پھر بھی اس سے جرم کی حیثیت میں اضافہ نہیں ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ عموماً دونوں جرائم کا ایک ساتھ ارتکاب ہوتا ہے اور پورا معاملہ قانوناً "حملے اور زد و کوب" کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے ۔ عام محاورے میں

[1] اگر کسی مقام عام میں حملے کا ارتکاب کیا جائے تو وہ "ہنگامہ" ہو جاتا ہے حملہ جس میں زد و کوب نہیں اُس کے لیے ملاحظہ ہو (Smith V. Newsvam (1673) 3 Keble 283)

[2] رسل کی تصنیف "جرائم" کے آٹھویں ایڈیشن (Russell on Crimes) کے فاضل ترتیب دہندگان کا خیال ہے (صفحہ ٨٣٩) کہ اس موقع پر "جبر" کے اندر روشنی، گرمی ۔ گیاس ۔ قوت برقی یا بو بھی داخل ہے۔

مختصر طور پر اُس کو محض "حملہ" کہا جاتا ہے اور اب عادۃً وکلا بھی اس لفظ کا اسی طرح استعمال کرتے ہیں کہ گویا اس لفظ کے اندر "زدوکوب" کا مفہوم بھی داخل ہے۔

زدوکوب میں بھی کسی واقعی ضرر کے پہنچنے کی یا اس کی تہدید
کی ضرورت نہیں ہے۔ خفیف ترین جبر کا اگر معاندانہ حیثیت سے
استعمال ہو تو کافی ہے۔ چنانچہ کسی شخص پر محض تھوک دینا
قابل ترتیب فرد جرم زدوکوب کی حد تک پہنچ سکتا ہے[1]۔ یہ ضروری
نہیں ہے کہ جو جبر یا قوت استعمال کی جائے (یا جس کا اندیشہ
دلایا جائے) اس میں ایک شخص کا دوسرے سے جسمانی اتصال ہو۔
اگر کسی شخص کے کپڑوں کو ضرر پہنچایا جائے (یا ضرر پہنچانے کی دھمکی
دی جائے) اور اُس کی جلد کو نہ چھوا جائے تو کافی ہے۔ اور اسی طرح 176
معاندانہ جبر کو براہ راست یا بالواسطہ دونوں طریقوں سے بروئے کار
لایا جاسکتا ہے، جیسے مثلاً کسی گھوڑے کو اس طرح مارا جائے کہ
وہ اپنے سوار کو گرا دے[2]۔ یا برف پر اسکیٹنگ کرنے والے
کے بالکل سامنے ہی برف توڑ دیا جائے[3]۔

---

[1] برطانوی عجائب خانے میں ایک قلمی تحریر ہے جس میں ۱۶۹۳ء کے ایک حملے کے دعوے کا حال لکھا ہے۔ یہ دعویٰ ایک ایسے شراب خانے کے مالک کے خلاف رجوع کیا گیا تھا جس کے ملازمین نے مدعی کو بغیر اپنا بل ادا کیے جانے دینے سے انکار کیا تھا۔ چیف جسٹس ہولٹ نے ملازمین کے اس روکنے کے عمل کو ناجائز قرار دیا، لیکن ہرجہ قلیل مقدار میں دلوایا۔

[2] (Dodwell v. Burfard (1630) 1 Nod. 24)

[3] ڈائجسٹ آف کریمنل لا ساتواں ایڈیشن فصل ۳۴۰ نمبر ۳ مرتبہ اسٹیفن اسی طرح (Rex, v. Jolly (S.A. Law Reports 1928, 176) میں جنوبی افریقہ کے سپریم کورٹ نے یہ قرار دیا کہ جج کا یہ عمل کہ اُس نے ریل کی پٹڑی میں

کسی دوسرے شخص کی آزادی سلب کرنے کے لیے اُس کو چھونا یا چھونے کی دھمکی دینا عموماً ضروری ہوتا ہے اسی لیے حبس بیجا کی دیوانی خلاف ورزی (ٹارٹ)[1] میں عموماً صریحی حملہ شامل رہتا ہے اور گو کہ اس ٹارٹ کے ارتکاب میں جس جبر کا استعمال کیا جائے اس میں اتصال جسمانی کی دھمکی کا کوئی دخل نہ ہو جب بھی دیوانی قانون کے نقطۂ نظر سے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ وہ حملے کی حد تک پہنچتا ہے اور اگر حملہ آور یہ جانتا ہو کہ وہ ناجائز عمل کر رہا ہے تو یہ فعل مجرمانہ حملے کی حد میں داخل ہو جاتا ہے[2]۔ حملہ آور زد و کوب دونوں میں کچھ نہ کچھ جسمانی حرکت کا ہونا ضروری ہے، چوں کہ فرض کیجیے کہ آپ محض بے حس و حرکت ہو کر کسی کی راہ میں حایل ہو جائیں اور آپ کا عمل ایسا ہو گویا کہ آپ دیوار یا دروازہ ہیں[3]۔ جیسے کوئی شخص کسی سائیکل والے کے سامنے خاموش کھڑا ہو جائے اور اس سے متصادم ہو کر سائیکل سوار گر پڑے تو خواہ اُس نے یہ عمل کتنے ہی دانستہ طور پر کیا ہو۔ لیکن اس کے خلاف حملے کی بنا پر کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ اس عنوان سے خرابی پیدا کی کہ بعد کی آنے والی گاڑی جو چند گھنٹے کے بعد آنے والی تھی پٹری سے اُتر جائے اور اس کی وجہ سے انجن ڈرائیور کو ضربات پہنچیں، زد و کوب میں داخل ہے۔

[1] اس ٹارٹ کے لیے ملاحظہ ہو قانون ٹارٹ، تیرھواں ایڈیشن باب ششم مصنفۂ پولک۔

[2] جیسے مثلاً ایک زچگی کرانے والے کو زچہ کے کمرے میں بند کر کے قفل لگا دیا گیا تھا تاکہ وہ قبل اس کے کہ اُس عورت کی زچگی ہو، وہاں سے چلا نہ جائے (Rex. v. Linsbery (1905), 69 J. P. 107) لیکن اس مقدمے میں ایسے حبس کے مجرمانہ ہونے کے متعلق جو واقعی، گو غیر صحیح، یقین یا حق کے تحت عمل میں لایا گیا ہو شبہہ کا اظہار کیا گیا تھا جیسے مثلاً گرفتاری ناجایز۔

[3] (Innes v. Wglie (1844), (I.C. and K. Page 268)

(اگرچہ اس طرح، کینے کے ساتھ شدید جسمانی ضرر پہنچانے کے جرم کا اطلاق ہو سکتا ہے)۔ اسی طرح محض الفاظ پر، خواہ وہ کتنے ہی تہدید آمیز ہوں، حملے کا اطلاق نہیں ہو سکتا[۲]۔ لیکن ان کے ذریعے سے حملہ نہ ہونے کا اظہار ضرور ہو سکتا ہے جیسے کہ ایک مقدمے میں ایک شخص نے بڑے تیور کے ساتھ اپنی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ الفاظ ادا کیے کہ "اگر یہ اسائز کا زمانہ نہ ہوتا تو میں تمہارے تلوار بھونک دیتا"۔

حملے کے اطلاق کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں خطرے کا وجود ہو[۳]، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے پر وار کرے لیکن وہ دوسرا شخص اتنی دور ہو کہ یہ اُس کو کسی ممکنہ طریقے سے نہ چھو سکتا ہو تو یہ یقیناً حملہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ حملے کے اطلاق کے لیے ہر حالت میں یہ ضروری ہے کہ اس تہدید کو جامۂ عمل پہنانے کے ذرائع موجود ہوں[۴]۔ اسی بنا پر گو کہ کسی شخص پر بھرا ہوا پستول چھتیانا یقینی طور پر حملہ ہے لیکن سرکار بنام جیمس (۱۸۴۴ء)[۵] میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ خالی پستول بڑھانا حملہ نہیں ہے۔ لیکن اس سے قبل کے ایک مقدمے سرکار بنام سنٹ جارج (۱۸۴۰ء)[۶] میں اس کے برخلاف یہ قرار دیا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ایسا آتشیں ہتھیار جس کو یہ خود جانتا ہے کہ خالی ہے کسی ایسے شخص پر چھتیائے جس کو اُس کے خالی ہونے کا علم نہ ہو، 177

---

[۱] چنانچہ وہ وحشت انگیز الفاظ جو ولکنسن بنام ڈاؤن ٹن (۱۸۹۷ء) ۲ کوئنس بنچ ۵۷ میں ہفتوں کی جسمانی تکلیف کا موجب ہوئے تھے، حملے میں داخل نہ تھے۔

[۲] (Tuberville v. Savage (1669), 1 Mod. 3.)

[۳] درصورتے کہ اتصال جسمانی عمل میں نہ آئے۔

[۴] چیف جسٹس ٹنڈال المقدمۂ Stephens v. Myers (1830), 4c. and P. 349

[۵] (1 C. and K. 530)

[۶] (9 C. and P. 483.) (صفحہ ۲۲۶ سے مقابلہ کیجیے)۔

اور وہ شخص اتنے قریب بھی ہو کہ (اگر یہ بھرا ہوتا تو) اُس کے چلنے سے
اُس کو ضرر پہنچ سکتا تھا، تو اُس کا یہ عمل حملے میں شمار کیا جائے گا۔ یہ
موخر الذکر رائے جس کی رو سے جرم اس خطرے پر مبنی قرار دیا گیا ہے
جو قدرتی طور پر (گو غلطی سے) شخص متضرر کے دل میں پیدا ہوتا ہے
قانون اسکاٹ لینڈ کے مطابق ہے[1]۔ اور امریکہ میں بھی، جہاں کی
عدالتوں کے سامنے یہ مسئلہ ہمارے ملک کی بہ نسبت زیادہ آیا ہے
اکثر و بیشتر نظائر سے یہی رائے ظاہر ہوتی ہے[2]۔
زہر خورانی ایسی حالت میں حملے میں شمار نہیں کی جا سکتی جب کہ
ضرر رسیدہ خود (جیسا کہ عموماً ہوتا ہے) اپنے ہاتھوں سے زہر کھائے[3]۔
کسی زمانے میں انگلستان میں اُس کی مخالف رائے پر عمل تھا اور امریکہ
میں اب تک اسی رائے کو پسند کیا جاتا ہے[4]۔ لیکن حملہ صادق
آنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ حملہ کرنے والے کی طرف سے
جسمانی قوت کا استعمال ہو۔ لہٰذا اگر گلاس کے واقعی طور پر
اُٹھانے کا کام اُسی شخص نے کیا ہو تو ایسی صورت میں بھی اس کا شمار

---

[1] براؤن ۲۹۴۔ اور کوئینس لینڈ کے قانون سے (Q.L.R. 1911 P. 206)

[2] (Common Weath v. White (1878) 110 Mess. 40.)-

۱۸۹۱ء میں نیو ساؤتھ ویلز کے سپریم کورٹ نے ذمہ دار قرار دیا ہے (12 N.S.W. 118)
اگرچہ ۱۸۷۰ء میں اس عدالت نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی تھی (9. S.C.R. 75)۔
جان کو خطرے میں ڈالنے یا جائداد کو شدید مضرت پہنچانے کی نیت سے آتشیں اسلحہ
یا گولی بارود کا سامان قبضے میں رکھنا جرم کبیر ہے اور اس کی بنا پر بیس سال تک
عوارض تعزیری عاید رہنے کی سزا دی جا سکتی ہے۔ (۱۰ و ۱۱ جارج پنجم
کلاز ۳۴ دفعہ ۷)۔

[3] (Reg v. Clarence (1889), 22 Q.B.P. 43)

[4] (Common weath v. Stratton (1873), 114 Mass. 303)

حملے میں نہ ہوگا[1] جب کہ زہر دینے والے نے اس کو غلط طور پر یہ باور بھی 178
کرایا ہو کہ وہ ایک بے ضرر چیز ہے اور اُس نے اسی بنا پر اس کو پیا ہو۔
دوسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ زہر کا عمل، بخلاف معمولی زد و کوب کے،
داخلی طور پر ہوتا ہے نہ کہ خارجی حیثیت سے، نیز یہ کہ یہ عمل بعنوان تاثیر کیمیائی
ہوتا ہے نہ بعنوان حرکت جسمانی۔

دوسرے شخص کے جسم کے خلاف جبر کا استعمال ہمیشہ ناجایز
نہیں ہوتا[2]۔ وہ خاص مواقع جن میں یہ قانوناً جایز ہوتا ہے (بشرطے کہ
فوری ضرورت کے تناسب سے زاید جبر کا استعمال نہ کیا جائے)
حسب ذیل ہیں:-

(۱) سرکاری اختیارات کی پیش رفت میں۔ مثلاً یہ کہ نقض امن
کو روکنے کی غرض سے یا کسی جرم کبیر کے مرتکب کو گرفتار[3] کرنے کے لیے
یا عدالت نے جس کارروائی کا حکم دیا ہو اُس کے نفاذ کے لیے
یا بھوک ہڑتال کرنے والے کسی قیدی[4] کو بجبر کھانا کھلانے کے لیے۔
قتل کے بیان میں اس پر کافی طور پر غور کیا جا چکا ہے[5]۔

(۲) جو بچے، شاگرد، یا کار آموز تمھاری نگرانی میں دیے گئے ہوں
اُن کی اصلاح و تادیب کے لیے۔ اس حق پر بھی کافی غور ہو چکا ہے[6]۔

---

[1] لیکن قانون موضوعہ کے قرار دادہ جرم "زہر دینا" کا ارتکاب ہوگا (صفحہ ۳۰۷ کتاب ہذا)۔

[2] صفحات ۱۱۶ - ۱۲۶ کتاب ہذا

[3] لیکن غیر ضروری طور پر ہتھکڑی پہنانا حملہ شمار کیا جائے گا۔ (3 D. and R. 800)

[4] (26 T.L.R. 189)

[5] صفحہ ۱۱۷ کتاب ہذا۔

[6] صفحہ ۱۲۳ کتاب ہذا۔ ۱۹۱۰ء میں ایک کار آموز کے بارے میں جس کا
سن سترہ سال کا تھا یہ حق تسلیم کیا گیا تھا۔ میک گی بنام رابنسن
(اخبار ٹائمز ۳۰ نومبر ۱۹۱۰ء)۔

(۳) اپنی ذات کے یا کسی جایداد پر اپنے قبضۂ جایز کے تحفظ میں (وہ جایداد خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ)۔

جس شخص کو مارا جاتا ہے وہ فطرۃً مدافعت کرنے پر مایل ہوتا ہے اور اسے جبر کے استعمال میں حق بجانب ہوتا ہے کہ وہ بارہ اس عمل کو نہ ہونے دے۔۱ (Parke, B.) حفاظت خود اختیاری کے تحت کسی شخص کو مارنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اولاً خود مار کھا لینے کا انتظار کیا جائے۔ اگر ایک فریق ضرر رسانی کی نیت سے ہاتھ اٹھائے تو دوسرا مارنے کا مجاز ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ حق حفاظت صرف اسی شخص کی ذات تک محدود نہیں ہے جس پر واقعتاً حملہ کیا گیا ہو بلکہ یہ حق ان تمام لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے جن پر اُس کی حفاظت کی نہ محض قانونی ذمہ داری ہو بلکہ آپس کے تعلقات اور میل جول کی بنا پر بھی اُس کی حفاظت کا فرض عاید ہوتا ہے۔ قدیم مصنفین اس حق کی مثال میں شوہر کی جانب سے زوجہ کی حفاظت کے، اولاد کی جانب
179 سے اپنے والدین کی حفاظت کے اور ایک ملازم کی جانب سے اپنے آقا اور آقا کی جانب سے اپنے ملازم کی حفاظت کے حقوق کا ذکر کرتے ہیں (اور عدالتیں شاید اب اور زیادہ وسعت نظر سے کام لیں گی اور ایک زبردست پر ایک کمزور کی حفاظت کی ذمہ داری کو تسلیم کریں گی۲)۔ ایک جدید اور روزمرہ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے کہ جلسہ ہائے عام کے منتظمین اُن لوگوں کو جو یہ کوشش جلسے کی برہمی کا باعث ہوتے ہیں وہاں سے علیحدہ کرنے میں جبر کا استعمال کرتے ہیں۔

---

۱ مقابلہ کیجیے صفحہ ۱۱۷ کتاب ہذا (Reg. v. Rose (1884), 15 Cox 54. (K.S.C. 140)

۲ (cf 2. C.C.C.R. 178, 11 Mod. 242; 1 East P.C. 292.

(1 Hawkins) ملاحظہ ہو صفحہ ۱۱۷ کتاب ہذا (XXXI, SS. 56 and 57.

لیکن صرف وہی ضربات حق بجانب قرار دی جاسکتی ہیں جو حفاظت خود اختیاری کی غرض سے لگائی جائیں نہ کہ وہ جن کا منشا انتقام ہو[1] لہذا خطرے کے کلیۃً ختم ہو جانے کے بعد یعنی جب حفاظت کے لیے کسی ضرب کی ضرورت باقی نہ رہی ہو تحفظ کرنے والا اگر ایک ضرب بھی لگا دے تو وہ حملے اور زد و کوب کا مجرم ہوگا[2]۔ ان اسلحہ کی اقسام کے متعلق جن کے ذریعے سے کسی حملہ آور شخص کے حملے کو دفع کرنا درست ہوسکتا ہے متعدد فیصلے موجود ہیں اور وہ سب اسی ایک اصول کے تحت صادر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ جیساکہ ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں[3]۔ جب کسی شخص پر اتنی انتہائی شدت کے ساتھ حملہ کیا جائے کہ اس کی جان بھی خطرے میں آجائے تو وہ حملہ کرنے والے شخص کو قتل تک کر دینے میں حق بجانب ہے۔ لیکن معمولی سے حملے کی صورت میں آتشیں یا دیگر خطرناک اسلحہ کا استعمال کسی طرح جایز نہیں ہوسکتا[4]۔ اور اسی طرح حفاظت خود اختیاری میں چاقو کا استعمال بھی مناسب نہیں ہے' اس کا استعمال صرف اس وقت ہونا چاہیے جب کہ شدید جسمانی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ ہو یا یا سرقہ بالجبر کو روکنا ہو[5] اگر کوئی شخص کوڑے سے حملہ کرے تو اپنی حفاظت کے لیے چاقو استعمال کرنا جایز نہ ہوگا[6]۔ لیکن یہ امر بہر حال ملحوظ رہنا چاہیے کہ

۱۔ (Studyon"Self-Defece," Dicay Law of Constitution)
(8 th. App. note.)

۲۔ (Reg. v. Driscoll (1841), C. and M. 214 (K.S.C.150)

۳۔ دیکھیے صفحہ ۱۷ کتاب ہذا۔

۴۔ (Dsborn v. Veitch (1858), 1 F. and F. 817 (K.S.C. 150)

۵۔ (Reg v. Hewlett (1858), 1 T. 91 (K.S.C. 150)

۶۔ یا جب کہ محض گھونسے سے حملہ کیا گیا ہو تو اس کا استرے سے دفع کرنا درست نہ ہوگا (4 Cr. App. R. 51)

جب حفاظت خود اختیاری میں ضرورت سے زیادہ جبر کا استعمال کیا جائے تو اس معاملے پر اس طرح نظر نہ کرنا چاہیئے کہ جتنا جبر بھی استعمال ہوا وہ سب ناجائز تھا۔ یہ واقعہ کہ اس جبر کا ایک جزو جائز طور پر استعمال ہوا تھا مثلاً اس حد تک اثر انداز ہو سکتا ہے کہ ضرر شدید پہنچانے کی نسبت سے زخمی کرنے کے جرم کے بجائے وہ محض ناجائز زخم رسانی کی حد
180 میں محسوب ہو۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حفاظت خود اختیاری صرف ذات ہی کے تحفظ کے لیے نہیں ہے بلکہ اپنی جایداد کے تحفظ کے واسطے بھی ہے، لہذا اگر کوئی شخص، تمھارے گھر میں یا تمھاری زمین میں (یا نیز ریل کے اس ڈبے میں جو تمھارے لیے مخصوص کیا جا چکا ہو[1]) گھس آئے اور کسی اور طریقے سے وہ وہاں سے نہ جائے تو اس کو نکالنے کے لیے جبر کا استعمال جائز ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر اس کا داخلہ ہی جبر کے ساتھ ہوا ہو جیسے نقب کے ذریعے سے یا پھاٹک توڑ کر تو اس کو نکالنے کے لیے فوری جبر کا استعمال جائز ہے[2]۔ لیکن ایک معمولی پر امن مداخلت کنندہ کو، جب تک کہ اس سے واپس جانے کی درخواست نہ کی جائے اور وہ اپنے ٹھیرنے پر اصرار نہ کرے، سختی کے ساتھ باہر ڈھکیل دینا جائز نہ ہوگا۔ حق آسایش میں مداخلت بھی مداخلت بے جا کی نوعیت رکھتی ہے لہذا اس کی حفاظت کے لیے بھی اسی طرح جبر استعمال کیا جا سکتا ہے[3]۔

جایداد منقولہ کی حفاظت کے متعلق بھی قابض کو اسی طرح کا حق حاصل ہے لہذا اگر کوئی شخص تمھارا سامان تمھارے پاس سے لے جانے کی کوشش

[1] (Cf. (1915) 1 K.B.I.)

[2] (Green v. Goddard (1704), 2 Salk. 641 (K.S.C. 147)

[3] کسی جلوس کے موقع پر اگر کوئی شخص آگے چل رہا ہو تو اپنے اس تقدم کی حفاظت میں اس کا مار پیٹ کرنا جائز نہیں سمجھا جا سکتا۔ (Ashton v. Jennings (1675), 2 Levinz 133.)

کرے تو تم اس عمل کو روکنے کے لیے جبر کا استعمال کر سکتے ہو[1] اور ایک جدید سند[2] کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر سامان تمھارے قبضے سے نکل جائے تو اس کے بعد بھی تم اپنے سامان پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے جبر کا استعمال کر سکتے ہو۔ لیکن جایداد غیر منقولہ کو بجبر واپس لینے کا حق کسی طرح نہیں ہے۔ رچرڈ ثانی کے زمانے کے ایک قانون کی بموجب مالک مکان اگر کسی ایسے مکان میں جس کا قابض کامل (گو کہ وہ قبضہ ناجائز ہی ہو) اس کو اس سے خارج کرتا ہو۔ بجبر داخل ہو جائے تو (باوجود اس کے کہ وہ مکان خود اسی کی ملک ہے) وہ جرم قابل ترتیب فرد کا مرتکب سمجھا جائے گا[3]۔ کیونکہ بخلاف جایداد منقولہ جایداد غیر منقولہ کے متعلق یہ خطرہ نہیں ہوتا کہ اگر مالک عدالتی چارہ جوئی تک
توقف کرے گا تو اس دوران میں جایداد تلف کر دی جائے گی یا ضایع 181
ہو جائے گی۔

(۴) قانونی جواز کا ایک اور موقع روزمرہ کی زندگی کے معمولی میل جول کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اتصال جسمانی کی عام صورتوں میں جبر کی ایک خفیف سی مقدار ناگزیر طور پر شامل رہتی ہے مثلاً کسی دوست کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرنے کی غرض سے اس کا شانہ تھپکنا یا کسی ہجوم میں کسی شخص کو کہنی سے ہٹا کر آگے بڑھ جانا۔ لیکن اس طرح کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عمل نیک نیتی کے ساتھ ہو[4]۔ اور اس میں غیر معمولی شدت

---

[1] (Bird v. Jones (1845), L.R. 7Q.B. 742.)

[2] (Blades v, Higgs (1865), 11 H.L.C. 621) .. تمہا معلوم ہوتا ہے کہ دارالامرا نے ضمنی طور پر اس اصول کو قبول کیا ہے۔ تاہم قانون ٹارٹ مصنفۂ پولاک تیرھواں ایڈیشن صفحات ۳۹ اور ۴۰ ملاحظہ کیجیے

[3] New ton v. Harland (1840), 1 Scott, N.R. 474; cf 17 Ch. D. at P. 188

[4] سنٹرل کریمنل کورٹ میں ۱۹۲۵ء (۱۰ جون) کو ایک شخص پر اپنی سابقہ منسوبہ پر حملہ کرنے کے الزام میں فرد قرارداد جرم مرتب ہوئی تھی حالانکہ اس عورت نے زیادہ سے زیادہ الزام یہ لگایا تھا کہ وہ اس نے میرا کوٹ پکڑ لیا اور کہا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ جسٹس سیین کی نے اس معاملہ کو

اور جوش نہ برتا گیا ہو۔

(۵) علاوہ ازیں ایسے افعال جو شخص متضرر کی رضامندی سے کئے جائیں جائز ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جبر نقض امن کا باعث نہ ہو یا بلاوجہ خطرناک نہ ہو۔ وہ امر جس کی نسبت کوئی شخص رضامندی ظاہر کرے ضرر نہیں خیال کیا جا سکتا (Volentinon fit injuria) چنانچہ کسی عورت کو پھسلا کر اس کی عفت میں خلل ڈالنا نہ قانون فوجداری میں حملہ متصور ہوتا ہے نہ ٹارٹ میں۔

لیکن رضامندی آزادی کے ساتھ دی جانا چاہیئے (یعنی بغیر جبر، خوف یا فریب کے) اور رضامندی دینے والا شخص بافہم اور صحیح الحواس ہو اور ایسے حالات میں ہو کہ جس معاملے کے متعلق رضامندی ظاہر کر رہا ہے اس کے بارے میں ایک معقول رائے قایم کر سکتا ہو[۱]۔ اگر معاملے کے اہم اور بنیادی امور کے متعلق فریب دیا گیا ہو[۲]۔ مثلاً دھوکا دینے والے کی شخصیت یا حملے کی نوعیت[۳] کے متعلق فریب دیا گیا ہو تو، فریب سے رضامندی باطل ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر کوئی دغا باز اپنے آپ کو ماہر جراح ظاہر کر کے کسی مریض کو آمادہ کر لے کہ وہ اس کے ہاتھ سے عمل جراحی کرانے کی بابت رضامندی دیدے تو وہ اس برائے نام رضامندی کے باوجود حملے کا مجرم ہوگا۔ رضامندی دینے والے کی دماغی صلاحیت کے متعلق یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ عفت پر حملے کی صورتوں کے لیے مجلس وضع قوانین نے یہ قانون

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جوری پر چھوڑ دیا اور جوری نے اس کو بہت ہی خفیف امر قرار دیکر ملزم کو بری کر دیا۔

[۱] چونکہ از راہ مجبوری کسی امر کی بابت راضی ہو جانے سے۔ (Submission) معنی ہمیشہ اجازت کے نہیں ہوتے۔

[۲] لیکن اگر امر قانونی کی بابت غلطی ہو تو اس کی بنا پر رضامندی باطل نہیں ہوتی۔

[۳] (Reg. v. Clarence (1889), 22 Q.B.D. 23. فیصلہ جسٹس اسٹیفن و نیز

(Rex. v. Williams (1923) 1 K.B. 340.)

منظور کیا ہے کہ دونوں صنفوں کے سولہ سال سے کم عمر کے بچوں کی رضامندی
کو صفائی میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔[1] اور اس طرح عمر کے متعلق ایک معین 182
کلیہ بنا دیا ہے، لیکن قانون متعلق بہ عمر ازدواج ۱۹۲۹ء میں جس کے
تحت وہ شادیاں جن میں جانبین میں سے ایک کی بھی عمر سولہ سال سے
کم ہو باطل قرار دی گئی ہیں، یہ منظور کیا گیا ہے کہ اگر ملزم کے ذمے عفت
پر حملہ کرنے کا یا ناجائز مباشرت کا الزام ہو اور وہ یہ ثابت کر دے کہ
معقول اسباب کی بنا پر اس کو یہ یقین تھا کہ وہ لڑکی (جس کے متعلق جرم
کا ارتکاب بیان کیا جا رہا ہے) اس کی زوجہ ہے[2] تو یہ صفائی قابل قبول
ہوگی۔ اگر ملزم سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی کی عفت پر حملہ کرے تو اس کی
جانب سے اس امر کے ثابت کرنے سے کہ لڑکی نے رضامندی ظاہر
کی تھی اور یہ کہ ملزم کے لیے یہ سمجھنے کے معقول وجوہ تھے کہ لڑکی کی عمر سولہ
سال سے زاید ہے ملزم کو کوئی فایدہ نہیں پہنچ سکتا، البتہ یہ صفائی
اس وقت مفید ہو سکتی ہے جب کہ ملزم پر سنگین تر جرم یعنی ناجائز
مباشرت کا الزام ہو اور لڑکی کی عمر تیرہ اور سولہ سال کے درمیان ہو اور
ملزم کی عمر تیئیس سال یا اس سے کم ہو اور پہلی مرتبہ اس جرم میں ماخوذ ہوا ہو
(سرکار بنام فورڈ ۱۹۲۳ء ۲ کنگس بنچ ۴۰۰) یہ صفائی ملزم کی چوبیسویں سالگرہ
تک قابل قبول ہو سکتی ہے (سرکار بنام چیپ مین ۱۹۳۱ء ۲ کنگس بنچ ۶۰۶)

---

[1] قانون ترمیم قانون فوجداری ۱۹۲۲ء دفعہ ۱۔

[2] (Rex. v. Laws (1929). 21 Cr. App. R. 45) "لارڈ ہیوارٹ چیف جسٹس نے کہا ہے کہ "درحقیقت یہ ایک بے ڈھنگی بات ہے کہ بڑے الزام میں تو قانون ایک صفائی پیش کرنے کا موقع دیتا ہے، لیکن چھوٹے الزام میں اگر وہی صفائی پیش کی جاتی ہے تو اس کو قبول نہیں کرتا"۔ لیکن دیکھیے (Rex. v. Keech) (1929), 21 Cr. App.R. 125.) و نیز (Rex. v. Maughan,(1934), 24 Cr App. R. 130 (K.S.C. 547) اور صفحہ ۲۰۵ کتاب ہذا۔

اگر اس لڑکی کی عمر تیرہ سال سے کم ہو تو یہ عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ اس کے
علاوہ بہترین اہلیت رکھنے والے شخص کی طرف سے مکمل ترین رضامندی
بھی ایسے حملے کو جائز بنانے کے لیے کافی نہیں ہے جس کی مفاد عامہ کے مد نظر
ممانعت کی گئی ہو۔ چنانچہ ایسے حملے کے متعلق رضامندی کے حاصل ہونے
سے، جس کی وجہ سے جان، عضو یا تندرستی کو انتہائی اور بلا سبب مضرت
پہنچے یا جو محض نقض امن کا ہی موجب ہو قانون فوجداری کی حد تک[۱] ملزم
کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کی یہ صفائی قابل قبول نہیں تصور کی جاتی۔
ایسے حملے کی بابت بھی جس سے کسی جسمانی ضرر کے پہنچنے کا احتمال ہو (خواہ
وہ ضرر انتہائی ہو یا نہ ہو) اور جو کسی اچھے مقصد کی بنا پر حق بجانب نہ ہو
183 مثلاً ورزش، جائز تادیب وغیرہ تو رضامندی کی صفائی قبول نہیں کی جاسکتی
لہذا اگر محاربین میں سے ایک فریق کو ضرر پہنچے تو اس سلسلے میں یہ صفائی
نہیں پیش کی جاسکتی کہ فریق متضرر نے رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ لیکن یہ
امر ہنوز طے نہیں ہو سکا ہے کہ خطرے کے کس حد پر پہنچنے کے بعد کسی شخص کو
قانوناً یہ حق نہیں رہتا کہ خود کو اس کے لیے پیش کرے (جیسے مثلاً تنی ہوئی
رسی پر سے گاڑی کے گزارنے کی اجازت دینا)[۲] لیکن درصورتیکہ کوئی ماہر
جراح عمل جراحی کرنے والا ہو اور کوئی شخص اغراض صحت کی خاطر اپنے کو
خطرے میں ڈالے (خواہ خطرہ کتنا ہی زیادہ ہو) تو عموماً نامناسب نہ ہوگا۔
اور اس طرح مریض کی رضامندی کی وجہ سے ایک ایسا حملہ جائز ہو جائیگا
جو رضامندی نہ ہونے کی صورت میں شدید ... میں شمار ہوتا اور وہ مضر ہیں

۱؎ سرکار بنام کونی (۱۸۸۲ء) ۸ کوئینس بنچ ڈویژن ۵۳۴ - صفحہ ۱۲۵ کتاب ہذا۔ دیوانی ذمہ داری
کے لیے ایسی رضامندی کے اثر کے متعلق دیکھئے قانون ٹارٹ مصنفہ پولاک تیرھواں ایڈیشن صفحات
۱۶۴ و مابعد۔ اور منتخبہ نظائر بابت ٹارٹ مرتبہ کینی صفحہ ۱۵۵۔ مغلطات مصنفہ بیولن ۱۱ III
۲؎ ۱۲۵ کتاب ہذا۔
۳؎ لیکن نوعمروں کے متعلق دیکھئے قانون بابت اطفال و اشخاص نوعمر ۱۹۳۳ء حصہ دوم۔

جو خالی کھیل کے دوران میں پہنچ جائیں کھیل کے جائز ہونے اور پوری احتیاط کے ساتھ کھیلے جانے کی صورت میں بلا سبب، نہیں تصور کی جاتیں۔[1]

تشدد کی اس مقدار کے متعلق جس کی بنا پر حملہ صادق آجاتا ہے اور ان حالات کی بابت جن کی بنا پر تشدد جائز ہو جاتا ہے جو قاعدے رائج ہیں وہ قانون ٹارٹ اور قانون فوجداری دونوں سے یکساں طور پر متعلق ہیں لیکن قانون کے ان دونوں شعبوں میں ان قواعد کی حد تک اختلاف ہے جن کا تعلق اس دماغی کیفیت سے ہے جو کسی شخص کو ممنوعہ تشدد کے استعمال کا مجاز بنا دیتی ہے۔ ٹارٹ کے مقدمات میں نیت یا محض غفلت[2] (اگر غفلت کی مقدار کافی ہو) خلاف ورزی کرنے والے کو ہرجے کی ادائی کا مستوجب قرار دے سکتی ہے (جیسے دکان کا کوئی ملازم کسی خریدار پر پھوہڑپن کے ساتھ کھولتا ہوا چائے دان انڈیل دے) لیکن کوئی شخص اس وقت تک حملے کی بنا پر فوجداری سزا کا مستوجب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس جرم کا ارتکاب بالارادہ نہ کیا گیا ہو۔[3]

ہم بہر حال یہ دیکھ چکے ہیں (صفحہ ۱۷۳) کہ کسی گاڑی کو بیجا طریقے پر 184
ہانکنے سے اگر کسی شخص کو جسمانی ضرر پہنچ جائے تو خواہ یہ ضرر دانستہ غفلت کی ہی بنا پر پہنچا ہو، اس کا شمار جرم میں ہو سکتا ہے۔

مندرجۂ ذیل حملوں کو قانون موضوعہ نے جرم صغیر قرار دیا ہے اور

---

[1] صفحہ ۱۲۵ کتاب ہذا۔ مقابلہ کیجئے (Deiser's yearbook of 12 Ric. 2, P. 125)

[2] ۔ (Weaver v. Ward (1627), نیز (Bigelow on Torts, 7 th Ed. Para 374.

[3] (Ack royd v. Barett (1895), 11 T.L.R. 115) اور مقابلہ کیجئے Commonwealth v. Adams (1873), 114 Mass. 323) ہندوستان، ریاست ہائے متحدہ (قانون فوجداری کتاب چہارم باب ہشتم مصنفۂ وھارٹن) اور اسکاٹ لینڈ (قانون فوجداری مصنفہ میکڈانلڈ صفحہ ۱۵۴) میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر بربنائے غفلت حملہ واقع ہو تو وہ داخل جرم نہ ہوگا۔

ان کے لیے دو سال کی قید سخت یا جرمانے کی سزا مقرر کی ہے :-

(۱) کسی جرم کبیر کے ارتکاب کی نیت سے حملہ۔

(۲) وہ حملہ جو یا تو خود حملہ آور کی یا کسی دوسرے شخص کی جائز گرفتاری کو روکنے کی نیت سے کیا جائے۔[2]

(۳)۔ وہ حملہ جو پولیس کے کسی جوان پر ایسی حالت میں کیا جائے جب کہ وہ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مصروف ہو یا کسی دوسرے ایسے شخص پر جو ایسے جوان کی مدد کر رہا ہو۔[3]

(۴) کسی عورت کی عفت پر حملہ۔[4]

---

[1] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریا کلاز ۱۰۰ دفعہ ۳۸۔

[2] ایکٹ مندرجۂ بالا۔

[3] ایکٹ مندرجۂ بالا۔

[4] ایکٹ مندرجۂ بالا دفعہ ۵۲۔ لیکن کسی مرد پر خلاف وضع فطری فعل کے ارتکاب کے ارادے سے حملہ کرنا گو کہ محض جرم صغیر ہے لیکن اس کی بنا پر دس سال کی سزا دی جاسکتی ہے (دفعہ ۶۲)۔

اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کے متعلق آراء میں اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ کیا اس جرم کے اطلاق کے لیے اس فعل کا ناشایستہ ہونا ضروری ہے یا یہ کافی ہے کہ وہ فعل گو بجائے خود شایستہ ہو لیکن ناشایستہ مقصد کے لیے کیا گیا ہو۔ نیو ساؤتھ ویلز کے سپریم کورٹ نے اول الذکر رائے اختیار کی ہے۔ (Reg. v. Culgan (1898) اور اس کے نزدیک ملزم کا یہ فعل کہ اس نے بازاری عورت کو ایسے مقام تک کھینچ کر لیجانے کی کوشش کی، جہاں وہ اس کے ساتھ مباشرت کر سکے اطلاق جرم کے لیے کافی نہ تھا۔ اور یہی رائے جنوبی افریقہ کے سپریم کورٹ کی ہے۔ (Rex. v. Abrahams, C. G. H. (1918) 590. لیکن انٹیریو کے سپریم کورٹ کی رائے اس کے خلاف ہے (Rex. v. Chong (1915), 32 Ontario 66.) انٹیریو کی عدالت نے قرار دیا ہے کہ ناشایستہ حملہ وہ حملہ ہے جس میں ناشایستگی کا عنصر موجود ہو، خواہ وہ عنصر محض دماغی ہو

معمولی حملہ بھی قابل ترتیب فرد جرم، جرم صغیر ہے اور بعد ترتیب فرد جرم، اس کی بنا پر ایک سال کی قید سخت یا جرمانے کی سزا دی جا سکتی ہے[1]۔

جس شخص پر حملہ کیا جائے اس کو عموماً یہ اختیار حاصل ہے کہ ملزم کو عدالت پٹی سسشن کے روبرو پیش کر کے سرسری داد خواہی کرے۔ چونکہ اگر حملے میں 185
(۱) کسی اراضی کی حقیت[2] کی نزاع شامل ہو یا (۲) اس کے ساتھ کسی جرم کبیر کے ارتکاب کا اقدام بھی کیا گیا ہو تو بہ ترتیب فرد جرم جوری کی مدد سے اس کی سماعت ہونا ضروری ہے، تاہم حملے کی معمولی صورتوں میں دو جسٹس آف دی پیس کے روبرو بغیر جوری کی مدد کے سرسری سماعت ہو سکتی ہے[3]۔ لیکن اس حیثیت کی عدالت زیادہ سے زیادہ مندرجۂ ذیل سزائیں دے سکتی ہے :۔

(الف) پولیس کے ایسے جوان پر حملہ کرنے کی سزا جو اپنے فرض کی انجام دہی میں مصروف ہو تو ماہ قید سخت ہے۔ یہ سزا ایسے لوگوں کو

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مصنف کتاب ہذا کو بجز لارڈ ایشر کی نظیر (جو اس وقت جسٹس برٹ تھے) بمقدمۂ کرنل ویلن ٹائن بیکر کے (اخبار ٹائمس، ۳۰ جولائی اور ۳ اگست ۱۸۷۵ء) اس مسئلے کے متعلق اور کوئی انگریزی نظیر نہیں ملی۔ جسٹس موصوف نے کناڈا کی عدالت کا تتبع کیا اور گرینڈ جوری کو یہ ہدایت کی کہ وہ اگر کوئی شخص کسی نوجوان عورت کا اس کی مرضی کے خلاف بوسہ لے اور اس عمل میں شہوانی جذبات کا دخل ہو، اور اس سے اس کی غرض اپنے جذبات شہوانی کی تسکین یا اس کے جذبات شہوانی کا ابھارنا ہو تو یہ (ناشائستہ) حملہ، عفت میں خلل ڈالنے کی خاطر حملہ سمجھا جائیگا عموماً خوشی اور مسرت کے زمانے میں جوان لوگوں کی بوسہ بازی ناشائستہ نہیں سمجھی جا سکتی لیکن کسی مرد کا جذبۂ شہوانی کے تحت بوسہ لینا ناشائستہ (عفت میں خلل ڈالنے والا) حملہ تصور کیا جائے گا۔" اس زمانے میں بوسہ لینے کا عمل رومائی عہد کی طرح مذموم اور قابل نفرت جرم نہیں تصور کیا جاتا۔

[1] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریا کلاز ۱۰۰ دفعہ ۴۷۔

[2] ایکٹ مندرجۂ بالا دفعہ ۴۶۔

[3] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریا ۱۰۰ دفعہ ۴۲۔

دی جا سکے گی جو قریبی زمانے میں اسی طرح کے حملے کی بدولت سزایاب ہوچکے ہوں[۱]۔

(ب) چھ ماہ کی قید سخت یا جرمانہ بقدر۔

(i) بیس پونڈ، کسی ایسے پولیس کے جوان پر حملہ کرنے کی صورت میں جو اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مصروف ہو[۲]۔

(ii) پچاس پونڈ[۳]، کسی چودہ سال سے کم عمر کے لڑکے یا عورت پر حملہ کرنے کی حالت میں[۴] بشرطیکہ حملے کی نوعیت زیادہ سخت ہو[۵]۔

(ج) معمولی حملے کی بابت دو ماہ کی قید سخت یا پانچ پونڈ جرمانہ۔

اس صورت میں جسٹس (مجسٹریٹ) صرف اس وقت سرسری سماعت کرسکتے ہیں جبکہ استغاثہ فریق ضرر رسیدہ نے (یا ضرر رسیدہ کے کمسن ہونے کی صورت میں اس کی جانب سے) کیا ہو محض پولیس نے نہ کیا ہو[۶]۔

۱۔ ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریا کلاز ۱۰۰، دفعہ ۴۲۔

۲۔ ایکٹ مندرجہ بالا۔ خواہ ملازم کو یہ نہ معلوم ہو کہ وہ شخص پولیس کا جوان ہے (73 J, P. 176.)

۳۔ تحت کریمنل جسٹس ایکٹ ۱۹۲۵ء دفعہ ۳۹۔ اس ایکٹ کے ذریعے سے ملزم صورت (ب) ii اور (ج) میں بذریعۂ مچلکہ بھی پابند کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ اس کے ناشائستہ ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے جبر کی بنا پر۔

۵۔ لیکن ۲۴ اور ۲۵ وکٹوریا کلاز ۱۰۰ دفعہ ۴۳ کے تحت عورتوں اور بچوں پر سخت حملہ کرنے کی جو کارروائیاں کی جاتی ہیں ان میں اس طرح مقدمہ چلانے کا حق محدود نہیں کیا گیا ہے۔ واضعان قانون کے پیش نظر بیویوں کو مارنے والے لوگ تھے اور وہ یہ جانتے تھے کہ ضرر رسیدہ بیویاں بہت ہی جلدی معاف کرنے کے لیے راضی ہو جاتی ہیں۔

اس کے برخلاف کیمبرج میں پراکٹر اور انکے تحت کے لوگ ان حملوں کی حد تک جن کا وہ اپنے پراکٹر ہونے کی حیثیت سے ارتکاب کریں جسٹسوں کے سرسری اختیار سماعت سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ شخص متضرر نمبری استغاثہ یا دیوانی نالش کرسکتا ہے (Cambridge Award Act 1856, 19 Vict. C. XVII, s. ...)

اس ایکٹ کے منظور ہونے کی وجہ وہ جرمانہ تھا جو پراکٹر اور اس کے دو آدمیوں پر ۳ دسمبر ۱۸۵۰

کیونکہ اس سرسری ضابطے کو اختیار کر لینے سے ضرر رسیدہ کا دیوانی چارہ جوئی کا حق باقی نہیں رہتا۔[1]

قوانین ۵۸ اور ۵۹ سنہ جلوس وکٹوریائی کی رو سے ہر عدالت جو 186
کسی شوہر کو اپنی زوجہ پر شدید حملہ کرنے کے جرم کا (سرسری طور پر یا اس کے خلاف) مجرم قرار دے اور اس کو اس امر کے باور کرنے کے وجوہ ہوں کہ عورت کی حفاظت خطرے میں ہے تو وہ یہ حکم دے سکے گی کہ زوجہ آیندہ سے اس کے ساتھ ہم بستری پر مجبور نہ ہوگی اور اس کے نفقے کی ادائی کے لیے بھی حکم دے سکے گی۔ اول الذکر حکم کا اثر عدالتی افتراق کا ہوگا۔[2] اس قانون میں جو لفظ "شدید" استعمال ہوا ہے وہ محض اسی مفہوم میں استعمال نہیں کیا گیا ہے جس میں اس کو قانون موضوعہ نے دیگر مقامات پر استعمال کیا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:- کو تصبے کے جبشوں نے کیا تھا۔

[1] ۱۹۲۲ء میں ریلوے کمپنیاں اس امر پہ راضی ہوگئیں کہ ان کے ملازمین پر جو حملے کیے جائیں گے ان کی بابت وہ کمپنیاں، درصورتیکہ ضرر رسیدہ ملازم کو ہرجے کا دعویٰ کرنے کا موقع ہو، فوجداری دعویٰ نہ کریں گی۔

[2] طلاق کا نہیں۔ چنانچہ فریقین میں سے کوئی ایک بھی کسی دوسرے سے شادی نہ کر سکے گا۔

باب ۱۱

187 ## آتش زنی اور جائداد کی دوسری قسم کی بالارادہ نقصان رسانی

جرائم متعلق بہ ذات پر بحث کرنے کے بعد جب ہم جرائم متعلق بہ جائداد پر آئیں تو ان متعدد جرائم میں سے جو حق ملکیت میں خلل انداز ہوتے ہیں ہمیں اولاً دو قدیم جرائم۔ آتش زنی اور نقب زنی ــــ اور ان کی مختلف نوعیتوں سے بحث کرنا چاہئیے۔ ان دو جرائم کو قدیم الایام سے مخصوص طور پر سنگین تصور کیا جاتا ہے۔ ان کی تاریخی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ قدیم انگریزی قانون لوگوں کے مقامات سکونت کو خاص احترام کی نظر سے دیکھتا تھا۔ ایک مکان مسکونہ کو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے ساکن کی ایک گڑھی اور قلعہ ہے جو اس کو مضرت اور تشدد سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ اس کی راحت و عافیت کا ضامن ہے! ہر شخص کے لیے اس کا گھر بہترین جائے پناہ ہے۔[1] چنانچہ کسی ادنیٰ جھونپڑے کو بالارادہ آگ لگا دینا اب تک سنگین جرم کبیر تصور کیا جاتا ہے حالانکہ اتنے ہی ارادے کے ساتھ

---

[1] (Semayne's Case (1604), 5 Co Rep. 91)

کسی نادر تصویر یا کسی بے بہا مشجر پردے کو آگ لگا دینا زیادہ سے زیادہ جرم صغیر شمار کیا جائے گا، اور کامن لا میں تو اس کا جرم میں شمار ہی نہ تھا۔

آتش زنی[1] کے جرم کبیر کی کسی زمانے میں نہایت ہولناک سزا مقرر تھی یعنی یہ کہ مجرم کو اس جرم کی پاداش میں زندہ جلا دیا جاتا تھا[2]۔ لیکن کسی مکان کو آتش زنی کے علاوہ کسی اور طریقے سے تباہ کر ڈالنا کامن لا میں قطعاً کوئی فوجداری جرم تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ مجلس وضع قوانین نے بہرحال اب اس کمی کو پورا کیا ہے اور کسی مکان[3] کو بلوہ کرکے منہدم کر دینا جرم کبیر اور بلوہ کرکے اس کو نقصان پہنچانا[4] جرم صغیر قرار دیا ہے۔ دیگر بلوے سے قطع نظر ہر جائداد کی نقصان رسانی کو خواہ وہ مکان ہو کہ نہ ہو، جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس جرم کی بابت بعض اوقات فرد جرم لگا کر اور بعض اوقات سرسری طور پر سماعت کرنے کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ طریقۂ سماعت میں یہ فرق نقصان کی مقدار کے لحاظ سے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۹)۔

کامن لا میں آتش زنی کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی تھی کہ کینے سے 188
اور عمداً دوسرے شخص کے مکان یا ہوتات کو جلا دینا، آتش زنی ہے۔ کینے کے وجود کو ضروری قرار دینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آتش زنی ان قدیم ترین جرائم میں سے ہے جن میں دماغی عنصر کو اہمیت حاصل تھی۔ بہت قدیم زمانے میں لوگوں کو اس آگ میں جو بالقصد لگائی گئی ہو اور اس آگ میں جو بالقصد نہ لگائی گئی ہو امتیاز کرنا پڑتا تھا[5]۔

---

[1] آتش زنی کو انگریزی میں (Arson) کہتے ہیں جو لاطینی لفظ (ardes) (میں جلاتا ہوں) سے مشتق ہے۔

[2] (Britton, 1, 41)

[3] ۲۴ و ۲۵ وکٹوریا کلاز ۹۷ دفعہ ۱۱۔

[4] ایکٹ مندرجۂ بالا دفعہ ۱۲۔

[5] پولک و میٹ لینڈ II صفحہ ۴۹۱۔

جرم کو دوسرے شخص کے مکان کو جلا دینے کی حد تک محدود کر دینے میں اصل منشا مالک کے حقوق کی حفاظت نہ تھا بلکہ اصل منشا یہ تھا کہ جو شخص واقعی طور پر اس میں سکونت رکھتا ہو اس کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ اگر کوئی کرایہ دار کسی مکان پر واقعتاً قابض ہوتا اور اس کی مدت کرایہ داری ایک دن سے زاید قایم رہنے والی نہ ہوتی تو اس مکان کو جلا ڈالنے کی صورت میں وہ آتش زنی کا مجرم نہ ہوتا تھا لیکن بخلاف اس کے مکان کرایہ دار کے قبضے میں ہونے کی حالت میں اگر خود مالک مکان اس مکان میں آگ لگا دیتا تو وہ آتش زنی کا مجرم قرار دیا جاتا تھا۔

لیکن کامن لا والی تعریف اب قائم نہیں رہی۔ آتش زنی کے متعلق جو متعدد قوانین وضع کیے گئے ہیں ان میں کسی قدر مختلف نوعیت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اس وجہ سے وہ سابقہ تعریف اب صادق نہیں آتی وہ جملہ قوانین اب اس قانون میں یکجا کر دیے گئے ہیں جو کینے سے نقصان پہنچانے کی بابتہ ۱۸۶۱ء میں منظور ہوا ہے[1]۔ (Malicious damage Act 1861)

اب اس قانون کی رو سے عمارتوں یا کسی اور جائداد کو جو خاص طور پر آتش گیر نوعیت کی ہو آگ لگا دینے کے جرم کبیر کو آتش زنی کہتے ہیں۔ اس جرم کی بنا پر مختلف سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ آتش زنی کی ایک انتہائی شاذ صورت یعنی شاہی جہاز اور گودام کو آگ لگا دینے کی پاداش میں قانون موضوعہ کی رو سے اب تک (برائے نام) سزائے موت مقرر ہے[2]۔

189 دوسری سنگین ترین قسم وہ ہے جس میں حبس دوام کی سزا دی جا سکتی ہے[3]، اور وہ (۱) کسی گرجا[4]، ریلوے اسٹیشن[4]، عامۃ الناس کے استعمال کی

---

[1] ۲۴ و ۲۵ وکٹوریا کلاز ۹۷۔ نیز دیکھئے ڈائجسٹ آف کریمنل لا ساتواں ایڈیشن فصول ۵۳۲ - ۵۳۸ -

[2] ۱۲ سنہ جلوس جارج سوم کلاز ۲۴ دفعہ ۱ (قانون تحفظ گودام جہاز)، ۷ و ۸ سنہ جلوس جارج چہارم کلاز ۲۸ دفعات ۶ و ۷۔

[3] ۲۴ و ۲۵ سنہ جلوس وکٹوریا کلاز ۹۷ دفعہ ۱۔

[4] ایکٹ مندرجہ بالا دفعہ ۲

عمارت[1]، گودام[2]، کوئلے کی کان[3]، یا جہاز[4] کو (۲) مکان مسکونہ کو جب کوئی شخص اس کے اندر موجود ہو[5] اور (۳) تقریباً ہر قسم کی عمارت کو جب کہ یہ عمل کسی شخص کو مضرت پہنچانے یا فریب دینے کی نیت سے کیا جائے[6]، آگ لگانا ہے۔ لیکن عمارت کو مذکورۂ بالا حالات کے بجائے کسی دوسرے حالات میں[7] یا فصل یا باغ[8] وغیرہ کو آگ لگانے کی انتہائی سزا صرف چودہ سال تک عوارض تعزیری کا عاید رہنا ہے۔

یہ واضح ہو گیا ہوگا کہ آتش زنی کی بابت جو موضوعہ قانون ہے وہ کامن لا کے اصول کی بہ نسبت بہت زیادہ وسیع ہے۔ یہ جرم اب مکانات اور ان کے متعلقہ ہیوتانات تک محدود نہیں رہا اور علاوہ بریں جو چیز جلائی گئی ہو اس کا قابض بھی اب اس جرم کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

قانون موضوعہ کے دو جملے 'کینے سے' اور 'آگ لگانا' توضیح طلب ہیں۔

(الف) 'کینے سے' — ہم دیکھ چکے ہیں[9] کہ محض غفلت کی بناء پر کوئی مکان جلا دینا، خواہ وہ غفلت کتنی ہی فاش ہو، جرم نہیں ہے (انگریزی قانون

---

[1] دفعہ ۵۔

[2] دفعہ ۱۷۔

[3] دفعہ ۲۶۔

[4] دفعہ ۴۲۔

[5] دفعہ ۲۔

[6] دفعہ ۳۔

[7] دفعہ ۶۔

[8] دفعہ ۱۶۔

[9] صفحہ ۸۸ کتاب ہذا۔ جیسے مثلاً کوئی سگریٹ پینے والا سگریٹ سلگا کر بے خیالی میں دیا سلائی کسی ذخیرے پر پھینک دے۔

میں یہ ایک ایسی فروگذاشت ہے کہ اس کی طرف مجلس وضع قوانین کو توجہ کرنا چاہیئے) تا اینکہ اگر یہ فاش غفلت کا واقعہ کسی جرم کبیر کے ارتکاب کے دوران میں واقع ہوا ہو تب بھی) یہ عمل مجرمانہ آتش زنی میں شمار نہ ہوگا۔ کیونکہ قانون موضوعہ میں جب کسی جرم کی تعریف کی گئی ہے تو لفظ "کینے"، گو، جیسا کہ ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں[1]، کامن لا کی طرح اس کے مبہم معنی میں یعنی عمومی کجروی کے مفہوم میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس سے اس کی مراد خاص اس قسم کا ضرر پہنچانے کی نیت سے ہوتی ہے جو فی الواقع پہنچایا جائے (یا یہ کہ اس عمل کے کرنے میں خطرہ موجود ہونے کے باوجود بے اعتنائی

190 برتی جائے[2]) لہذا اگر کوئی مجرم نقب زنی یا کسی دوسرے جرم کبیر کے ارتکاب میں مشغول ہو اور غفلت سے کسی مکان میں آگ لگادے تو عام حالات میں وہ آتش زنی کا مجرم نہ ہوگا[3]۔ ایسی شاذ صورتوں میں جن میں اصل جرم جس کا وہ مرتکب ہو رہا ہو ایسا ہو کہ اس کے ارتکاب سے خود ہی آگ لگانا لازم آتا ہو تو وہ اس جرم کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ کیونکہ ہر شخص اپنے افعال کے ایسے جملہ نتائج کا ذمہ دار ہے جن کے رونما ہونے کا اس کو احتمال ہو۔ چنانچہ قدیم کامن لا کی رو سے اگر کوئی شخص بالارادہ اپنا مکان جلادیتا (جو اس زمانے میں آتش زنی کے جرم میں داخل نہ تھا) اور اس وجہ سے اتفاقی طور پر اس کے ہمسایے کا ملحقہ مکان جل جاتا تو وہ آتش زنی کا مجرم ہوسکتا تھا، کیونکہ ایسی صورت میں خطرے کے واضح طور پر ظاہر ہونے کی وجہ سے کینے کا بادی النظری قیاس قایم کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر وہ شخص جس نے کینے کی بنا پر کسی ایسی شے کو آگ لگادی ہو جس کو جلادینا

---

[1] صفحہ ۱۰ کتاب ہذا۔ (Reg. v. Pembliton (1874, 2 C.C.R. 119 (K.S.C. 157)

[2] اس کے برخلاف یہ ضروری نہیں ہے کہ شخص متضرر کی بدخواہی مقصود ہو۔ ملاحظہ ہو صفحات ۱۵۳ و ۱۹۴ کتاب ہذا۔

[3] (Reg. v. Faulkner (1876), 11 Ir.C.L. 8.(K.S.C. 152)

جرم آتش زنی نہیں ہے اور آگ پھیل کر اتفاق سے ایسی عمارت تک پہنچ جائے جس کو آگ لگانا آتش زنی کے جرم میں داخل ہے تو لازمی طور پر وہ شخص آتش زنی کا مجرم قرار پا جائے گا۔ چونکہ اگر کوئی شخص گھر کے اندر کسی چیز بست کو شرارت سے جلانا چاہے اور اس سلسلے میں بالکل سوء اتفاق سے مکان کو آگ لگ جائے تو اس کو مکان کی آتش زنی نہ کہا جائے گا[1]۔ اور اگر مکان کے اندر اس چیز بست کو آگ لگانے سے خود مکان کے جل جانے کا حقیقتاً احتمال ہو تو ایسی صورت میں بھی وہ اس کی آتش زنی کا لازمی طور پر مجرم نہ قرار پائے گا۔ چونکہ آتش زنی کے لیے یہ ضروری ہے کہ آگ لگانے والے نے یا تو یہ نیت کی ہو کہ اس عمارت کو آگ لگ جائے یا کم از کم اس کے نزدیک اس امر کا قوی احتمال ہو کہ اس میں آگ لگ جائے گی اور اس نے آگ کے لگنے نہ لگنے کے متعلق لاپرواہی برتی ہو[2]۔

191 (ب) قانون موضوعہ میں کسی مکان کو "آگ لگا دینا" کے الفاظ

---

[1] نہ مکان کی اور نہ ان اشیا کی جو نذر آتش ہو گئیں، چونکہ دفعہ ۷ کے تحت اگرچہ کسی عمارت کے اندر (یا مقابل میں) وکسی مادے یا شے، کو آگ لگانا جرم کبیرہ ہے، لیکن دفعہ ہذا صرف ایسی حالت میں متعلق ہوتی ہے جب کہ آگ لگانے والا جانتا ہو اور جان بوجھ کر اس خطرے کی طرف سے لاپرواہی برتے جو اس عمل سے عمارت کو پہنچتا ہو۔ (Reg. v. Child (1871) (1.C.C. R. 307; Reg. v. Nattrass (1882), 15 Cox 73) (K.S.C. 156)

[2] (Reg. v. Harris 1887), 15 Cox 75 (K.S.C. 154) اسی طرح ایک ملزم کے مقابل میں کینے سے ایک ریلوے لائن میں ان مسافروں کی جان کو خطرے میں ڈالنے کی نیت سے جو اس پر سفر کر رہے تھے رکاوٹ پیدا کرنے کی بابت فرد قرارداد جرم مرتب ہوئی۔ جوری کی رائے میں وہ "اس فعل کا مجرم تھا لیکن اس کی نیت ضرر پہنچانے کی نہ تھی بلکہ اس عمل سے اس کی غرض یہ تھی کہ وہ اپنے آجروں کو یہ ظاہر کر کے کہ اس نے اس رکاوٹ کا پتا لگایا ہے خوش کرے" قرار دیا گیا کہ جوری کی اس رائے کا منشا یہ ہے کہ وہ مجرم نہیں ہے (اخبار ٹائمس ۲۹ جولائی ۱۹۰۰ء)۔

استعمال ہوئے ہیں اور کامن لا 'جلانے' پر مواخذہ کرتا تھا۔ لیکن یہ محض لفظی فرق معلوم ہوتا ہے چونکہ 'آگ لگا دینا' کے محض یہ معنی نہیں ہوتے کہ کسی چیز کے مقابل میں آگ رکھ دی جائے بلکہ اس کے معنی واقعی طور پر 'نذر آتش کر دینا' ہوتے ہیں۔ اگر کسی عمارت کے چوبینے کے کسی حصے کو تیز حرارت یا آنچ پہنچا کر سوختہ کر دیا جائے تو خواہ شعلہ نہ اٹھے[1] تب بھی کافی ہے کیونکہ بعض اقسام کی لکڑی کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ وہ بالکل جل جاتی ہے لیکن اس سے قطعاً شعلہ نہیں بلند ہوتا۔ البتہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر آگ سے لکڑی کا کچھ حصہ جھلس کر سیاہ ہو گیا ہو اور کوئی جزو واقعی طور پر تلف نہ ہوا ہو تو جرم کے اطلاق کے لیے یہ کافی نہیں ہے[2] گو لکڑی کے محض سیاہ ہو جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مسامات کی ترکیب کیمیاوی میں (لکڑی کے کوئلے کی طرح) فرق پیدا ہو گیا ہے لہذا اس کے اجزائے ترکیبی میں اختلال کا پیدا ہو جانا اور (جیسا کہ سر جیمس اسٹیفن نے پہچان بتلائی ہے[3]) نتیجتاً اس کے وزن میں واقعی طور پر کمی آ جانا ضروری ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقتاً لکڑی کا کچھ جزو تلف ہو جاتا ہے لیکن سرکار بنام رسل (۱۸۴۲ء) میں غالباً اس امر کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

جائداد کی مضرتوں میں صرف آتش زنی ہی وہ مضرت تھی جس کو کامن لا نے جرم میں شمار کیا تھا۔ جائداد کی شرارت آمیز مضرت رسانی کی دوسری تمام صورتیں محض مداخلت بیجا شمار کی جاتی تھیں، اور ان کے متعلق محض دیوانی چارۂ کار حاصل تھا۔ لیکن قانون موضوعہ کے ذریعے سے جائداد کو بدنیتی کے ساتھ مضرت پہنچانے کی مختلف نوعیتوں کے واسطے فوجداری سزاؤں کی متعدد صورتیں پیدا کی گئیں۔

کینے سے نقصان پہنچانے کی بابت سنہ ۱۸۶۱ء کے قانون (Malicious Damage Act 1861.)

ا (Reg. v. Parker (1839); 9 C. and P. 45.

۲ C. and M. 451.

۳ ڈائجسٹ آف کریمنل لا ساتواں ایڈیشن فصل ۴۳۲ نمبر ۵۔

کے تحت مختلف جائدادوں کی خاص اقسام کو نقصان پہنچانا مختلف حیثیتوں کا جرم قرار دیا گیا ہے۔ یہ جرائم ان جرائم کبیرہ سے شروع ہو کر جن کی پاداش میں تاحیات عوارض تعزیری عائد رہتے ہیں (مثلاً کپڑا بننے کے کاروبار میں جو مشینیں
کام میں آتی ہیں یا بافتنی سامان جو تیار کیا جا رہا ہو، ان کا تباہ کرنا[1]) ان 192
افعال تک پہنچتے ہیں جن کی بابت محض سرسری سماعت کے بعد سزا تجویز کر دی جاتی ہے۔

دوسری تمام منقولہ یا غیر منقولہ جائدادوں کو نقصان پہنچانے کی بابت جو ان اقسام میں شامل نہیں کی گئی ہیں حسب ذیل عمل ہوتا ہے:۔

(۱) کینے سے نقصان پہنچانا قابل ترتیب فرد جرم، جرم صغیر ہے اور (الف) جب اس کا بوقت شب (یعنی نو بجے شب اور چھ بجے صبح کے درمیان) ارتکاب ہو تو اس کی بنا پر پانچ سال تک ملزم پر عوارض تعزیری عائد رہیں گے یا دو سال کی قید با مشقت یا بلا مشقت[2] یا جرمانہ[3] کیا جائے گا اور اگر (ب) دن میں ارتکاب ہو تو اس کی سزا مذکورہ قید یا جرمانہ نہ ہوگی۔ لیکن جب تک سپرد کنندہ جسٹس (مجسٹریٹ) کے نزدیک پانچ پونڈ سے زائد نقصان نہ پہنچا ہو کسی شخص کے مقدمے کی سماعت جوری کی مدد سے اور فرد جرم لگا کر نہ کی جائے گی[4]۔

(۲) کینے سے یا محض بالارادہ[5] بیس پونڈ مالیت تک کی جائداد کو

---

[1] ۲۴ و ۲۵ وکٹوریا کلاز ۹۷، دفعہ ۱۴۔

[2] ایکٹ مندرجۂ بالا دفعہ ۱۵۔

[3] ایکٹ مندرجۂ بالا دفعہ ۷۳۔

[4] ۴ و ۵ جارج پنجم کلاز ۵۸ دفعہ ۱۴ (۲)۔

[5] ۴ و ۵ جارج پنجم کلاز ۵۸ دفعہ ۱۴۔ بالارادہ (یعنی ارادے کے ساتھ) عمل کے معنی یہ ہیں کہ وہ فعل دانستہ طور پر عمداً یہ سمجھ کر کیا گیا ہے کہ اس شئے کو نقصان پہنچے گا خواہ اس کے مالک کے خلاف اس شخص کے دل میں کوئی دکینہ، نہ ہو جیسے مثلاً ڈیری فارم کا ملازم اپنے آجر (آقا) کے دودھ میں پانی ملا دے لیکن